"مقدس کفن"

حضرت مسیح علیہ السلام کے صلیب پر سے زندہ اُترنے کا ایک نادر ثبوت

مصنفہ

حسن محمد خان۔ ایم۔ اے

الناشر

عارف برادران ربوہ

• بار اوّل . . . .

• تعداد اشاعت ۱۱۰۰

• ضیاء الاسلام پریس ربوہ

• قیمت :

فضل محمد خان اور نظیر فاطمہ کے نام

جو

میرے لئے مجسّم دُعا تھے

"عادت اللہ اسی طرح ہے کہ دو قسم کے مرسل من اللہ قتل نہیں ہوا کرتے۔ ایک وہ نبی جو سلسلہ کے اوّل میں آتے ہیں اور ایک وہ جو آخر پر آتے ہیں جیسے حضرت موسےٰ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم۔ دوسرے مسیح اور مَیں"۔

(تذکرۃ الشہادتین ص۶۹)

فہرست مضامین

دیباچہ

یہ ۱۹۳۰ء کی بات ہے کہ میں شملہ میں پرائمری پاس کر کے پانچویں جماعت میں ہائی سکول میں داخل ہوا۔ روزانہ ڈھائی میل جانا اور آنا پڑتا لیکن جمعہ کے دن کچھ دور اور نماز کے لئے جایا کرتا تھا۔ میری عمر ابھی بہت چھوٹی تھی غالباً دس برس کا ہوں گا۔ مئی کا مہینہ تھا۔ میں ایک جمعہ کی نماز پڑھ کر اتنا لمبا فاصلہ طے کر کے گھر آیا تو میری ماں برآمدے میں ایک مسلمان ہمسائی کے ساتھ بیٹھی کچھ گفتگو کر رہی تھی۔ مجھے دیکھا تو میرا چہرہ دھوپ کی تمازت سے تمتمایا ہوا سرخ ہو رہا تھا۔ بال دھول سے اَٹے ہوئے تھے۔ مجھے پاس ہی بٹھالیا۔ کتابوں سے ٹھنسا ہوا بستہ میرے گلے سے اتارا اور میرے بالوں میں محبت سے انگلیاں پھیرنے لگیں اور ہمسائی سے کہا "حسنا میں اپنے بچے کے لئے ہمیشہ دعا کیا کرتی ہوں کہ اللہ اسے شہر کے ساتوں دروازوں کا امام بنائے۔" غالباً حسنہ بیگم ہماری ہمسائی کا نام تھا۔ میں کچھ ایسا سمجھ دار تو نہ تھا لیکن اس فقرہ کا مطلب ضرور سمجھ گیا کہ میری ماں میرے نیک ہونے کے لئے بہت دعائیں کرتی ہے۔ اس کے چند ہفتے بعد وہ ایک بچے کی پیدائش پر فوت ہو گئیں۔

میری والدہ بہت نیک خاتون تھیں مجھے بہت اچھی طرح یاد ہے کہ مجھے اس عمر میں نماز یاد کروادی تھی کہ ابھی میں مدرسہ میں نہیں جایا کرتا

تھا اور قرآن بھی بہت چھوٹی عمر میں ختم کرا دیا تھا۔ مجھے اپنی ماں کا فقرہ ہمیشہ ہی یاد رہا اور سوچا کرتا تھا کہ کاش میں ایسا نیک بن جاؤں کہ میری ماں اگر مجھے دیکھے تو خوش ہو جائے۔ میرے والد کا نام فضل محمد خان تھا جو شملوی کہلاتے تھے۔ اگرچہ میری والدہ نوجوانی کی عمر میں فوت ہو گئیں۔ لیکن میرے والد نے لمبی عمر پائی۔ اور اسّی سال کے قریب عمر میں فوت ہوئے۔ مجھے اپنے والد کو بہت قریب سے دیکھنے کا موقعہ ملا۔ اور میں علیٰ وجہ البصیرت کہہ سکتا ہوں کہ وہ اولیاء اللہ میں سے تھے میں نے انہیں عبادت کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ وہ عام طور پر کمرہ بند کر کے اللہ کے حضور کھڑے ہوتے تھے۔ اور انہیں دیکھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔ کھڑے وہ اس حالت میں ہوتے کہ گویا ایک وسیع میدان میں ایک تنہا درخت ہے اور تیز جھکڑ چل رہا ہے۔ اور وہ درخت کبھی دائیں زمین کے ساتھ لگ جاتا ہے اور کبھی بائیں۔ نماز میں یہی حالت میرے باپ کی ہوتی۔ ان کے جسم کا ہر ذرہ کانپ رہا ہوتا تھا۔ ان کی آنکھیں اس طرح اشکبار ہوتیں کہ دیکھنے والا خود اشکبار ہو جاتا۔ ان کے رکوع اور سجود اطاعت باری کا حقیقی نمونہ ہوتے۔ ان کی نماز چند منٹ کی نہ ہوتی۔ بعض اوقات تو میں نے دیکھا کہ دو دو گھنٹے میں اپنی نماز مکمل کی۔

مہمان نوازی کا یہ عالم تھا کہ ان کے ساتھیوں میں سے شاید ہی کوئی ہوگا جس نے اپنی وفات کے وقت ایک معقول جائداد نہ چھوڑی۔ لیکن فضل محمد خان کی وفات کے وقت ان کے بنک میں غالباً چند روپے تھے اور نہ کوئی مکان اور نہ دوکان اپنے پیچھے ترکہ میں چھوڑا۔ سب مہمان نوازی میں لٹا دیا یا تبلیغ اسلام

کی نذر کر دیا۔ بعض لوگ تو ہمارے ہاں صرف اس وجہ سے آتے کہ یہاں آکر خوب خاطر مدارات اور مہمان نوازی ہوگی اور وہ میرے والد کو اپنی دانست میں بیوقوف سمجھتے یا بیوقوف بناتے لیکن دوسرے اس وجہ سے بھی آتے کہ وہ ہمارے والد کی باتوں میں بھرپور دلچسپی لیتے۔ دلی میں ایک زمانہ تھا کہ بارہ آنے سیر مٹھائی ملا کرتی تھی۔ اتوار چھٹی کا دن ہوا کرتا تھا تو میرے ابا صبح ہی ایک سیر مٹھائی منگوا لیتے اور ہماری والدہ کو ارشاد فرماتے کہ مہمان آتے جائیں تو ان کی چائے میں کمی نہ آنے پائے وہ ایک سیر ختم ہو جاتی تو اور ایک سیر آجاتی۔ ہمارے والد غریب ہوتے تو اپنی مہمان نوازی کی وجہ سے خدا جانے کتنے مقروض ہوتے۔

تبلیغ اسلام کا شوق جنون کی حد تک پہنچا ہوا تھا۔ ان کے ایک دوست ماتھر ہوا کرتے تھے۔ جو ہندو کائستھ تھے اور دونوں ایک ہی دفتر میں ملازم تھے۔ ان کے بیوی اور بچے تو باقاعدہ ہندو رسومات کے پابند تھے۔ لیکن مسٹر ماتھر قریباً مسلمان تھے۔ میں نے اپنی آنکھوں سے انہیں قرآن پڑھتے دیکھا ہے۔ انہوں نے اپنے گھر میں اپنے بیوی اور بچوں کو مذہبی آزادی دے رکھی تھی۔ لیکن وہ والد مرحوم کی تبلیغ کے زیر اثر گھر میں مورتی پوجا کی ہرگز اجازت نہ دیتے تھے۔ اس طرح اور بھی ہندو دوست تھے جنہیں تبلیغ اسلام کرتے تھے اور یہ سب لوگ اس قدر متاثر تھے کہ کم سے کم بت پرستی ترک کر چکے تھے۔ قرآن کریم کا مطالعہ کرتے بلکہ بعض تو نمازیں تک پڑھتے تھے۔ ۱۹۳۰ء میں ایک انگریز کو شملہ میں مسلمان کیا جس کا نام مسٹر سچنگر تھا۔ ۱۹۵۱ء میں راولپنڈی میں ایک اور انگریز کو مسلمان کیا۔

دفتر سے پانچ بجے چھٹی ہو جاتی تو دوسرے ساتھیوں کی طرح گھر نہیں آتے تھے۔ بلکہ تبلیغ کے لئے چلے جاتے۔ اور ان کا گھر آنا رات کو دس گیارہ یا بارہ بجے سے قبل نہ ہوتا تھا۔ گفتگو بہت مؤثر کرتے تھے اور اس کا اندازہ محض اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ ۱۹۴۰ء میں میرے پاس فوج میں کرایہ پر موٹریں سپلائی کرنے کا ٹھیکہ تھا اور ان موٹروں میں ایک انگریز جرنیل کی موٹر بھی تھی۔ پہلے مہینہ ہم اس انگریز کو کرایہ کی رقم دینے گئے تو میرے والد بھی ساتھ تھے۔ جنرل صاحب بڑی خوشی سے ملے۔ چیک وصول کیا۔ شکریہ ادا کیا تو ہمارے والد صاحب نے انہیں تبلیغ شروع کر دی۔ یہ لوگ وقت کے بہت پابند ہوتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود نصف گھنٹہ باتیں سنیں اور جب ہم اٹھے تو جنرل صاحب نے کہا مسٹر خان۔ آپ کی باتیں بہت دلچسپ ہیں اگلے مہینہ ضرور تشریف لائیں۔ لیکن اگلے ماہ میرے والد مصلحتاً نہ گئے اور مجھے چیک دیکر بھجوا دیا۔ میں جب جنرل صاحب کے پاس حاضر ہوا تو انہوں نے کہا کہ تمہارے والد کہاں ہیں میں نے عرض کیا کہ جناب گھر پر ہیں وہ نہیں آسکے تو انہوں نے جواب دیا کہ میں چیک انہی سے لوں گا جب فرصت ہو انہیں ساتھ لے کر آؤ۔ بس اس کے بعد میں اور والد صاحب چیک لے کر جاتے تھے اور اس کو خوب تبلیغ کرتے تھے۔ اور وہ نہایت دلچسپی سے باتیں سنتا تھا۔ مجھے اس قسم کے متعدد واقعات یاد ہیں اور اگر لکھنا شروع کروں تو بات بہت لمبی ہو جائیگی۔ غرض ہمارے والد صاحب کوئی موقعہ نہیں جانے دیتے تھے کہ تبلیغ نہ کی جائے۔ صدقہ خیرات۔ جماعت کے لازمی اور طوعی چندے سب میں پیش پیش ہوتے۔ جماعت کے ہمیشہ عہدہ دار منتخب ہوتے۔ شملہ کی جماعت کے برسوں سیکرٹری تبلیغ رہے۔

انہی دو نیک وجودوں کا میری زندگی پہ گہرا اثر تھا۔ یہاں تک کہ ۱۹۴۴ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے وقف زندگی کی تحریک فرمائی۔ اور میں نے اس موقعہ کو غنیمت جان کر اپنے والد کی خدمت میں اس خواہش کا اظہار کر دیا۔ میرے والد یہ سنکر انتہائی خوش ہوئے لیکن مجھے سمجھانے لگے کہ تمہاری زندگی آرام و آسائش میں کٹی ہے۔ وقف کی راہ بہت کٹھن ہوگی ایسا نہ ہو کہ ڈگمگا جاؤ۔ اس لئے خوب غور کر لو۔ اور پھر قدم اٹھاؤ۔ میری زندگی پہ میرے باپ اور ماں کی چھاپ بہت گہری تھی۔ میں خوب اچھی طرح جانتا تھا کہ جسمانی لحاظ سے بہت کمزور صحت کا انسان ہوں۔ علمی لحاظ سے کوئی بڑا مرتبہ نہیں۔ دینی علوم میں میرا مطالعہ بہت گہرا نہ تھا۔ غرض ہر جہت سے تہی دامن تھا۔ لیکن ان سب کے باوجود زندگی وقف کر دی اور خلیفۃ المسیح کی خدمت میں پیش ہو گئے اور قبول بھی کر لئے گئے۔ میرے وجود کا ذرہ ذرہ خدا تعالےٰ کے احسانوں کا زیر بار ہے کہ میں جس دن سے وقف میں لیا گیا۔ اسی دن سے ایک محکمہ کا نائب افسر مقرر ہوا جو میرے لئے بہت بڑا اعزاز تھا۔ چند برس کے اندر اندر دو تین محکموں میں تبدیل ہوا۔ لیکن ۱۹۵۱ء میں میرا تبادلہ وکالت تبشیر میں ہوا اور صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ میرے افسر تھے۔ وہ وکیل التبشیر اور میں ان کا نائب وکیل التبشیر۔ آج اس بات کو ۲۶ سال برس ہے۔ اور میں ان بابرکت ایام کی یاد نہیں بھلا سکتا۔ خدا تعالےٰ نے مجھ پہ ہمیشہ اپنے فضل و کرم کا سایہ رکھا۔ مرزا مبارک احمد صاحب کی سرپرستی میں مجھے ہر قسم کی خدمت کے مواقع ملے۔ ایک زمانہ تھا کہ وہ ہمارے ساتھ کرکٹ کھیلا کرتے تھے اور ہم ایک ہی ٹیم کے ممبر تھے۔ لیکن دفتر میں صبح و شام ان کی ہدایات کے ماتحت

کام کرتا تھا۔

میری یہ بڑی خوش نصیبی ہے کہ وکالت تبشیر میں صاحبزادہ صاحب کے ساتھ میں سب سے سینئر ہوں انہیں مجھ پر مکمل اعتماد ہے جس کے لئے میں شکریہ کے الفاظ نہیں پاتا۔ مجھ پر بعض اوقات ایسے نازک معاملات میں اعتماد کیا گیا کہ میں اپنے نفس میں اپنے آپ کو اس کا اہل نہیں پاتا تھا لیکن خدا تعالےٰ نے وہ سب کام خوش اسلوبی سے پورے کروائے۔

مذہبی لٹریچر کا درساً درساً مطالعہ نہیں کیا تھا اس لئے اپنے اندر اس سلسلہ میں کچھ احساس کمتری پاتا تھا۔ مطالعہ کا شوق تھا اس لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی قریباً ساری کتب مطالعہ کیں۔ چونکہ انگریزی زبان سے بھی کچھ واقفیت تھی اس لئے اس زبان کی کتب بھی زیر مطالعہ رہتیں۔ اتفاق سے دسمبر ۱۹۷۷ء میں حضرت مسیح علیہ السلام کی رداء کفن پر انگریزی میں ایک کتاب نظر آگئی جو کسی دوست کی تھی ان سے مانگی وہ کہنے لگے کہ جناب دو دن کے لئے دے سکتا ہوں۔ مجھے ان کا مطالبہ ماننا پڑا۔ دو اڑھائی سو صفحات کی انگریزی کتاب دو دن میں پڑھ لینا میرے بس کی بات نہ تھی۔ گھر آکر میں نے سوچا کہ یا تو دھاندلی سے یہ کتاب واپس نہ کی جائے۔ یا اسے ختم کرنے کی کوئی تدبیر کی جائے۔ آخر یہ فیصلہ کیا کہ کتاب ٹائپ ہی کرلی جائے۔ اسی وقت مشین پر بیٹھ گیا۔ ٹائپ شروع کردی۔ رات کے تین بج گئے اور نصف کے قریب کتاب ختم ہوگئی تھی۔ اور اسی طرح اگلے روز دفتر کے بعد پھر مشین پر بیٹھ کر رات کے تین بجے تک باقی نصف حصہ بھی ختم کر دیا۔ مالک کتاب کچھ با اصول شخصیت تھے۔ دو دن کے بعد آگئے۔ اور کتاب مانگ لی اور میں نے نہایت ادب کے ساتھ پیش کردی کہنے

لگے "ختم کرلی" میں نے کہا ہاں ختم کرلی۔ کچھ متعجب ہوئے تو وہ ٹائپ شدہ کاغذات انہیں دکھائے کہ یوں ختم کرلی۔

میرے لئے یہ موضوع بالکل نیا تھا۔ سب معلومات میرے علم میں پہلی بار آئی تھیں۔ محض امتحان کے طور پر میں نے بعض علم دوست لوگوں سے اس کے بارے میں تذکرہ کیا تو ان کی معلومات بھی سطحی تھیں۔ اس پر میں نے فیصلہ کیا کہ جماعتی نقطۂ نظر سے اگر میں خود ایک کتاب لکھوں تو شائد مفید ثابت ہو اور اللہ مجھے اس کا ثواب دے لیکن اب سوال اس موضوع پر کتب کا تھا۔ تلاش کیا تو کوئی کتاب نہ مل سکی جو اس موضوع پر معلومات فراہم کرسکے۔ میرے بہت ہی علم دوست مہربان صاحبزادہ مرزا انس احمد صاحب نے مجھے اپنی لائبریری دکھائی جو میرے نزدیک بہت لاجواب تھی وہاں سے ایک کتاب اس موضوع پر مل گئی۔ مجھے تو اب کتاب لکھنے کا خبط سما گیا تھا اس لئے یہ کتاب بھی خود ہی ٹائپ کرلی۔ اس کے بعد امریکہ میں بعض دوستوں کو اور کینیڈا اپنے بچوں کو اور عزیزوں کو لکھا جنہوں نے مجھے اس سلسلہ میں مایوس نہیں کیا اور اس سلسلہ میں سید شریف احمد صاحب آف منصوری کا خاص طور سے احسان مند ہوں کہ انہوں نے بڑا تعاون فرمایا اور میری مدد فرمائی اور کتاب انگریزی میں لکھنی شروع کردی۔ مواد چونکہ انگریزی میں تھا اس لئے میرا ارادہ بھی انگریزی میں ہی لکھنے کا ہوا لیکن بعض صائب الرائے ساتھیوں نے مشورہ دیا کہ انگریزی میں اس موضوع پر سینکڑوں کتب موجود ہیں مگر اردو میں کچھ بھی نہیں ہے۔ اس لئے اسے اردو میں لکھا جائے۔ اس پر میں نے سوچ اور سمجھ کر یہی فیصلہ کیا کہ میں اپنے اردو خوان دوستوں کے لئے اردو میں لکھوں اور یوں یہ اردو میں شروع ہوئی۔

بیسویں صدی میں اس کفن کے بارہ میں بہت تحقیق ہوئی ہے۔ سائنسدان اب اس میں دلچسپی لے رہے ہیں۔ اور میں نے ان کی کتابوں سے استفادہ کیا۔ چودھویں صدی عیسوی سے قبل اس کپڑے کی تاریخ بہت مبہم ہے۔ اب اس پر بڑی کاوش سے کام ہو رہا ہے۔ مجھے جو بھی مواد مل سکا میں نے مختصراً اپنی اس کتاب میں اسے درج کیا ہے۔ اس کی معلوم اور نامعلوم تاریخ کی تفصیل بھی دی ہے۔ بہت بڑے بڑے مورخوں نے اس کے بارے میں جو رائے دی ہے وہ بھی درج کی ہے۔ سائنسدان اس کے بارہ میں جو کچھ سمجھتے ہیں ان کا خلاصہ دیا ہے۔ بعض ایسے محققین کی تحقیق بھی درج کی ہے جو عیسائی عقائد کے بالکل مخالف ہے۔ بعض ڈاکٹروں نے بڑی محنت اور کاوش سے اس پر تحقیق کی ہے اور اس پر جو کتب لکھیں اور مشہور عالم ہوئیں۔ انکی رائے بھی درج کی ہے۔ غرض جو مواد مہیا ہو سکا وہ سب دینے کی کوشش کی ہے۔ لیکن یہ سب اختصار کے ساتھ کیونکہ اگر میں تفصیل میں چلا جاتا تو یہ کتاب بہت ضخیم ہو جاتی اور میں خود محسوس کرتا ہوں کہ یہ مضمون تشنہ ہے اور شائد مجھ سے بہتر تحقیق کرنے والے اور بڑے بڑے علماء اس پر سیر حاصل بحث کریں گے اور حق بات تو یہ ہے کہ مسیح ناصری علیہ السلام کے صلیب پر سے زندہ اترنے کے جو دلائل حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دیئے ہیں وہی بے نظیر اور بے مثال ہیں۔ یہ رداء کفن تو محض ایک زائد ثبوت کے طور پر ہے۔

مجھے اپنی کوتاہ علمی کا اعتراف ہے۔ میں نہ عالم ہوں نہ فاضل۔ مجھے اپنی کم مائیگی کا خوب احساس ہے۔ میں اہلِ زبان بھی نہیں اور شائد محاورات اور زبان دانی کی بہت سی کوتاہیاں اس کتاب میں نظر آئیں گی۔ میری تصنیف کی یہ

پہلی کاوش ہے اور ناتجربہ کاری کے جس قدر بھی نقائص ہوں گے۔ میں ان سب کا معترف ہوں اور رہوں گا۔ میں ان سب دوستوں کا احسان مند ہوں گا جو میری کوتاہیوں کی نشاندہی فرمائیں گے تا آئندہ یہ دوہرائی نہ جائیں

میں اپنے اس عرض حال کو ختم نہیں کرسکتا اگر میں اپنے ان مہربانوں۔ بزرگوں اور رفیقوں کا شکریہ ادا نہ کروں جو میری اس کاوش میں معین و مددگار رہے ہیں۔ اور مجھے حوصلہ دلاتے رہے۔ محترم صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب سلمہ اللہ تعالےٰ ان سب میں سرِفہرست ہیں جنہوں نے اس کتاب کے چھپنے سے پہلے اس کا کچھ حصہ ملاحظہ فرمایا اور مجھے بعض نہایت قیمتی مشورے دیئے۔ اور میری ہمت بندھائی۔ اس کے بعد میں سلسلہ کے نامور عالم اور مغربی افریقہ کے مشہور مبلغ جناب مولانا نذیر احمد صاحب مبشر کا ممنون ہوں جنہوں نے میرا سارا مسودہ بڑے غور سے لفظ لفظ دیکھا اور پڑھا۔ اور نہایت مفید مشورے دیئے جن سے کتاب کی افادیت میں اضافہ ہوا۔ کینیڈا کے سید شریف احمد صاحب منصوری جنہوں نے مجھے کتب بھجوا کر میری ہمت بندھائی۔ میرے دونوں بچے جاوید اور فرید جو اس وقت کینیڈا میں ہیں میرے مددگار رہے۔ میرے نہایت ہی عزیز دوست شفیق قیصر جو واقعی شفیق ہیں میرے لئے بڑے حوصلے کا باعث رہے۔ اور میرے مسودے کو نہ صرف دیکھا بلکہ فنی اور علمی لحاظ سے گراں پایہ مشورے دیئے۔ عبدالرحمٰن صاحب شاکر بھی بڑے لاجواب دوست ہیں انہوں نے بھی مسودہ دیکھا اور اگر میں اپنی شریک حیات سیدہ اختر فیضی کا شکریہ ادا نہ کروں تو میں بہت ناشکرا ہوں گا جنہوں نے بڑی محبت سے میرے اس مسودے کا بہت سا حصہ سنا۔ مجھے علمی اور ادبی مشورے دیئے۔ گھر میں میرے لئے ایسی فضا

اور ماحول میسر کیا جس سے میں اطمینان اور سکون سے اپنا کام جاری رکھ سکوں۔ اور
مکمل کرسکوں۔ اور پھر منشی احمد حسین صاحب کاتب جنہوں نے یہ سارا مسودہ کتابت
کیا وہ تو خاص شکریہ کے مستحق ہیں۔ اور پھر آخر میں بشیر سلیم صاحب مالک
پریس کا احسان مند ہوں جنہوں نے اس کتاب کی طباعت نہایت ہی محبت سے
اپنے پریس میں کروائی اور اس سلسلہ میں مجھے کسی قسم کی پریشانی نہیں اٹھانی پڑی۔ یہ
ہیں وہ سب مہربان جن کا میں ممنون احسان ہوں۔ اور ان سب کو بڑا اجر دے اور ہمیشہ
خوش رکھے۔

حسن محمد خان

یکم دسمبر ۱۹۷۸ء

واقعۂ صلیب یہود اور ردائے کفن

یہ اس کپڑے کی داستان ہے جس کا طول ساڑھے چودہ فٹ ہے یعنی ۵ گز سے کچھ کم اور اس کا عرض ۳ فٹ ۷ انچ یعنی قریباً سوا گز ہے۔ اس کپڑے کی عمر ساڑھے انیس سو برس سے زائد ہے۔ عیسائی دنیا کا یہ انجیل کے بعد مقدس ترین تبرک سمجھا جاتا ہے۔ بلکہ اسے پانچویں انجیل تک کا نام دیتے ہیں۔ نصرانی دنیا نے اسے اتنا تقدس کیوں دیا اور یہ اس قدر مقدس کیوں سمجھا جاتا ہے۔ یہ اس لئے کہ عیسائی سمجھتے ہیں کہ اس کپڑے میں ان کے خداوند یسوع مسیح اس وقت لپیٹے گئے جبکہ آپ موت کی نیند سو چکے تھے۔ جب آپ کے مخالفین کی آتشِ انتقام سرد ہو چکی تھی۔ جب یہودی آپ کو پھانسی پر لٹکا کر اپنی دانست میں جان سے مار چکے تھے۔ اور وہ اس بات پر پھولے نہیں سماتے تھے۔ کہ انہوں نے ایک جھوٹے نبی کو کاٹھ پر لٹکا کر ملعون ثابت کر دیا۔ کیونکہ تورات میں لکھا ہے کہ جو کاٹھ پر لٹکایا گیا وہ لعنتی[1] ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ دو ہزار برس گزرنے کے بعد بھی عیسائی یہود کو قائل نہ کر سکے کہ حضرت مسیح خدا کے بیٹے تھے یا خدا کے محبوب تھے۔ یہودیوں کا دعوےٰ تھا اور ہے کہ انہوں نے اپنی شریعت کی رو سے حضرت مسیح کے جھوٹا ہونے کا حتمی ثبوت فراہم کر دیا۔

---

[1] استثناء باب ۲۱ آیت ۲۳ ۔ گلتیوں باب ۳، ۱۳-۱۴

کہ آپ کو صلیب پر چڑھا کر لعنتی موت مار دیا اور یہی تو وجہ ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ ایک راندہ درگاہ انسان خدا کا محبوب۔ خدا کا بیٹا یا سچا رسول کیسے ہوسکتا ہے۔ یہودی لوگ اپنی شریعت کی خلاف ورزی کیسے کرسکتے ہیں اور کریں بھی کیوں جبکہ عیسائی خود یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ حضرت مسیح صلیب پر فوت ہو گئے۔ نصرانی اس بات پر اپنے دین کی بنیاد رکھتے ہیں کہ حضرت مسیح صلیب پر وفات پا گئے۔ اور یہودی اسی بات کو حضرت مسیح کی تکذیب کا معیار قرار دیتے ہیں۔ عیسائی حضرت مسیح کی موت کی جو توجیہات کرتے ہیں اس سے یہودیوں کو کوئی سروکار نہیں۔ ان کے پاس صلیب پر مرنے والے کا یہی پیمانہ ہے کہ وہ لعنتی ہوتا ہے جھوٹا ہوتا ہے اور کذاب ہوتا ہے وہ ہرگز صادق نہیں ہوتا۔ وہ کسی طور سے خدا کا محبوب نہیں ہوتا۔ اس لئے عیسائی یہودیوں کو ملزم نہیں ٹھہرا سکے۔

عیسائی اعتقادی طور پر۔ واقعاتی طور پر اور تاریخی طور پر برملا یہ تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے صلیب پر جان دے دی۔ آپ صلیب پر ہی فوت ہوئے لیکن صلیب پر جان دے دینے کی ایسی توجیہات گھڑنے کی کوششیں کیں جو ماوراء العقل تھیں۔ پہلی توجیہہ تو یہ کی کہ یسوع مرنے کے بعد تیسرے دن جی اٹھا۔ اب اگر یسوع فوت ہو گئے اور تیسرے دن جی اٹھے۔ تو اس سے یہود کو کیا سروکار۔ دوسرے یہ کہ انسانی تاریخ میں ایک بھی فوت شدہ انسان کا زندہ ہونا کسی زمانہ میں بھی ثابت نہیں۔ عقل انسانی اسے تسلیم کرنے کے لئے ہی تیار نہیں۔ نہ کسی نے آج تک کسی مردہ کو زندہ ہوتے دیکھا ہے اور نہ

سنتا ہے۔ علم طب جو جسم انسانی کے ہر پہلو کو بیان کرتا ہے اس کے نزدیک ہر چیز ممکن ہے اگر نہیں تو یہ کہ کوئی مردہ انسان زندہ ہو کر دوبارہ اس عالم رنگ و بو میں آجائے۔ اسی بے بنیاد عقیدہ کو سہارا دینے کے لئے ایک اور ماوراء العقل عقیدہ تراشا گیا اور وہ یہ کہ آپ اللہ تعالےٰ کے اکلوتے بیٹے تھے۔ اس لئے اللہ تعالےٰ نے انہیں زندہ کر دیا۔ اب اس بات کی بھی توجیہہ کرنا تھی کہ بلاوجہ اس کی ضرورت کیوں پیش آگئی۔ اس کی یہ وجہ پیش کی گئی کہ چونکہ اللہ تعالےٰ عادل ہے اس لئے از روئے انصاف وہ مجبور ہے۔ کہ انسان کو ہر اس گناہ کی سزا دے جو اس نے اس دنیا میں کیا۔ کیونکہ اگر وہ جرم کی سزا نہ دے۔ تو وہ عادل نہیں کہلا سکتا لیکن وہ عادل ہونے کے ساتھ ساتھ رحم دل بھی ہے اس لئے اپنی رحم دلی کی صفت کو بروئے کار لانے کے لئے اس قادر مطلق ہستی نے یہ ترکیب کی کہ اپنے اکلوتے بیٹے کو تمام انسانیت کے گناہوں کی پاداشں میں صلیب پر مروا دیا۔ اور سب انسانوں کے گناہ اپنے بیٹے کے کندھوں پر لاد دیئے اور اسے پھر تین دن تک جہنم میں رکھا تاکہ اپنی صفتِ رحیمیت کا جلوہ دکھا سکے۔ اب جو شخص حضرت مسیح کے خون پر ایمان لے آئے اس کے گناہ معاف دگرنہ وہ جہنمی۔ حضرت مسیح تیسرے دن زندہ تو ہوئے لیکن عیسائیوں کو اب یہ خوف تھا کہ اگر رومن حکومت یا یہودیوں کو پتہ چل گیا کہ ان کا ملزم زندہ ہے تو وہ اسے کبھی زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ اور پکڑ کر دوبارہ پھانسی دیں گے۔ اس لئے ضروری تھا کہ حضرت مسیح فوراً کہیں روپوش ہو جاتے۔ یا فرار ہو کر یہودیوں کے دستِ ستم

سے محفوظ ہو جاتے۔ لیکن چونکہ یہ سب کچھ مخفی رکھا گیا اور رکھا جانا ضروری تھا اس لیئے اس پر پردہ ڈالنے کے لئے ایک اور عقیدہ گھڑا گیا۔ اور وہ یہ کہ آپ آسمان پر تشریف لے گئے[۱] اور آخری زمانہ میں عیسائی دنیا بلکہ اصلاحِ عالم کے لیئے دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے۔ لیکن اس وقت وہ آسمان پر اللہ تعالےٰ کے دائیں ہاتھ تشریف فرما ہیں اور آخری زمانہ کی انتظار فرمارہے ہیں۔

حضرت مسیح کا واقعۂ صلیب ایک تاریخی حقیقت ہے، اس کی تفصیلات چاروں انجیل نویسوں نے دی ہیں۔ آپ پر جو فردِ جرم لگائی گئی اس کا ذکر کیا ہے جس رنگ میں یہودی صنہدریم نے آپ پر مقدمہ چلایا اس کی تفصیل دی ہے پھر جو فیصلہ کیا اس کو بھی درج کیا ہے۔ اس کے بعد آپ کو رومن حکومت کے گورنر جنرل پیلاطوس کے سامنے پیش کیا گیا۔ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ یا تو حضرت مسیح پر ایمان لاچکا تھا یا آپ سے انتہائی متاثر تھا[۲] پھر اس کی بیوی کو تو اللہ تعالےٰ نے واضح طور پر خواب کے ذریعہ اطلاع کر دی تھی کہ حضرت مسیح بے گناہ ہیں اس نے اپنے خاوند کو کہلا بھیجا کہ وہ اس معاملہ میں کوئی سروکار نہ رکھے[۳] لیکن وہ عوام کی خواہشات اور حکومتِ وقت کے قوانین کا پابند تھا اس لئے اس نے وہی کیا جو قانون اس سے مطالبہ کرتا تھا اس نے کوشش کی کہ وہ حضرت مسیح کی جان بخشی کردے اور ایسے حیلے اختیار

---

[۱] مرقس ۱۵: ۱۹ [۲] یوحنا ۱۸: ۳۸، ۳۹ [۳] متی باب ۲۷: ۱۹

کئے جن سے خدا کے اس پیارے کی جان بچ جائے۔ لیکن یہودی پبلک اس پر بلوہ کرنے کو تیار ہو گئی۔ اس لئے وہ مجبور ہو گیا کہ یہودی پارلیمنٹ کے فیصلہ کو عملی جامہ پہنائے[1] اور آخر کار اس نے حضرت مسیح کو پھانسی دینے کا فیصلہ سنا دیا۔ اس کی تعمیل صلیب کے ذریعہ ہونا تھی۔ قبل اس کے کہ آپ کو صلیب دی جاتی۔ قانون کے مطابق آپ کو بہیمانہ طور پر کوڑوں سے ادھیڑا گیا۔ اس کے بعد جب آپ لہولہان تھے تو آپ کو صلیب کی بھاری لکڑی اٹھا کر اپنے مقتل تک جانا پڑا۔ اس سے آپ مزید لہولہان ہوئے۔ بعد ازاں آپ کو ٹھٹھے اور استہزاء کے طور پر سرخ رنگ کا ایک چغہ اور کانٹوں کا تاج پہنایا گیا۔ تاکہ وہ "یہودیوں کے بادشاہ" کا مذاق اڑا سکیں۔ اس تاج کی وجہ سے آپ کا سارا سر ننھے ننھے زخموں سے بھر گیا۔ اور آخر کار آپ کو دونوں کلائیوں اور دونوں پیروں میں لمبے لمبے کیل گاڑ کر صلیب پر لٹکا دیا گیا۔

ایسے مجرموں کا صلیب پر لٹکائے جانے کا مقصد انہیں ختم کرنا ہوتا تھا انہیں جان سے مارنا ہوتا تھا۔ اس غرض سے انہیں کئی کئی دن بھوکا پیاسا لٹکایا جاتا۔ آخر کار بھوک پیاس موسم کی شدت کی اذیت اور تکلیف اٹھا کر وہ غریب جان دے دیتا۔ لیکن اس کے علاوہ جب ان مجرموں کو صلیب سے اتارا جاتا تو اس کی موت کو یقینی بنانے کے لئے اس کی ہڈیاں توڑی جاتی تھیں۔ لیکن حضرت مسیح کی صلیب کا واقعہ بھی اپنے اندر عجائبات رکھتا ہے۔ آپ کو کئی دن نہیں بلکہ محض چند

---

[1] متی باب ۲۷ : ۲۴

گھنٹے ہی صلیب پر رکھا گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت مسیح کو صلیب دینے کے چند گھنٹے کے اندر اندر سبت شروع ہو گیا اور یہودی قانون کی رو سے کوئی مجرم سبت والے دن صلیب پر نہیں رکھا جا سکتا تھا[1] اس لئے آپکو سبت شروع ہونے سے قبل ہی صلیب سے اتار لیا گیا۔ تا یہودی قانون کی خلاف ورزی نہ ہو۔ جب آپ کو ان مخصوص حالات کے پیش نظر چند گھنٹوں کے اندر اندر اتارنا پڑا۔ تو اس کے بعد ان کی ہڈیاں توڑی جاتی تھیں[2] لیکن وہ بھی نہ توڑی گئیں اور آپ کو اس جان لیوا کاٹھ سے اتار کر جس کپڑے میں لپیٹا گیا۔ یہ وہ چادر ہے جس کی داستان ہم اس کتاب میں ذکر کریں گے۔ یہ وہ چادر ہے جس میں آپ کا لہو لہان جسم رکھا گیا۔ اس چادر پر آپ کے لہو کے ۲۸ نشان ثبت ہیں۔ خدا کے پیاروں کا خون کس قدر مقدس ہوتا ہے۔ یہ خون اللہ کے پیارے مسیح کا ہے۔ تقدس کے لحاظ سے اس کی جتنی بھی تعظیم کی جائے کم ہے۔ یہ چادر اس بات کی حقدار ہے کہ عیسائی دنیا اسے اپنی جانوں سے بھی زیادہ قیمتی سمجھے۔ اور یہ عیسائی دنیا کا امتیاز ہے کہ اس نے اسے ہر رنگ میں محفوظ رکھنے کی کوشش کی۔ اس پر دو چار یا دس بیس نہیں بلکہ مختلف زبانوں میں ایک ہزار سے زیادہ کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ سینکڑوں نہیں ہزاروں مضامین میں اس پر سیر حاصل بحث کی جا چکی ہے۔ صرف اسی موضوع پر رسالے نکلتے ہیں جن میں ایک ہی عنوان کے مختلف پہلو ہوتے ہیں۔ اور وہ ہے ردائے کفن۔ ان کتب میں مختلف طریق اور ذرائع سے اس چند گز کپڑے

---

[1] یوحنا ۱۹: ۳۱ [2] یوحنا ۱۹: ۳۶

کی تاریخ اور اہمیت بیان کی گئی ہے۔ اس کے ریشے اور اس کی بنائی پر بحث کی ہے اس پر خون کے داغوں پر بحث کی ہے۔ اس پر جو تصویر بنی ہے اس کی سائنٹیفک تحقیق بیان کی ہے غرضکہ مختلف مصنفین اور محققین نے اپنے اپنے رنگ میں تحقیق کا حق ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔

اس کپڑے کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس پر خدائے ذوالجلال کے پیارے مسیح کے مقدس لہو کے داغ ہیں بلکہ یوں کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کہ یہ کپڑا لہو کے داغوں سے بھرا ہوا ہے۔ لیکن ایک اور نہایت ہی اہم خصوصیت جس کا ہم نے اب تک ذکر نہیں کیا وہ یہ ہے کہ اس کپڑے پر حضرت مسیح علیہ السلام کی منفی یعنی فوٹو گرافی زبان میں Negative تصویر ثبت ہے۔ یہ کیسے ہو گئی۔ یہی ایک معمہ ہے جو اب تک نصرانی دنیا کے لئے دردِ سر بنا ہوا ہے۔ بعض بڑے بڑے عیسائی علماء اس تصویر کو انسانی ہاتھ کی کاریگری سمجھتے ہیں اور اس کے دلائل و شواہد پیش کرتے ہیں۔ لیکن بے شمار محققین ایسے بھی ہیں جنہوں نے قرائن سے، دلائل سے، شواہد سے اور سائنٹیفک تجربات سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ کپڑا وہی رداءِ کفن ہے جس میں حضرت مسیح کو صلیب پر سے اتارنے کے بعد لپیٹ کر مقبرہ میں رکھا گیا اور اس پر جو تصویر ابھری ہے وہ ہرگز انسانی ہاتھ کی کاریگری نہیں بلکہ یہ آپ کا فوٹو گرافک عکس ہے۔

ہم اپنی اس کتاب میں حضرت مسیح کی اس تصویر کی تفصیلات عرض کریں گے لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ اس سوا چودہ فٹ کپڑے کے نصف پر حضرت مسیح

کے سامنے کی اور باقی نصف پر حضرت مسیح کی پشت کی تصویر بالکل نمایاں ہے۔

عیسائی مصنفین اور محققین اپنے اعتقادات کے پیش نظر یہ بات کہنے پر مجبور ہیں اور مجبور تھے کہ حضرت مسیح اس چادر میں لپیٹے جانے کے وقت فوت ہو چکے تھے۔ آپ اس وقت مردہ تھے۔ آپ میں بالکل کوئی جان نہ تھی لیکن ہماری تحقیق یہ ہے کہ آپ جب اس چادر میں لپیٹے گئے۔ تو آپ ابھی زندہ تھے۔ آپ کا دل جیتے جاگتے انسان کے دل کی طرح کام کر رہا تھا اور اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ جب آپ کو صلیب سے اتارا گیا تو آپ اس وقت بھی زندہ تھے۔ اور یہودی اپنے عزائم میں ناکام ہو چکے تھے۔

اس چادر کی تاریخ اور حالات کے ساتھ ساتھ ہم انشاء اللہ اس امر پر سیر حاصل بحث کریں گے کہ آخر وہ کونسے قرائن ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ زندہ تھے اور فوت نہیں ہوئے۔ حضرت مسیح کی حیات اور وفات آج تک ایک اعتقادی مسئلہ تھا لیکن اب اس چادر اور اس کی تصویر اور اس پر لہو کے داغوں سے یہ ایک سائنٹیفک اور علمی رنگ اختیار کر گیا ہے۔ آج یہ رداءِ کفن مذہبی راہ نماؤں کے قبضۂ تصرف میں ہے۔ اور وہ پوری کوشش کر رہے ہیں کہ اس پر کسی قسم کی تحقیق نہ ہو۔ کیونکہ اس تحقیق سے سنسنی خیز انکشافات کی توقع ہے۔ جس سے یہ بھی ممکن ہے کہ عیسائیت کی بنیادیں تک ہل جائیں۔ لیکن یہ زمانہ سائنس کا زمانہ ہے۔ یہ ٹیکنالوجی کی دنیا ہے۔ انسان عقلی لحاظ سے بہت آگے بڑھ گیا ہے۔ اب وہ ہر بات عقل اور سائنس کی کسوٹی پر پرکھتا ہے۔ اگر پوری اترے تو ماننے کو تیار ہوتا ہے۔ ورنہ رد کر دیتا ہے۔ اور یہی ایک بہت بڑی وجہ ہے کہ یورپ

اور امریکہ جو عیسائیت کے سب سے بڑے گڑھ ہیں۔ رفتہ رفتہ اس مذہب کو خیرباد کہتے چلے جا رہے ہیں۔ دہریت کا دور دورہ ہے۔ عیسائیت کو لوگ چھوڑ چکے ہیں۔ ان کی بلا سے کہ حضرت مسیح خدا تھے یا خدا کے بیٹے۔ لیکن یہ لوگ تو خدا کے بھی منکر ہو بیٹھے۔ دو نہیں چار نہیں دس نہیں بیس نہیں سینکڑوں بلکہ ہزاروں گرجے کوڑیوں کے مول بک گئے، کچھ شراب خانے بن گئے اور کچھ قحبہ خانے بن گئے۔

اسی لئے تو اب یہ مطالبہ زور پکڑتا جا رہا ہے کہ اس رداء کفن کو بھی سائنس کے تجربات کی کسوٹی پر چڑھایا جائے۔ تاکہ اس کی اصل ماہیت کا پتہ چل سکے۔ اور سائنس اس کی حقیقت کو کھول کر رکھ دے، وہ یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ کیا یہ کپڑا واقعی انیس سو سال پرانا ہے۔ اس پر خون کے دھبے کیا انسانی خون کے ہی داغ ہیں یا یونہی کوئی جعل سازی ہے۔ پھر یہ کہ کیا یہ لہو زندہ انسان کا خون ہے یا یہ اس انسان کا خون ہے جو مر چکا ہے۔

اس کے علاوہ اس کے ساتھ ملتے جلتے جو بھی امور متنازعہ ہوں جن سے یہ پتہ چل سکے۔ کہ یہ وہی چادر ہے جس میں حضرت مسیح علیہ السلام کو صلیب پر سے اتار کر رکھا گیا تھا اور جو آج تک محفوظ چلی آ رہی ہے۔ اس پر لہو کے جو داغ ہیں یہ حضرت مسیح کے ہی ہیں کسی اور کے نہیں۔ اس پر جو تصویر بنی ہے وہ قدرتی عمل سے بنی ہے یا کسی جعل ساز کی جعل سازی ہے۔

ارباب کلیسا اب تک سر عام تحقیقات کے لئے تیار نہیں۔ لیکن وہ

وقت دُور نہیں کہ جب یہ لاثانی تبرک موجودہ زمانہ کی لیبارٹریوں اور مشینوں پر چڑھ کر وہ حیرت انگیز انکشافات کرے گا کہ جس سے عیسائی دنیا انگشت بدنداں رہ جائے گی۔

تورین اور مقدّس چادر

اٹلی کے شمال مغرب میں ایک مشہور شہر ہے جس کا نام تورین Turin ہے جو ملک کا تیسرا بڑا شہر ہے۔ اس کی آبادی دس لاکھ نفوس سے بھی زیادہ ہے۔ شہر کا رقبہ دس مربع میل سے بھی اوپر ہے۔ سطح سمندر سے اس کی بلندی ۸۴۴ فٹ ہے اور دریائے پو کے کنارے آباد ہے۔ شہر کی سب گلیاں اور بازار بالکل سیدھے ہیں اور ایک دوسرے کو زاویہ قائمہ پر قطع کرتے ہیں۔ شہر نئی وضع کا ہے۔ لیکن اس کی بنیادیں قدیم رومن شہر آگستا تورنورم پر استوار کی گئی ہیں۔ اوسطاً بارش ۲۴ انچ سالانہ ہوتی ہے۔

اس شہر میں ایک بہت بڑا گرجا ہے۔ جسے یوحنا بپتسمہ دینے والے کا گرجا کہا جاتا ہے۔ یہ گرجا ۱۴۹۲ء میں تعمیر کیا گیا تھا اور اس کا ڈیزائن مشہور اطالوی انجینئر باقیو پنتیلی Baccio Pontelli نے تیار کیا تھا۔ اسی عظیم گرجے کی قربان گاہ کے اوپر ایک اور چھوٹا سا گرجا یا Chapel تعمیر کیا گیا ہے جسے کلیسائے کفن یا Chapel of Sindone کہا جاتا ہے۔ اس میں وہ چادر محفوظ ہے جس کے متعلق عیسائی دنیا کا کہنا ہے کہ یہ وہ کپڑا ہے جسے حضرت مسیح کے حواری یوسف آرمتیہ نے آپ کو صلیب سے اتارے جانے کے بعد لپیٹا تھا اور یہ چادر خدا کے پیارے مسیح کے لہو کے ان دھبوں سے داغدار ہے جو آپ کو صلیب پر لٹکائے جانے کی وجہ سے لگے تھے۔ یا آپ کو ان کوڑوں

کی وجہ سے لگے۔ جو آپ کو صلیب دیئے جانے سے قبل مارے گئے تھے۔ اس کلیسائے کفن کے سامنے تین جنگلے ہیں جو نہایت خوبصورتی سے بنائے گئے ہیں

اس شہر میں اور بھی بعض مشہور گرجے ہیں ان میں سے ایک سینٹ فلپ کا گرجا ہے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس کا گنبد بوقت تعمیر ہی گر پڑا تھا۔

تورین یونیورسٹی ۱۴۰۴ء میں قائم کی گئی اور جنگ عظیم دوم سے قبل اس میں قریباً ۵ ہزار طالب علم تعلیم پا رہے تھے۔ اس یونیورسٹی میں ایک انجینئرنگ سکول۔ ایک انسٹی ٹیوٹ آف کامرس ہے۔ اس یونیورسٹی میں ایک اکاڈیمی آف سائنسز بھی ہے۔ جو ۱۷۵۷ء میں قائم کی گئی۔ اس یونیورسٹی کی عمارت ۱۷۱۳ء میں تعمیر کی گئی تھی۔ اسی بلڈنگ میں ان کی عظیم لائبریری بھی ہے۔ جس میں نادر کتب کی معقول تعداد موجود ہے۔ ۱۹۰۴ء میں اس عمارت کو آگ لگ گئی۔ جس کی وجہ سے بعض کتب ضائع بھی ہو گئیں

اسی شہر میں ایک بڑا ہسپتال ہے جو اپنے بانی کوتولانگو کے نام سے موسوم ہے اس ہسپتال میں سات ہزار مریضوں کے لئے بیک وقت انتظام ہے۔

تورین اہم صنعتی شہر ہے۔ مشینیں۔ کیمیکلز۔ ریشمی اور سوتی کپڑا۔ چمڑہ۔ ماچس پلاسٹک۔ موم بتی۔ صابن۔ فرنیچر۔ عطریات۔ شیشہ۔ تیار ملبوسات کی اہم صنعتیں اپنی پوری ترقی یافتہ صورت میں موجود ہیں۔ موٹر سازی کی صنعت کی وجہ سے بھی یہ شہر بہت مشہور ہے۔ یوں سمجھ لیں کہ یہ اٹلی کی صنعتوں کا بہت بڑا مرکز ہے۔ اور تو اور ہوائی جہاز تک کے کارخانے اس شہر میں قائم ہیں۔ چاکلیٹ اور شراب کے کئی کارخانے پورے عروج پر ہیں۔ بجلی یہاں پانی سے حاصل کی جاتی ہے۔ فرانسیسیوں نے ۱۷۰۶ء میں اس شہر پر ستر ہزار فوجیوں کے ساتھ حملہ کیا تھا اس علاقہ کے حاکم یوجین ساوا

نے تیس ہزار کی مٹھی بھر فوج کے ساتھ جی توڑ کر مقابلہ کیا۔ اگرچہ وہ دشمنوں کو شکست تو نہ دے سکا۔ البتہ انہیں محاصرہ اٹھانے پر مجبور ضرور کر دیا اور اس حملہ کے بعد فرانسیسیوں کا وقار تو خاک ہی میں مل گیا اور آئندہ کبھی پھر حملہ کی جرأت نہ ہوئی۔

شہر کی اس مختصر سی تمہید کے بعد ہم دنیائے عیسائیت کے اس مقدس کفن کے بارہ میں عرض کرتے ہیں جو اس شہر کے ایک مشہور گرجے میں محفوظ ہے اور جو آج مذہبی اور سائنسی دنیا میں بڑی شہرت اختیار کر چکا ہے۔ مذہبی دنیا اس لئے اسے متبرک سمجھتی ہے کہ یہ وہ چند گز کپڑا ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام کے خون کے دھبوں سے لبریز ہے۔ یہ ان کے خداوند کی اذیتوں کا شاہکار ہے۔ جس نے باطل کے سامنے سرنگوں ہونے سے انکار کر دیا۔ خدا کے اس پیارے نے صلیب کی میخیں قبول کیں لیکن جادۂ حق سے ایک انچ بھی انحراف نہ کیا۔ اس نے جان دینا منظور کیا لیکن خدا نے جو فریضہ اس کے سپرد کیا تھا اس کی تبلیغ و اشاعت سے منہ نہ موڑا۔

اس کے متبرک ہونے کی دوسری اہم اور بڑی وجہ یہ ہے کہ اس پر ایک انسانی تصویر کے کچھ نقوش نظر آتے ہیں۔ جن کے متعلق یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ حضرت مسیح کی شبیہ مبارک ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ہر ۳۳ برس کے بعد اس ردائے کفن کی عوام میں نمائش کی جاتی ہے۔ لوگ دور دور سے اس کی زیارت کے لئے آتے ہیں۔ عیسائیوں کے نزدیک یہ بڑا ہی قابلِ احترام تبرک ہے۔ نمائش کے وقت میلے کا سماں ہوتا ہے۔ لوگ اسے بڑی عقیدت کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ کہ یہ ان کے خداوند کا آخری لباس تھا۔ اس پر اس کے مقدس لہو کے داغ ہیں۔ یوں بھی

ہر مذہب کا پیرو اپنے رہنما کے اس قسم کے تبرکات کو عقیدت کے جذبات اور نگاہ سے دیکھتا اور جانچتا ہے۔ اور اسی طرح عیسائی بھی اپنے خداوند کے اس تبرک کو دیکھتے ہیں۔

یہ مقدس چادر اس معزول شاہ اٹلی کی خاندانی ملکیت ہے جس کا نام امبرٹو ثانی ہے یہ ۱۸۹۸ء کا ذکر ہے جبکہ اس امانت کے مالک شاہ امبرٹو اول تھے تو اس کی نمائش کا وقت آیا۔ اس سلسلہ میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ شاہان اطالیہ اس تبرک کی نمائش خاص خاص مواقع پر ہی کیا کرتے تھے۔ ۱۸۹۸ء میں جب اس مقدس کپڑے کی نمائش کی گئی تو لاکھوں عقیدت مندوں نے اس کی زیارت سے روحانی تسکین حاصل کی۔ اس موقعہ پر شاہ اٹلی کے حکم سے ایک نامور فوٹو گرافر سیکونڈو پیا Secondo Pia نے کیمرے سے اس کی تصاویر اتاریں۔ یہ وہ زمانہ تھا۔ جبکہ فوٹو گرافی کی صنعت ابھی اس قدر ترقی یافتہ نہ تھی جتنی کہ آج کل ہے۔ اس زمانہ میں سیلولائڈ کی فلمیں نہ ہوتی تھیں بلکہ وہ فلمیں جن پر منفی یا negative تصویر ابھرتی ہے شیشے کی ہوا کرتی تھیں۔ اور ان کو محفوظ کرنا بھی آج کے مقابلہ میں خاصا دشوار ہوا کرتا تھا۔ لیکن فوٹو گرافی کا آغاز ہو چکا تھا اس لئے منفی اور مثبت یعنی positive تصاویر کا تصور عام ہو چکا تھا۔ پیا نے خوشی خوشی وہ تصاویر اتاریں اور اپنے ڈارک روم یعنی انذھیرے کمرے میں چلا گیا جہاں کہ اس کی فلم تیار ہونی تھی۔ جوں جوں وہ اس کی فلم تیار کر رہا تھا اور لوہے کے اوکسا ئیڈ کے محلول میں شیشے کی پلیٹ پر تصویر ابھرتی چلی جا رہی تھی۔ پیا کو ہرگز یہ احساس نہ تھا کہ یہ منفی Negative

تصویر شیشے پر بھی منفی نہیں آئیگی۔ بلکہ مثبت positive بن جائے گی

اور یہی ہوا کہ شیشے کی پلیٹ کپڑے والی منفی تصویر مثبت بن گئی۔ اس کی یہی وجہ تھی کہ کپڑے پر منفی تصویر تھی۔ اور جب اس منفی تصویر کی منفی تصویر لی گئی تو مثبت بن گئی۔ یعنی وہ حصے جو روشن تھے وہ سیاہ ہو گئے۔ اور جو سیاہ تھے وہ روشن ہو گئے۔ اور تصویر مثبت بن گئی اور حضرت مسیح علیہ السلام کی صحیح اور سچی تصویر سیکونڈو پیا کے شیشے کی پلیٹ پر نمایاں نظر آ رہی تھی پیا پہلے تو کچھ سمجھ نہ سکا۔ لیکن جوں جوں تصویر کے خدوخال نمایاں ہوتے گئے تو اسے وہ تصویر ایک حقیقت نظر آنے لگی وہ تو اسے دیکھ کر گویا مبہوت ہو گیا۔ وہ اس حیرت انگیز تصویر کو دیکھ کر کانپنے لگ گیا چند لمحات کے لئے اس تصویر نے اسے مبہوت کر دیا۔ قریب تھا کہ پلیٹ اس کے ہاتھ سے گر کر کرچی کرچی ہو جاتی۔ مگر اس نے اپنے آپ کو سنبھالا اور اسے غور سے دیکھا حضرت مسیح کی حقیقی تصویر اس کے روبرو تھی، اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آتا تھا اس کے سارے بدن پر رعشہ تھا اس کے تو گویا ہوش و حواس گم تھے۔ وہ اپنے خداوند کی تصویر دیکھ کر بھونچکا رہ گیا تھا۔ انیس سو برس کے بعد حضرت مسیح علیہ السلام کی تصویر نہایت صفائی سے شیشے کی پلیٹ پر نمایاں تھی اور اب یہ ایک حقیقت بن چکی تھی اسے جھٹلایا نہیں جا سکتا تھا۔ یہ کسی مصور کے موئے قلم کا شاہکار نہ تھا۔ یہ تصوراتی تصویر نہ تھی۔ یہ وہ تصویر تھی جس کی حقیقت انیس سو برس سے راز تھی اور سیکونڈو پیا کے کیمرہ نے یہ مقدس راز آشکار کر دیا تھا۔

اب یہ راز راز نہ رہ سکا۔ سارے یورپ میں اس کا غلغلہ مچ گیا۔ حضرت مسیح کی حقیقی تصویر سارے یورپ میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ عقیدتمندوں

نے اسے آنکھوں سے لگایا۔ لیکن بہت سے ایسے بھی تھے جنہوں نے اس کی حقیقت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ وہ سمجھتے تھے کہ یہ جعل سازی ہے۔ دھوکہ دہی ہے شعبدہ بازوں نے سادہ لوح لوگوں کو بہلانے کے لئے کھیل کھیلا ہے۔ لیکن محض کہہ دینے سے تو ایک حقیقت پر پردہ نہیں ڈالا جا سکتا۔ پیا کی تصاویر ایک حقیقت تھیں اور ہیں۔ یہ دانشوروں نے جانچیں ان پر متعدد بار تحقیق کی اور پھر اکثر لوگوں نے یہاں تک تو تسلیم کر لیا کہ اس پر جو شبیہہ ثبت ہوئی ہے اسکی تفاصیل وہی ہیں جو انجیل نویسوں نے دی ہیں۔

محض اسی پر تو اکتفا نہیں کیا جا سکتا کہ چونکہ یہ تصویر انجیل نویسوں کی بیان کردہ تفاصیل کے مطابق ہے اس لئے کفن کے کپڑے کو حقیقی تسلیم کر لیا جائے۔ یہ اعتراض بھی کیا گیا کہ کیا ایک کپڑا انیس سو برس تک رہ بھی سکتا ہے۔ اب جب تحقیقات کی گئیں۔ تو یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ یہ کپڑا انیس سو برس تک قائم رہ سکتا ہے۔ دمشق اور پومپی آئی کے اسی زمانہ کے کپڑے یورپ کے عجائب گھروں میں محفوظ ہیں۔ پھر یہ سوال بھی سامنے آتا ہے کہ کیا اس زمانہ میں ایسا کپڑا بنا بھی جاتا تھا اور کیا آج اس زمانہ کا اور اس بنتی کا کپڑا موجود بھی ہے یا نہیں تو یہ تحقیق بھی ہو چکی ہے کہ شہر پومپی آئی جب تباہ ہوا تھا تو اس وقت اس قسم کے کپڑے موجود تھے۔ اور شہر کی کھدائی سے اسی قسم کی بنائی کے کپڑے برآمد ہو کر عجائب گھروں کی زینت ہیں۔ محققین کے لئے یہ امر بڑا غور طلب مسئلہ بن گیا ہے کہ ردائے کفن پر تصویر کے جو نشانات ثبت ہیں کیا یہ واقعی کسی انسان کے ہیں اور وہ بھی کسی مردہ انسان کے ہیں یا زندہ کے عیسائی

مذہب کے کسی بھی پیرو کے لئے یہ طے شدہ مسئلہ ہے کہ اگر یہ تصویر حضرت مسیح علیہ السلام کی ہے تو پھر یہ ایک مردہ انسان کی تصویر ہے۔ زندہ انسان کی ہرگز نہیں۔ یہ اس کا اعتقادی مسئلہ ہے۔ کسی انسان کو اپنے اور اپنے باپ دادا کے اعتقادات کے خلاف منوانا ایک پہاڑ سے ٹکرانے کے مترادف ہے۔ نصرانی دنیا کا یہ مسلمہ عقیدہ ہے کہ حضرت مسیح صلیب پر فوت ہو کر ان کے گناہوں کا کفارہ ہوئے۔ ایک عیسائی بچہ جس دن پیدا ہوتا ہے اس کے کان میں یہی الفاظ پڑتے ہیں اور جس دن وہ فوت ہوتا ہے تو وہ اس عقیدہ پر مرتا ہے کہ حضرت مسیح اس کے گناہوں کا کفارہ ہو کر صلیب پر فوت ہوئے اور تیسرے دن قبر میں جی اٹھے۔ اور پھر آسمان پر تشریف لے گئے۔ ردائے کفن پر جس قدر کتب لکھی گئیں یا مضامین لکھے گئے سوائے چند ایک کے سب کے پس منظر میں یہی عقیدہ کارفرما ہے۔ کہ حضرت مسیح فوت ہو گئے اور یہ ایک مردہ جسم کی تصویر ہے اس پر لہو کے جو داغ ہیں وہ مردہ جسم کے لہو کے نشانات ہیں۔ اب یہ بات تو قابل تسلیم سمجھی جا سکتی ہے کہ تصویر میں جو انسان نظر آرہا ہے وہ بظاہر مُردہ ہے۔ لیکن لہو کے داغ ایک متنازعہ فیہ مسئلہ بن گئے ہیں۔ اور یہ بات آج مغربی دنیا میں زیر بحث آگئی ہے۔ کہ یہ داغ ایک زندہ انسان کے خون کے دھبے ہیں یا مردہ انسان کے۔ اس چادر پر ۲۸ سے زیادہ مختلف جگہوں پر یہ داغ نمایاں ہیں۔ گویا یہ چادر خون کے داغوں سے لبریز ہے۔ وہ شخص جس نے یہ مسئلہ اٹھایا ہے کہ یہ داغ ایک زندہ انسان کے لہو سے بنے ہیں اس نے اس کی بنیاد سائنس پر نہیں رکھی اپنی ایک رویاء پر رکھی جس میں حضرت مسیح اسے

ملے اور اسے یہ پیغام دیا کہ یہ مقدس راز ہے جو میں تمہیں بتا رہا ہوں اور وہ یہ کہ میں صلیب پر فوت نہیں ہوا تھا۔ یہ رویا رویائے صالحہ تھی یا نہیں۔ یہ بحث طلب مسئلہ ہے لیکن اس سے ایک ایسی تحقیق کا دروازہ کھل گیا ہے۔ جس سے عیسائی دنیا خاصی حیران و پریشان ہو گئی ہے۔

اس سلسلہ میں ایک اور اہم سوال جو غور طلب ہے وہ یہ ہے کہ آپ کی اذیتوں یا موت یا دفنانے کی تفصیل اور نشانات جو اس کفن پر نمایاں ہیں کیا یہ اس سے ملتی جلتی ہیں جو انجیل نے بیان کی ہیں۔

پھر یہ سوال بھی تو ذہن میں آتا ہے کہ اگر یہ کسی جعل ساز کا ہی کارنامہ ہے تو اس نے اتنی باریک تفاصیل کے ساتھ اسے سرانجام کیسے دیا ہوگا۔ اس تصویر پر ان اذیت ناک کوڑوں کے نشان نمایاں ہیں جو حضرت مسیح کو صلیب دیئے جانے سے پہلے لگائے گئے۔ بلکہ انہیں ایک ایک کرکے گن بھی لیا گیا ہے۔ آپ کے ہاتھوں اور کلائیوں میں لوہے کے جو کیل ٹھونکے گئے۔ ان کی تصویر ایک بڑی حکایت بیان کرتی ہے۔ آپ کے سر پہ کانٹوں کا جو تاج سجایا گیا۔ اس نے بھی ایک بڑی حقیقت آشکار کی ہے اور وہ یہ کہ عیسائی مصوروں نے حضرت مسیح کی پیشانی پر محض ایک خاردار ٹہنی لپیٹ کر اسے تاج بنا کر دکھایا ہے۔ لیکن رداءِ کفن سے یہ بات عیاں ہے کہ آپ کو کانٹوں کا ایسا تاج پہنایا گیا جو ٹوپی نما تھا۔ اور جس نے سارے سر کو زخمی کیا۔ اور جب وہ اتارا گیا۔ تو کئی زخموں سے خون رِس رہا تھا۔ پھر یہ کہ رومی سپاہی نے آپ کی پسلی میں جو بھالا مارا تھا اس کا بالکل صحیح مقام اس تصویر میں نمایاں ہے۔ اب اگر

یہ سب جعل سازہی کی کرتوت ہے تو یہ بات یقیناً حیرت انگیز ہے کہ وہ اتنی باریک تفصیلات کس طرح بنانے پر قادر ہو گیا۔

پھر یہ سوال کہ اگر اس چادر میں حضرت مسیح لپیٹے نہیں گئے تھے تو کیا کوئی اور نامعلوم شخص جو اس میں لپیٹا گیا جس کی تصویر اس پر ثبت ہے کیا اسے بھی بالکل حضرت مسیح کی طرح ہی اذیتیں دے کر مارا گیا۔ کیا اسے بھی اسی طرح کوڑے لگائے گئے؟ کیا اسے بھی اسی طرح صلیب پر لٹکایا گیا۔ اور پھر اسی طرح کھلی اور ہوادار قبر میں رکھا گیا۔ اور اس کے بھی بعینہٖ وہی زخم لگے جو حضرت مسیح کے لگے تھے۔

پھر یہ سوال بھی ذہن میں ابھرتا ہے کہ یہ چادر حضرت مسیح کا ہی آخری کفن ہو مگر اس کے بھی تو ثبوت تلاش کرتے ہوں گے۔

عیسائیوں کے عقیدہ کے مطابق حضرت مسیح صلیب پر فوت ہو گئے اور تیسرے دن جی اٹھے۔ ردائے کفن کی اس بارہ میں کیا شہادت ہے۔

پھر ایک اور بہت بڑا سوالیہ نشان ہے۔ جو بڑا باریک بھی ہے اور سائنسی دنیا کی بہت بڑی تحقیق کا باعث بھی بن گیا ہے اور وہ یہ کہ اگر یہ تصویر حقیقی ہے تو وہ کونسے عوامل تھے جن کی وجہ سے یہ تصویر حقیقی طور پر اور ایک عام کپڑے پر ابھر آئی۔

یہ سب باتیں یہ چادر اور اس پر جو تصویر ابھری ہے جسے عیسائی دنیا نے اس قدر تقدس دیا ہے ثبوت مانگتی ہیں۔ ڈاکٹروں۔ ادیبوں۔ سیاحوں اور نامہ نگاروں نے اس پر بڑی کاوش کے ساتھ مختلف زبانوں میں

سینکڑوں چھوٹی بڑی کتابیں لکھی ہیں اور انہوں نے اس میں اپنی تحقیقات کا ماحصل لکھا ہے۔ اکثر لوگ اسی نتیجہ پر پہنچے ہیں۔ کہ یہ واقعی حضرت مسیح کا وہ آخری لباس تھا جو آپ کو صلیب سے اتارے جانے کے بعد پہنایا گیا یہی وہ بابرکت چادر ہے جس میں آپ کا مقدس وجود اس وقت رکھا گیا۔ جبکہ آپ زخموں سے چور تھے۔ جسم کے مختلف حصوں سے لہو بہہ رہا تھا۔ چونکہ آپ حکومت وقت کے مجرم تھے۔ اور یہودی عوام کی خواہشات کے پیش نظر ہی آپ کو پھانسی دی گئی تھی اس لئے آپ کی تدفین بھی انتہائی رازداری سے کی گئی ہوگی۔ آپ اس وقت زندہ تھے یا مردہ تھے ہم بعد میں بحث کریں گے۔ لیکن یہ بات مسلّم ہے کہ آپ تیسرے دن قبر سے نکل کر تشریف لے گئے تھے اور یہ چادر بعد میں آپ کے متبعین کو اسی قبر سے ملی تھی جو آج عیسائی دنیا کا مقدس ترین تبرک بن گئی ہے۔

تاریخ رداء

حضرت مسیح علیہ السلام کے واقعہ صلیب کے بعد تقریباً ایک ہزار سال تک اس رداء کفن کی معلومات بہت ہی شاذ ملتی ہیں۔ اس کپڑے کو جعلی اور فراڈ کہنے والوں کے ہاتھ میں یہ ایک مضبوط دلیل ہے کہ اس کپڑے کی تاریخ حضرت مسیح تک پہنچتی ہی نہیں۔ اسے جعلی نہ کہا جائے تو کیا کہا جائے۔ بعض کتب میں مندیل کا ذکر ملتا ہے۔ جس پر حضرت مسیح کی شبیہہ ثبت تھی۔ اور اس سلسلہ میں کچھ کہانیاں بھی عیسائیوں میں مشہور ہیں جن کی کوئی سند موجود نہیں۔ لیکن عیسائیت جن حالات سے گزر رہی تھی وہاں اس قسم کے قصوں کہانیوں کا پیدا ہو جانا کوئی غیر معمولی واقعہ نہیں۔ تین سو برس تک حضرت مسیح کے پیروکس مپرسی اور بیچارگی کے عالم میں کبھی کہیں بھاگتے اور کبھی کہیں۔ غاروں میں چھپ چھپ کر اپنی زندگی کے دن پورے کرتے۔ کسی عیسائی کا پتہ چل جانا موت کا دروازہ کھل جانے کے مترادف تھا۔ ان حالات میں کسی کی کیا مجال تھی کہ اس قسم کے تبرکات کی تلاش کرتا یا اس کے بارے میں کوئی تاریخ محفوظ کرتا۔ رومیوں۔ ایرانیوں۔ میڈیوں اور پارتھیوں نے ان صدیوں میں یروشلم کو تاخت و تاراج کیا۔ اور نصرانی قوم قتل بھی ہوتی رہی۔ اسے لوٹا بھی گیا۔ ان کے گرجے مسمار کئے گئے۔ اس لئے ان حالات میں رداءِ کفن کی گمنامی قدرتی بات ہے۔

نی سی فورس قلسطوس اپنی تاریخ میں اس بات کا ذکر کرتا ہے کہ ۳۶ء میں

ملکہ پلشیریا نے قسطنطینیہ میں بلاشیرنی کی سینٹ میری کے نام پر ایک قصر تعمیر کیا اور اس میں اس نے حضرت مسیح کی اس رداءِ کفن کو محفوظ کر دیا۔ اور ۱۲۰۰ء میں پھر یہ کفن اسی شہر میں ملا۔ ولیم آف طائر کے بیان کے مطابق ۱۱۷۱ء میں شاہ ولیم قامنینس Willian Comnenus نے یروشلم کے شاہ عماری کو بعض تبرکات دکھائے۔ جن میں نیزہ۔ میخیں۔ اسفنج کانٹوں کا تاج اور یہ رداءِ کفن شامل تھے۔ اس وقت یہ رداءِ بلاشیرنی میں محفوظ تھی۔

سار اغوشا کا اسقف اعظم سینٹ براییال ایک بڑا نامور عالم گزرا ہے جو دنیائے عیسائیت میں بڑا برگزیدہ انسان سمجھا جاتا ہے اس نے ایک خط بنام Letter No. P.L.T. LXXX, 689 ۲۲ میں ایک مشہور تبرک کے بارہ میں ذکر کیا ہے جسے وہ رداءِ کفن کے نام سے پکارتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ وہ چادر ہے جس میں حضرت مسیح علیہ السلام واقعہ صلیب کے بعد لپیٹے گئے تھے۔ ساتھ ہی یہ بھی کہتا ہے کہ ہمارے مذہبی صحائف میں تو ان تبرکات کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔ لیکن ہم انہیں توہماتی اور تخیلاتی اشیاء بھی تو قرار نہیں دے سکتے

۶۴۰ عیسوی میں ایک زائر عارقلف کا نام ملتا ہے۔ جس کی شہادت یہ ہے کہ اس سال وہ یروشلم گیا اور وہاں جا کر اسے اس مقدس چادر کو بوسہ دینے کا شرف حاصل ہوا۔ عارقلف یہ ذکر کرتا ہے کہ یہ ایک لمبی سی چادر تھی جو اس کے نزدیک حضرت مسیح کی رداءِ کفن ہی تھی۔

آٹھویں صدی کی ابتدا میں سینٹ بیڈ معظم اپنی کتاب تاریخ مذہب

Ecclesiastic History میں بھی عارقلف کے بیان کی تصدیق کرتا ہے کہ ایک ایسی چادر موجود ہے جس پر حضرت مسیح کی شبیہہ ثبت ہے جو اس کے نزدیک آپ کے کفن کی ہی چادر ہے۔

یہاں تک پہنچکر یہ تو معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ مقدس کپڑا ساتویں صدی میں یروشلم میں ہی تھا اور بارہویں صدی کے قریب قریب قسطنطنیہ پہنچا لیکن یہ بات بھی تاریخوں سے پتہ چلتی ہے کہ سنہ ۱۲۰۴ء میں یہ ضرور وہاں موجود تھا۔ اسی زمانہ کے لگ بھگ ایک اور مستند شخصیت سینٹ جان داماشین بھی ایک چادر کا ذکر کرتا ہے۔ جو مسیحی دنیا کے تبرکات میں شمار ہوتی تھی۔ یہ بات قارئین کے لئے دلچسپی کا باعث ہوگی کہ اس چادر کو مسیحی سندون Sindon یا سوداریم Sudarium کہا کرتے تھے۔ اور جہاں بھی رداءِ کفن کا ذکر آیا ہے۔ انہی دو الفاظ میں آیا ہے۔

سنہ ۱۲۰۴ء میں ایک اور معتبر شہادت ملتی ہے۔ یہ شہادت پکارڈی کے ایک جرنیل رابرٹ ڈی قلاری کی ہے۔ یہ وہ شخص ہے کہ جو اسی سال قسطنطنیہ پر قبضہ کرنے والوں میں شامل تھا۔ اس کے بارہ میں کہا یہی جاتا ہے کہ یہ سادہ لوح شخص تھا مگر شہادت کے سلسلہ میں بڑا مخلص سمجھا جاتا تھا۔ یہ لکھتا ہے کہ منجملہ اور چیزوں کے بلاشیرنی میں مقدس مریم کی ایک خانقاہ ہے جس میں وہ چادر محفوظ تھی۔ اس میں ہمارے خداوند کو لپیٹا گیا۔ ہر جمعہ کے روز اس کی نمائش ہوتی تھی اور اس پر خداوند کی شبیہہ بالکل نمایاں نظر آتی تھی

لیکن جب اس شہر پر قبضہ ہوگیا تو نہ کسی یونانی کو اور نہ کسی فرانسیسی کو پتہ چلا کہ یہ تبرک کہاں چلا گیا۔

یوں یہ کپڑا چوری ہوا یا سمجھ لیجئے کہ مال غنیمت کا حصہ بن گیا۔ بازنطینی مورخوں کے نزدیک پونس ڈی لاروش نے رابرٹ ڈی قلاری جیسا کفن بیسانسون کے آرچ بشپ کے پاس محفوظ کرایا تھا اور ۱۳۴۹ء تک یہ تبرک یہیں پرسینٹ اتیان کے گرجے میں محفوظ رہا۔ ۱۳۴۹ء میں اس گرجے میں ہولناک آگ بھڑک اٹھی جس سے یہ عمارت جل کر راکھ ہوگئی اور یہ ردائے کفن ایک بار پھر غائب ہوگئی۔ محض اس کا صندوقچہ باقی رہ گیا جس میں یہ محفوظ تھا۔

اس کے بعد یہ ایک بار پھر چوری ہوا۔ اور اسی سے مورخین کے دلوں میں اس کی اصلیت کے بارے میں شکوک اور شبہات پیدا ہوئے اور اسی وجہ سے وہ اسے جعلی ہی سمجھتے ہیں۔

آٹھ برس بعد پھر اس تبرک کا پتہ چلتا ہے۔ شاہ فلپ ششم نے یہ تبرک ایک بہت بڑے نواب یوفاڈی شارنی کو دیا جسے بادشاہ نے اس چور سے حاصل کیا تھا جس نے اسے اڑایا تھا جس کا نام وارجی بتایا جاتا ہے۔ نواب یوفا نے اسے کلیسائے لیری میں محفوظ کر دیا۔ جو اس نے ابھی چند برس قبل ہی تعمیر کروایا تھا۔ اب ایک اور بات معرض ظہور میں آئی یعنی بیسانسون میں اسی قسم کا ایک اور کفن نمودار ہوا جس کی کئی نقلیں ملتی ہیں۔ جو اسی لیری والے کفن کی بہت بھدی سی نقل معلوم ہوتی ہے۔ اور ۱۷۹۴ء میں اس کا نقلی پن ثابت ہوگیا۔ اور اسے اس بناء پر ضائع کر دیا گیا۔

یہ بات شائد دلچسپی کا موجب ہو کہ اگر ہم یہ ذکر بھی کر دیں کہ بڑے بشپ کا اپنا ایک علاقہ ہوتا ہے۔ جس میں اس کے ماتحت کئی چھوٹے بڑے گرجے ہوتے ہیں اسے Diocese کہتے ہیں۔ لیری کا گرجا ٹرائے کے بشپ کے علاقے میں شامل تھا۔ ٹرائے میں اور کئی تبرکات رکھے ہوئے تھے۔ جن کی نمائش سے یہاں بڑی رونق ہوتی اور بشپ صاحب کو معقول آمد بھی ہوتی۔ لیکن جب لیری میں اس رداء کفن کی نمائش شروع ہوئی تو ٹرائے کا گرجا ماند پڑ گیا۔ اس پر ٹرائے کے اسقف کو کچھ جلن ہوئی۔ پہلے ایک بشپ ہنری آف پواتی نے اس پر اعتراض کیا۔ اس کے بعد اس گرجے کے دوسرے بشپ پیئری دارسی نے اس نمائش پر اعتراض کیا۔ کہ مخلصین اب ٹرائے کی بجائے لیری کا رُخ کرتے ہیں اور ٹرائے کو کوئی پوچھتا بھی نہیں۔ اس پر خاندان شارنی نے اس مقدس چادر کو ایک بار پھر محفوظ کر لیا اور تیس برس تک یہ منظر عام پر نہ آسکا۔

یہاں ایک اور دلچسپ واقعہ پیش آیا۔ خاندان شارنی نے پوپ کلیمنٹ ہفتم کی خدمت میں بشپ وارسی کے خلاف عرضداشت پیش کر دی۔ پوپ نے اس پر ایک عجیب فیصلہ صادر کیا تاکہ دونوں مخالف گروہوں کو راضی رکھا جائے۔ فیصلہ یہ تھا کہ بشپ دارسی کو اس رداۓ کفن روکنے کا کوئی حق نہیں اور لیری والے جب چاہیں اس کی نمائش کر سکتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی ارشاد فرما دیا کہ نمائش کے وقت یہ اعلان بھی کیا جائے کہ یہ حقیقی کفن کی کاپی یعنی نقل ہے۔

پیئری دارسی نے جو عرضداشت پوپ کی خدمت میں پیش کی تھی اس میں لیری کے ارباب کلیسا کے خلاف الزام لگایا کہ یہ لوگ تبرکات کی تجارت کرتے ہیں ساتھ

ہی یہ دعوےٰ بھی کیا کہ اس کے پیشرو نے اس کی بابت تحقیقات کرائی تھی اور اس مصور کی تصدیق بھی حاصل کی تھی جس نے اس کپڑے پر تصویر کشی کی۔ مگر اس تحقیقات کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ نہ ہی اس مصور کی تصدیق ملتی ہے۔ جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے اس کپڑے پر تصویر کشی کی ہے۔ اس بات کا بہت امکان ہے کہ یہ وہی مصور ہو۔ جس نے بیسانسون کے کپڑے پر تصویر بنائی تھی۔ صحفِ مقدسہ میں اس چادر کے بارے میں کوئی اشارہ نہیں ملتا اور یہی وجہ ہے کہ یہ سب شاخسانے ذاتی مفادات کی خاطر ہی اٹھتے رہے۔ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کپڑے پر منصفانہ اور بے لاگ تحقیق کبھی بھی نہیں ہوئی۔ اور اگر کبھی اس کی نوبت آجاتی تو اس وقت بھی اس کے متعلق یہی فیصلہ ہونا جو آج ہو رہا ہے کہ یہ انسانی ہاتھ کی کاریگری سے بالا ہے۔

اس سارے جھگڑے میں اس تبرک کا ایک ہی تصور نظر آتا ہے اور وہ یہ کہ اس کی تصدیق کہیں نہیں ملتی۔ اور یہی وجہ ہے کہ اس قسم کے تنازعات کا بظاہر کوئی حل نظر نہیں آتا دو دفعہ تو یہ چوری ہوا اور اس میں ایک مرتبہ شاہِ فرانس کا بھی نام آتا ہے۔ کہ انہوں نے اسے ایک چور سے حاصل کیا۔ خاندانِ شارنی کی ایک معزز خاتون مارگریٹ کے پاس جب یہ آخری بار پہنچا تو اس وقت بھی اس کی اصلیت اور حقیقت کے خلاف یہی دلیل تھی کہ اس کی تصدیق کہیں نہیں ملتی۔ یہ خاتون اسے بلجیم کے شہر شیمائے لے گئیں۔ اور کئی بار اسے اِدھر اُدھر لئے پھریں۔ لیکن آخر کار ۱۴۵۲ء میں یہ نہایت بیش قیمت اور مقدس تبرک شہزادی این آف لوزینان کی خدمت میں بطور تحفہ پیش کر دیا۔ اس وقت شہزادی این نواب ساوا کی بیگم تھیں۔ اور یوں یہ بیش بہا تبرک شاہی گھرانے میں پہنچا۔ اور آج تک خاندان ساوا کی ملکیت چلا آتا ہے۔ جو جنگِ عظیم دوم تک

اٹلی کا حکمران رہا۔

اسس وقت سے لے کر آج تک اس کی تاریخ مسلسل ہے۔ نواب ساوا نے اس مقدس چادر کے لئے خاص طور پر شامبری میں ایک گرجا Chapel بنوایا رگا ہے گا ہے اس کی نمائش بھی ہوتی رہی۔ ایک مورخ انتھونی لالال تو یہاں تک بیان کرتا ہے۔ کہ اسس پر متعدد ٹسٹ کئے گئے۔ اسے کئی مرتبہ تیل میں ابالا گیا اور دھویا بھی گیا۔ لیکن اس پر جو شبیہ ثبت تھی اس کے نقوش مٹ نہ سکے۔ بعض خوش اعتقاد عیسائی یہ بھی سمجھتے ہیں کہ انسانی آزمائشیں کافی نہ سمجھی گئیں تو اس کی اصلیت کو ثابت کرنے کے لئے آسمانی آزمائش بھی نازل ہوئی۔ یعنی ۱۵۳۲ء میں اس گرجے کو آگ لگ گئی اور اسس کے باوجود خداتعالےٰ نے یہ تبرک تباہ ہوتے ہوتے بچالیا۔

اس کی تہوں کے کناروں والے کونے پر پگھلی ہوئی چاندی گر پڑی۔ جس سے اس کے دونوں جانب جھلسنے کے مساوی نشان نمایاں نظر آتے ہیں اور اس جلنے سے جو دو معمولی سوراخ بنے وہ خوش قسمتی سے شبیہ سے باہر کناروں پر ہیں۔ وہ پانی جس سے یہ آگ بجھائی گئی۔ اس کے بھی بالکل مساوی فاصلہ پر نشانات بالکل صاف نظر آتے ہیں۔

آگ لگنے کا ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ اسس کی اصلیت اور حقیقت کے بارے میں تحقیقات کی گئی۔ خانقاہ شامبری کی راہبات نے اس کے جلے ہوئے سوراخوں کو رفو بھی کیا اور تحقیقاتی رپورٹ بھی لکھی۔

اس کپڑے کے مالکان کے سیاسی انقلابات کے پیش نظر اسے کئی جگہ سفر کرنا پڑا۔ آخر ۱۵۷۸ء میں یہ اٹلی کے شہر تورین میں پہنچ گیا۔ یہاں نواب ساوا نے کلیسا یوحنا میں ایک اور چھوٹا گرجا بنوا کر اسے اسس میں محفوظ کروا دیا۔ کبھی کبھار

اس کی نمائش بھی ہوتی۔ لوگ دور دراز سے جوق در جوق اسے دیکھنے آتے اور اپنے خداوند کی شبیہہ مبارک دیکھ کر برکت حاصل کرتے۔ اس کی نمائش نواب ساوا کے گھرانے کی اجازت کے بغیر نہ ہو سکتی۔ لیکن اس خاندان نے اس کی نمائش میں ہمیشہ بخل سے کام لیا۔

۱۸۹۸ء میں جب اس کی نمائش ہوئی تو خوش قسمتی سے کیمرہ ایجاد ہو چکا تھا شاہ امبرٹو نے جو اٹلی کے بادشاہ تھے۔ اور اس تبرک کے مالک بھی تھے۔ اس کی تصاویر لینے کا حکم دیا۔ اور یوں اس کی تصویریں لی گئیں۔

۱۹۳۱ء میں حضرت مسیح علیہ السلام کی وفات کی انیس سو سالہ برسی کے موقعہ پر اس کی پھر تصویریں لی گئیں تو منفی تصویر جو اس مقدس کپڑے پر ثبت ہے مثبت بن گئی۔ اور یوں یہ کپڑا ساری دنیا کی توجہ کا مرکز بن گیا۔

کچھ اور تاریخ

اس رداءِ کفن کے بارہ میں بعض اور روایات بھی ہیں. شام کی سرحد پر ایک مشہور شہر اویسہ ہوا کرتا تھا جو آج کل عُرفہ کہلاتا ہے اور یہ ترکی کی مشرقی سرحد پر واقع ہے۔ کہا جاتا ہے کہ پہلی یا دوسری ہی صدی میں یہاں عیسائیت نے قدم جما لئے تھے. ۵۴۴ء میں ایرانیوں نے اس شہر پر حملہ کیا تو فصیل شہر کے ایک دروازہ کے اوپر ایک کپڑا ملا. کہا جاتا ہے. کہ اس پر حضرت مسیح علیہ السلام کی شبیہہ مبارک نظر آتی تھی. چھٹی صدی تک حضرت مسیح کی جو تصویریں بنائی گئیں. اس کپڑے کی تصویر سب سے اہم سمجھی جاتی تھی اور یہ بھی مشہور تھا کہ یہ انسانی ہاتھوں کا کارنامہ نہیں۔

واقعۂ صلیب کے ایک ہزار برس کے اندر اندر اس رداءِ کفن کے بارہ میں شہادتیں بہت ہی قلیل ہیں. ادیسہ کی اس پُراسرار رداء کے متعلق یہ گمان کیا جاتا ہے کہ اس پر جو شبیہہ ثبت ہے وہ وہی ہے جو موجودہ کفن پر ثبت ہے۔ اس سے خیال کیا جاتا ہے کہ چادرِ ادیسہ اور موجودہ رداءِ کفن ایک ہی چیز ہے

۵۴۴ء میں ادیسہ کی اس دیوار کے اندر سے اسی چادر کی دریافت بہت اہمیت رکھتی ہے. اس کی گزشتہ تاریخ تاریک ہے اور نامعلوم ہے افسانے اور کہانیاں تو جس قدر چاہو بنا لو لیکن سچی بات یہی ہے کہ چادر اویسہ کی گزشتہ تاریخ بالکل خاموش ہے.

مشہور مورخ یو سی بی اس

کے متعلق

اشارہ کرتا ہے کہ اس شہر کے کتب خانوں میں اس واقعہ کی شہادت ملتی ہے کہ ادیسہ کا بادشاہ عبغر پنجم Abgor V جو ۱۳ عیسوی سے ۵۰ عیسوی تک حکمران رہا۔ دیگر مذاہب میں دلچسپی لیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ وہ بیمار ہوگیا۔ اور بیماری کچھ لمبی ہوگئی تو اس نے حضرت مسیح کے پاس اپنا سفیر بھجوایا۔ اور انہیں شاہی دربار میں تشریف لانے کی درخواست کی۔ آپ خود تو تشریف نہ لائے البتہ اسے ایک خط بھجوایا اور چند تبرکات عبغر اور اس کی رعایا کو بھجوانے کا وعدہ فرمایا۔ یوسی بی اُس اس تذکرہ میں کپڑے کی کسی تصویر کا ذکر نہیں کرتا۔ چونکہ اسے حضرت مسیح سے مخاصمت تھی۔ اس لئے یہ بہت ممکن ہے کہ اس نے اسی وجہ سے اس تذکرہ سے گریز کیا ہو۔ اس کے بعد چوتھی صدی میں عدائی کے بعض مسودات میں یہ ذکر ملتا ہے کہ عبغر کے سفیر اتانیاس نے حضرت مسیح کی شبیہہ بنائی تھی۔ اس کے بعد پھر ۷۳۰ء میں داماشین نے بھی لکھا ہے کہ اتانیاس نے تصویر بنائی تھی جو حضرت مسیح کو پسند نہ آئی۔ تو اس پر آپ نے وہی کپڑا اپنے چہرہ مبارک پر لگایا اور اس پر معجزانہ طور پر آپ کی تصویر ثبت ہوگئی۔

ان شہادتوں سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ یہ کپڑا اس زمانہ میں موجود ضرور تھا لیکن اس پر تصویر کھینچنے کے لئے اس قسم کی حکایات اور افسانے تراشے گئے۔

۵۴۴ء میں ایرانیوں نے جب شہر کا محاصرہ کیا تو کہا جاتا ہے کہ اس تبرک کی ساری فصیل پر نمائش کی گئی جس کی برکت سے حملہ آوروں کو شکست ہوئی۔ اور یہی اس تبرک کا معجزہ سمجھا جاتا تھا۔

اس کی ایک اور حکایت بھی مشہور ہے وہ یہ کہ جب شام مسلمانوں کے

زیرنگیں آیا۔ تو ادیسہ مسلمانوں کے قبضہ میں رہا۔ مسلمان حضرت مسیح کو خدا کا عظیم الشان نبی سمجھتے ہیں۔ آپ کا ادب واحترام کرتے ہیں۔ قرآن کریم میں جگہ جگہ آپ کا ذکر آیا ہے اور اسی وجہ سے وہ اس کی بے حد عزت کرتے تھے۔ ان کے لئے بھی یہ ایک بہت قیمتی تبرک تھا۔ ۹۴۳ء میں عیسائی بادشاہ رومانوس لقاپینوس نے یہ تبرک حاصل کرنے کے لئے شام پر حملہ کر دیا۔ اودیسہ کا محاصرہ کر لیا گیا۔ جہاں یہ تبرک عیسائیوں کے پاس ان کے گرجے میں محفوظ تھا۔ اتفاق سے عیسائیوں نے دو سو مسلمانوں کو پکڑ کر یرغمال بنا لیا۔ اور ان کی رہائی کے لئے یہ شرط پیش کی کہ اگر یہ تبرک عیسائیوں کو دے دیا جائے تو یرغمالی مسلمان رہا کر دیئے جائیں گے۔ اور عیسائی فوجیں واپس چلی جائیں گی۔ ایک عیسائی پادری مارکس گرین لکھتا ہے کہ مسلمانوں نے اس قسم کا ایک کپڑا عیسائیوں سے لے کر حملہ آور فوجوں کے پاس بھجوا دیا جس پر حضرت مسیح کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ لیکن عیسائیوں نے اسے واپس کر دیا۔ مسلمانوں نے دوسری مرتبہ اسی قسم کا ایک اور کپڑا بھجوایا مگر عیسائیوں نے یہ بھی واپس کر دیا۔ بعض اسلامی کتب میں یہ ذکر آیا ہے کہ مسلمان کمانڈر نے اس مسئلہ پر مجلس مشاورت طلب کی تو اسے یہ مشورہ دیا گیا کہ یہ تبرک کسی قیمت پر واپس نہ دیا جائے بلکہ مسلمانوں کو بزور شمشیر واپس حاصل کیا جائے۔ لیکن مسلمان سپہ سالار نے آخری فیصلہ یہی کیا کہ مسلمان کی جان پر ہر چیز قربان ہے۔ اور دو سو نہیں ایک مسلمان کی جان بچانے کے لئے بھی بیش قیمت چیز کی قربانی دی جا سکتی ہے اور اسے بچانا انتہائی ضروری ہے۔ ایسا نہ ہو کہ عیسائی طیش میں آکر مسلمان قیدیوں پر کوئی ظلم کریں۔ اس لئے شہر کے عیسائیوں سے درخواست کی گئی کہ وہ یہ چادر دے دیں اور اس طرح وہ اصلی چادر واپس کر دی گئی اور دو سو

مسلمانوں کی جان بچالی گئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے جو دو بناوٹی کپڑے
بھجوائے تھے وہ چھوٹے چھوٹے رومال تھے۔ جس پر کسی مصور نے حضرت
مسیح کی تصویر بنائی ہوگی اور مسلمانوں نے کوشش کی کہ یوں اصل کپڑا مسلمانوں
کے پاس رہ جائے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ عیسائی اس حقیقت کو خوب سمجھتے
تھے۔ اور جانتے تھے کہ یہ رومال یا تولیہ کی قسم کا کوئی کپڑا نہیں بلکہ ۵ گز لمبی
چادر ہے۔ اس لئے انہوں نے دونوں مرتبہ بناوٹی رومال لینے سے انکار کردیا
اور حقیقی کپڑے پر اصرار کیا۔ عربی میں رومال کو مندیل کہا جاتا ہے یوں مندیل
تصیوری پیدا ہوئی۔ مندیل کو انگریزی میں
کہتے ہیں۔ یہ وہ قصہ ہے جس کی رو سے یہ کپڑا مسلمانوں
کے ہاتھوں سے نکل کر عیسائیوں کے قبضہ میں چلا گیا۔ اس تبرک کے حاصل کرنے
والے جرنیلوں کا قسطنطنیہ میں شاندار استقبال کیا گیا۔ سارے شہر میں جلوس کی
صورت میں یہ چادر دکھائی گئی۔ باب الذہب سے لے کر سینٹ صوفیہ تک اس
کی نمائش کی گئی۔ اور آخر کار سینٹ صوفیہ کے شاہی گرجے میں لاکر اسے ایک
بار پھر محفوظ کر دیا گیا۔ محاصرہ شہر کے وقت اس کی نمائش کی جاتی۔ اور جلوس
کی صورت میں اسے فصیل شہر کے ساتھ پھراتے۔ تاکہ اس کی برکت سے شہر والوں
کو فتح نصیب ہو۔

۱۲۰۴ء تک معلوم ہوتا ہے کہ یہ کپڑا یہیں رہا۔ یہاں تک کہ صلیبیوں
نے پھر اس شہر کو تاخت وتاراج کیا۔ اور اس کی تاریخ پھر دھندلا گئی۔ کچھ پتہ نہ
چلا کہ یہ کہاں چلا گیا۔ رابرٹ ڈی قلاری ایک کپڑے کا ذکر کرتا ہے جس پر

حضرت مسیح کی شبیہہ ثبت تھی۔ وہ بھی غائب ہو گیا اور یہ امر بھی متنازعہ فیہ ہو گیا ہے کہ کیا یہ دونوں کپڑے ایک ہی ہیں یا دو مختلف ردائیں ہیں۔ بعض مورخین کی رائے ہے کہ یہ دونوں کپڑے ایک ہی ہیں

اس چادر رادیسہ اور چادر تورین کے سلسلہ میں ایک بہت بڑا اختلاف پایا جاتا ہے کہ چادر رادیسہ پر حضرت مسیح علیہ السلام کے صرف چہرہ کی تصویر ثبت تھی اور چادر تورین پر آپ کے پورے جسم کی تصویر نمایاں ہے آگے سے بھی اور پیچھے سے بھی۔ چادر رادیسہ کی جب بھی نمائش کی گئی اس کے متعلق یہی کہا جاتا ہے کہ صرف چہرہ کی ہی نمائش کی جاتی تھی۔ لیکن وہ مورخ جو اسے چادر تورین سے ملاتے ہیں اس کے لئے بھی توجیہات پیش کرتے ہیں۔ مثلاً یہی کہ نمائش کے وقت کپڑے کو تہہ کر کے صرف اس حصّہ کی نمائش کی جاتی۔ جس پر چہرہ نظر آتا تھا۔ لیکن اس تکلف کی کیا وجہ تھی محض کھینچ تان کر دلیل برائے دلیل ہی معلوم ہوتی ہے۔ وگرنہ اس میں وزن کوئی نہیں۔ یہ دونوں مختلف چیزیں ہی معلوم ہوتی ہیں۔

چادر تورین پر شبیہہ مبارک میں پشت کی جو تصویر نظر آتی ہے اس میں دونو طرف رانوں کے پاس دو سیاہ سوراخ نظر آتے ہیں جو دراصل شامبری میں آگ لگنے کے بعد جب چاندی پگھل کر کونوں پہ گری تو یہ سوراخ بن گئے۔ لیکن وہ مورخ جو اس کو اور چادر رادیسہ کو ایک ہی ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ سوراخ بوقت نمائش کیل ٹھونکنے سے پیدا ہوئے۔ بہرحال یہ بھی دور کی کوڑی معلوم ہوتی ہے۔

عیسائی مصوّر حضرت مسیح کی خیالی تصویریں تو بناتے رہے۔ جس مصوّر کے خیال

میں حسن کا جو معیار تھا اور جس قسم کی معلومات اسے مہیا تھیں اس کے مطابق ہی اس نے تصویر بنائی۔ آج بھی آپ کو موجودہ مصوروں کے جو نمونے ملیں گے۔ ان میں ان کی لسانی۔ نسلی اور قومی فرق نمایاں ہوگا۔ مثلاً مشرق بعید کے بعض مصوروں نے حضرت مسیح کی شکل بالکل چینیوں اور منگولوں جیسی دکھائی ہے۔ افریقہ کے بعض مصوروں نے مسیح کو حبشیوں کے روپ میں دکھایا ہے۔ بعض نے خشخشی ڈاڑھی دکھائی ہے۔ بعض نے ڈاڑھی منڈے بھی دکھائے ہیں۔ اس لئے چھٹی صدی عیسوی کے بعد جو تصاویر بنائی گئیں۔ ان میں بہت یکسانیت نظر آتی ہے۔ یعنی لمبا بیضوی چہرہ۔ کندھوں پر گرے ہوئے بال۔ ڈاڑھی بیچوں بیچ منقسم۔ مونچھیں۔ گہری آنکھیں نوک دار پلکیں۔ یہ ان تصاویر کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ اس کی وجہ یہی سمجھ میں آتی ہے کہ چونکہ یہ چادر منظر عام پر آنی شروع ہوگئی تھی اس لئے ان سب تصاویر میں یکسانیت پیدا ہوگئی۔

۱۲۰۴ء تک اس چادر کی تاریخ دھندلکوں میں ہے۔ حالات ہی کچھ اس قسم کے رہے کہ نہ تو اس کی تاریخ محفوظ رکھنے کے سامان ہو سکے اور نہ ہی اسے مناسب سمجھا گیا۔ اگر ہم واقعہ صلیب کے بعد زمانوں اور واقعات کی کڑیاں جوڑنے کی کوشش کریں۔ تو یہ زنجیر کچھ یوں بنتی ہے کہ حادثہ صلیب ہو چکا۔ آپ کو صلیب پر سے اتارا گیا۔ اور کسی عام سی چادر میں لپیٹ کر اس مقبرہ میں رکھا گیا جو یوسف آرمتیہ نے خاص طور پر آپ کے لئے تیار کرایا تھا اگر انجیل کے بیان کو صحیح سمجھا جائے اور جس کے غلط سمجھنے کی کوئی وجہ نہیں۔ تو آپ تیسرے دن یعنی اتوار کو صبح اس قبر سے نکل کر بھیس بدل کر فرار ہو گئے۔

راستے میں آپ بعض حواریوں کو ملے اور اپنی اس مادی زندگی اور مادی جسم کا ثبوت بھی دیا۔ ان سے روٹی اور مچھلی لے کر کھائی۔ اپنی اس مادی جسم کے زخم بھی دکھائے۔ تو بعد میں یہی خون آلود چادر جس میں آپ لپیٹے گئے شمعون پطرس یا کسی اور حواری نے سنبھال لی ہوگی۔ اگر آپ کی تصویر کے نشانات اس کپڑے پر ابھر آئے تھے۔ تو یقیناً وہ حواری اپنے آپ کو انتہائی خوش نصیب سمجھتا ہوگا جس کے پاس آپ کی حقیقی تصویر والی چادر رہے۔ لیکن اگر یہ تصویر ابھی تک ابھری نہیں تھی تو جیسا کہ بعض محققین کا خیال ہے کہ اس وقت تک تصویر نمایاں نہیں ہوئی تھی۔ تب بھی اس کے پاس اس کے مرشد کی یہ بے نظیر نشانی تھی۔ ان دونوں چیزوں سے بھی بڑھ کر اس چادر پر آپ کے مقدس لہو کے داغ تھے۔ یہ چادر خون کے ان داغوں سے بھری ہوئی تھی جو اس حواری کے مرشد کے مقدس جسم سے اس وقت نکلے تھے کہ جب وہ اپنی زندگی کی عظیم ترین قربان گاہ پر چڑھا ہوا تھا۔ یہ تو اس کے لئے جان سے بھی زیادہ قیمتی یادگار ہوگی۔

لیکن دوسری طرف ایک یہودی یا مشرک رومن کو اس "چیتھڑے" سے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی جس میں ایک قومی اور دینی مجرم کو پھانسی دینے کے بعد لپیٹا گیا۔ بلکہ ان کے لئے تو یہ ایک قابل نفرت اور قابل تحقیر شے ہوگی۔ وہ اسے کیوں سنبھال سنبھال کر رکھنے لگا۔ اس کے لئے اس میں دلچسپی کا کیا سامان تھا۔ مزید برآں اگر مخالفین نصرانیت جو اس وقت صاحب اقتدار تھے ان کو پتہ چل جاتا تو بہت ممکن ہے وہ اسے بھی ٹھکانے لگانے میں دریغ نہ کرتے۔ انہی خطرات

کے پیش نظر جس کے پاس بھی یہ تبرک ہوگا اس نے اسے کئی تہہ خانوں کے نیچے چھپایا ہوگا۔ تاکہ اگر زمانہ ٹھیک لگ جائے تو یہ اس کا انمول خزانہ ہوگا۔ وگرنہ وہ اسے آنے والی عیسائی نسلوں کے سپرد کر گیا ہوگا۔

۹۴۴ھ میں ادیسہ کی فصیلِ شہر سے یہ مخفی خزانہ دریافت ہوا یا یوں سمجھ لیجئے کہ منظرِ عام پر آیا اور اس کے نئے مالکان کو یا تو علم ہی نہ تھا یا وہ اسے دوسروں کی نظروں سے چھپانا چاہتے تھے۔ اس لئے انہوں نے اسے مسیح کی معجزانہ تصویر ضرور رکھا۔ کپڑے پر یہ تصویر حضرت مسیح علیہ السلام کی برہنہ تصویر تھی۔ لیکن یہ جاننے کے باوجود کہ یہ حضرت مسیح کی ہی تصویر ہے عیسائی ارادت مندوں نے اس شبیہہ کو بعینہٖ نقل کر دینے سے گریز کیا۔ ایک مخلص اور عقیدت مند اپنے مرشد کی برہنہ تصویر بنانے کی کیسے جرأت کر سکتا ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ وہ بنائے بھی کیوں۔ ایک مذہبی راہ نما پادری ونشل اسے یوں بیان کرتا ہے:۔

"شہنشاہ قسطنطین نے جب عقوبتِ صلیب کو ممنوع قرار دیا اور موت کی سزا کا یہ طریق ختم کر دیا گیا۔ تو نشانِ صلیب محترم قرار دیا جانے لگا۔ لیکن اس کے تین صدیوں کے بعد تک عیسائی مصور اپنے اس حجاب کو توڑ نہ سکے۔ وہ حضرت مسیح کو شاہانہ لباس پہنا کر۔ تاج زیب سر اور فتح مندانہ انداز میں سر صلیب دکھاتے اور ابھی تک وہ انہیں صلیب پر جان کنی یا مردہ حالت میں دکھانے کے لئے تیار نہ تھے۔ گیارھویں صدی میں جا کر ان لوگوں نے کچھ حقیقت پسندانہ انداز اختیار کرنے کی جرأت کی اور جس انداز

میں آج صلیب کو محترم اور قابل فخر طریق پر پیش کیا جاتا ہے۔ یہ طریق تیرھویں صدی سے پہلے شروع نہ کیا جا سکا۔

اب اگر آپ رداءِ کفن کی تصویر ملاحظہ فرمائیں تو آپ کو حضرت مسیح کی اذیت کا ہر نشان نظر آ جائے گا۔ آرٹ اور مصوری کی تصاویر چادر والی تصویر کی انداز عقوبت کی پاسنگ بھی نہیں۔ یہ نہ صرف اذیتوں کی منہ بولتی تصویر ہے بلکہ ذلت و نکبت کا شاہکار ہے۔ اور اسی وجہ سے عقیدت مند مخلصین نے اسے صدیوں تک پردۂ اخفاء میں رکھنا مناسب سمجھا۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ محافظین رداء اس کی نمائش کرتے پھرتے ہونگے وہ کم سے کم مشرق میں عیسائیت کے حالات سے بالکل لاعلم معلوم ہوتے ہیں"۔[1]

اس دلیل کے تحت یہ خیال کیا جاتا ہے کہ شاہی خاندان کے افراد یا مذہبی اور بزرگ ہستیاں جب اس چادر کی زیارت کرتے ہوں گے تو اس طریق پر کرتے ہوں گے کہ صرف چہرہ مبارک ہی نظر آئے۔ اور آپ کا زخمی اور چھلا ہوا اور خون آلود جسم نظروں سے اوجھل ہی رہے۔

عیسائیت پر ایک ایسا دور بھی آیا جبکہ اس میں اس قسم کے فرقے بھی

---

[1] The Holy Shroud of Turin, Eloquent Record of the Passion

پیدا ہو گئے جو حضرت مسیح علیہ السلام کے انسانی وجود کے قائل ہی نہ تھے وہ آپکو ہر جہت سے خدا سمجھتے تھے۔ یہ ردائے کفن جو حضرت مسیح کے لہو سے بڑی طرح خون آلود تھی آپ کے انسانی وجود کا منہ بولتا ثبوت تھی۔ خون آخر انسانی وجود میں سے ہی تو نکلتا ہے۔ کسی روح یا فرشتے یا خدا میں سے تو نکلتا نہیں۔ اس لئے حضرت مسیح کے انسان ثابت کرنے کے لئے اس چادر کی نمائش کافی ہو سکتی تھی۔ لیکن یہ اتنا نمایاں ثبوت تھا کہ شاید اس کی نمائش کو مناسب نہ سمجھا گیا اور پانچویں یا چھٹی صدی کے وہ زمانے آج کے دور کی مانند اتنے ترقی یافتہ تو تھے نہیں۔ اس لئے غالباً انہوں نے اس کی خوبصورت نقل بنوا کر اور چادر اوڈیسہ کے معجزانہ کمالات کی کہانیاں سنا کر ان بے دینوں کا منہ بند کرا دیا ہوگا۔ اور کسی معقول مذہبی راہ نما کے لئے کوئی چھوٹی موٹی مذہبی دلیل دے کر اس کفن کی حقیقت کے بارہ میں کوئی رواج دینا کوئی مشکل بات نہ ہوگی۔

۷۲۵ء سے لے کر ۸۴۳ء تک عیسائیوں میں بت تراشی اور تصویر کشی کے خلاف بڑی شدید تحریک چلی۔ اس تحریک کے ماننے والے جس بت کو دیکھتے توڑ دیتے۔ جس تصویر کو دیکھتے تباہ کر دیتے۔ اس سے یہ بات بھی عیاں ہوتی ہے کہ عیسائی اگرچہ تثلیث پر ایمان رکھتے ہیں جو بت پرستی کا ہی ایک نشان ہے۔ لیکن ان میں بھی ایسے فرقے اور لوگ پیدا ہوتے رہے ہیں جو مشرکانہ عقائد سے پرہیز کرنے والے تھے۔ قرآن کریم میں بھی راہبوں کی تعریف میں آیا ہے۔ سورہ مائدہ کے گیارہویں رکوع میں اللہ تعالیٰ انہی عیسائی پادریوں اور راہبوں کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے۔

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِیْنَ
اٰمَنُوا الْیَهُوْدَ وَالَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا وَلَتَجِدَنَّ
اَقْرَبَهُمْ مَوَدَّةً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ
قَالُوْا اِنَّا نَصَارٰی ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ
قِسِّیْسِیْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ ○

تو مومنوں سے عداوت رکھنے میں یقیناً یہودیوں (کو) اور ان لوگوں کو جو مشرک ہیں سب سے زیادہ سخت پائے گا اور (تو مومنوں) سے محبت کرنے کے لحاظ سے ان میں سے سب سے قریب یقیناً ان لوگوں کو پائے گا جو یہ کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں۔ یہ (بات) اس وجہ سے ہے کہ ان میں کچھ لوگ عالم اور عابد ہیں اور نیز اس وجہ سے کہ وہ تکبر نہیں کرتے۔

اسی تصویر پرستی کی شدید مخالفت کی وجہ سے یہ کفن مخفی رکھا گیا تاکہ یہ لوگ صرف اس تصویر کی وجہ سے اسے تباہ و برباد نہ کردیں کیونکہ مخالفت کی وجہ سے انہوں نے نہ یہ دیکھنا تھا اور نہ یہ سوچنا تھا کہ تصویر قدرتی عوامل سے بنی ہے یا کسی مصور کا کارنامہ ہے۔ یا کسی جعلساز کی کرتوت ہے اور انہوں نے اس بیش قیمت تبرک کو ضائع کر دینا تھا بلکہ ۸۴۵ء کے بھی کچھ عرصہ بعد تک اسے انہی وجوہات کی بناء پر مخفی رکھا گیا ہوگا۔ ۹۴۳ء میں جب بازنطینی فوجوں نے ادیسہ پر حملہ کیا تاکہ وہ یہ کپڑا حاصل کر سکیں۔ تو مسلمانوں نے اسی قسم کے بعض نوادرات اور تبرکات دے کر ٹالنا چاہا۔ تو عیسائیوں نے اسے لینے سے انکار کر دیا۔ اور اسی کپڑے کا مطالبہ کیا جو اصلی

اور صحیح کپڑا تھا وہ اس کی حقیقت کو بہت اچھی طرح جانتے تھے۔ اور انہیں علم تھا کہ اصل کیا ہے اور نقل کیا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کو دو مرتبہ نقلی مال واپس کیا اور حقیقی تبرک کے مطالبہ پر مصر رہے۔ اس سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ انہیں اصل چیز کی حقیقت کا پوری طرح علم تھا۔ وہ اس کی تفصیلات سے باخبر تھے۔ اور اگر انہیں اس کا علم نہ ہوتا تو وہ نقلی چیز قبول کرنے سے انکار نہ کرتے اور اسے وصول کر لیتے۔ اور عیسائیوں نے چونکہ دو سو مسلمانوں کو یرغمال بنا رکھا تھا۔ اور انہیں اس بات کا پورا الیقین تھا کہ مسلمان اپنے بھائیوں کی جان بچانے کے لئے ہر قربانی دینے کو تیار ہو جائیں گے۔ اس لئے وہ اپنے مطالبہ پر اڑے رہے۔ اور مسلمان سپہ سالار نے اس اہم مسئلہ پر مجلس مشاورت بلائی تو اسے یہ مشورہ دیا گیا کہ یہ تبرک انتہائی قیمتی ہے۔ اور مسلمانوں کی جان کسی نہ کسی طرح بچانے کی کوشش کی جائے گی۔ لیکن اگر یہ تبرک ہاتھ سے نکل گیا تو اسے حاصل کرنا دشوار ہو گا۔ لیکن سپہ سالار دانا شخص تھا اسے مسلمانوں کی جانوں کا خوب احساس تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ اگر عیسائیوں نے طیش میں آکر مسلمانوں کو ختم کر دیا۔ تو ان مسلمانوں کی جان واپس نہ آسکے گی۔ مزید خونریزی ہو گی۔ اس لئے حکمت عملی کا تقاضا یہی ہے کہ دو سو مسلمانوں کی جان بہر حال بچائی جائے۔ اور یہ تبرک واپس کر دیا جائے۔ صرف اس پر حکمت قدم سے نہ صرف دو سو مسلمانوں کی جان بچ گئی۔ بلکہ مزید خونریزی کا سد باب ہو گیا۔ نہ عیسائیوں کی جانیں گئیں اور نہ مسلمانوں کی۔

پس ۹۴۴ء میں جو کپڑا قسطنطنیہ لایا گیا وہ حقیقی کپڑا ہی تھا اور یہ

۱۲۰۴ء تک اسی شہر میں رہا۔ یہاں تک کہ صلیبیوں نے جب اس شہر پر اسی سال یلغار کی۔ اور ان سفاکوں اور ظالموں نے ہر وہ چیز لوٹ لی۔ جو ان کے ہاتھ لگی اور اسے اپنے ہمراہ لے گئے اور جو ساتھ نہ لے جا سکے اسے تباہ و برباد کر گئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کفن بھی ان کے ساتھ چلا گیا۔

ہم نے اس کفن کی تاریخ بیان کرنے کی جو کوشش کی ہے۔ اس میں اکثر امور اندازاً ہی ذکر کیے گئے ہیں۔ ہر بات اور ہر واقعہ کا حتمی ثبوت نہیں ملتا۔ اس میں بہت سے امور تو محض کلیسا کے رجحانات کے پیش نظر ہی آ گئے۔ خصوصیت سے یہ کہ اس میں حضرت مسیح کی شبیہہ مبارک کی طرف لوگوں کا کس قدر رجحان تھا۔ اور یہ اظہار محض چند امور کی تفصیلات ہیں جو ہمیں معلوم ہو سکیں۔ اور یہ بھی کہ چھٹی صدی عیسوی کے بعد حضرت مسیح کی جو تصاویر بنائی گئیں۔ ان میں سے اکثر کی تفصیلات اس کفن کی شبیہہ سے ملتی جلتی ہیں۔ اور فنی لحاظ سے جو لاجواب اور بے نظیر سمجھی گئیں۔ وہ مندیل کہلائیں جو کپڑے پر بنائی جاتی تھیں۔ اور وہ اسی کفن کی نقل ہوتی تھیں۔ جسے اودیسہ کا کپڑا کہہ لیں۔ یا جو چاہیں اسے نام دے لیں۔

اگر یہ کپڑا واقعی اور حقیقی کفن ہے اور اس میں کسی قسم کی جعل سازی نہیں۔ اور یہ کوئی فریب نہیں تو پھر اس بیان میں بھی حقیقت معلوم ہوتی ہے اور اگر یہ بات واقعی ثابت ہو جائے۔ تو پھر اس کے گمشدہ تاریخی واقعات کی کڑیاں مل جائیں گی۔ لیکن سچ پوچھیے تو اس حقیقت کو بہرحال تسلیم کرنا ہوگا کہ کئی جگہ اس میں شکوک و شبہات کی گنجائش موجود ہے۔ مورخین

اور آرٹ کے ماہرین دونوں نے کئی جگہ تضاد اور انمل بے جوڑ امور کی نشاندہی کی ہے. لیکن ابھی یہ تحقیق بڑی سنجیدگی سے جاری ہے. موافق بھی اور مخالف بھی اور جو بھی تھوڑا بہت مواد ان کے پاس موجود ہے اسے جوڑنے کی کوشش میں مصروف ہیں. حال ہی میں ایک انگریز مصنف ایان ولسن

نے اسی شبیہ ادیسہ پر بہت دقیق تحقیق کی ہے. اور اسی

طرح اور بھی بعض محققین اور مورخین نے تاریخ کے اس حصہ کا مطالعہ کیا ہے اور اگر یہ لوگ کفن کی تاریخ کے اس حصہ کو جوڑنے میں کامیاب ہو گئے۔ تو واقعی یہ ایک قابلِ فخر کارنامہ ہو گا۔

یُولی شیوالیر

چادر اویسہ کی داستان آپ نے ملاحظہ فرمائی۔ کچھ علماء، اس بات کو ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں کہ یہی چادر رداءِ کفن توریٰ ہے۔ لیکن ہنوز دلّی دُور است۔ اس زنجیر کی کئی کڑیاں غائب ہیں وہ جوڑ مل جائیں تو بات بنے۔ ان علماء، اور مورخین میں ایک انگریز مورخ ایان ولسن ہیں جن کا ذکر گزشتہ باب میں کیا جا چکا ہے۔ انہوں نے اس موضوع کو بہت کھنگالا ہے۔ اور امید ہے کہ ان کی تحقیق عنقریب منظرِ عام پر آجائے گی۔ واقف حال لوگوں کا کہنا ہے کہ وہ اپنی تحقیق قریب قریب مکمل کر چکے ہیں۔ اور اب اس پر آخری نظر ڈال رہے ہیں اور آج کل میں ہی ان کی کتاب چھپ کر ہمارے ہاتھوں میں آجائے گی۔ لیکن آپ نے گزشتہ صفحات میں ملاحظہ فرمایا ہوگا۔ کہ کس طرح یہ علماء، یہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ یہ وہی کفن ہے جس میں حضرت مسیح لپیٹے گئے۔ دوسری جانب علماء کی ایک صف اس بات کو کسی صورت میں تسلیم کرنے کو تیار ہی نہیں وہ سمجھتے ہیں۔ کہ یہ سب ڈھونگ ہے جعل سازی ہے۔ حقیقت سے اس کا دور کا بھی تعلق نہیں۔ انہی علماء میں فرانس کا ایک نامور عالم پادری یُولی شیوالیر

لے ہماری کتاب کا مسودہ مکمل ہو چکا تھا تو ایان ولسن کی کتاب ملی جو چند ہفتے قبل منظرِ عام پر آئی ہے۔

یہ شخص ۱۸۴۱ء میں پیدا ہوا۔ اکیس برس کی عمر میں پادری بن کر مذہبی زندگی اختیار کی۔ اوائل عمر میں ہی محنت اور مطالعہ کی بدولت ملک گیر شہرت حاصل کرلی۔ ایک کے بعد دوسرا علمی اعزاز حاصل کیا اور ۴۲ برس کی عمر میں یعنی ۱۸۸۳ء میں اپنی مشہور کتاب "قرونِ وسطیٰ کے مذہبی مآخذ" شائع کی۔ کتاب بہت عالمانہ تھی۔ بڑی دقیق اور پُراز معلومات تھی۔ ایک تبصرہ نگار نے تو یہاں تک لکھ دیا کہ شیوالیر فرانس نہیں بلکہ دنیا کا سب سے بڑا عالم ہے۔ ایک اور تبصرہ نگار نے لکھا کہ یہ کتاب دنیا کی وہ عمدہ ترین اور مستند کتاب ہے جو کسی ایک شخص نے تنہا لکھی ہے۔

۱۹۰۱ء میں یہ شخص لیون یونیورسٹی میں تاریخ عیسائیت کا پروفیسر بنا اور تاریخ دانی میں دنیا بھر میں اس کی دھاک بیٹھ گئی۔ اس وقت تک سیکونڈ پیا کی تصاویر شائع ہو کر منظر عام پر آچکی تھیں اور موضوع بحث بن رہی تھیں شیوالیر کا خیال تھا کہ یہ چادر کفن ڈھونگ ہے۔ ۱۸۹۹ء میں اس نے اس موضوع پر ایک مضمون لکھا اور اس میں اس نے ایک اور عالم چارلس لالور Charles Lalore کے ایک مضمون کا حوالہ دیا جس میں اس نے یہ ثابت کیا کہ یہ دھوکہ بازی ہے۔ لالور نے بھی اس موضوع پر تحقیقات کی تھی اور اس نتیجہ پر پہنچا تھا کہ یہ کفن حقیقی نہیں۔ لالور نے جن مسودات اور دستاویزات کا مطالعہ

کیا تھا۔ ان سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ چودھویں صدی عیسوی میں اس چادر کو جعلی قرار دے دیا گیا تھا اس لئے یہ حقیقی نہیں شیوالیر نے لالور کے دلائل لفظاً "لفظاً" دہرائے۔ لیکن ساتھ ہی اپنا نظریہ بھی بیان کر دیا۔ کہ کلیسا روشنی سے خوف زدہ نہیں۔ اور اس رداءِ کفن پر جو شعاعیں روشنی ڈالتی ہیں۔ وہ جعلی کے عجائبات سے بھی عجیب ہیں۔ تین چار سال میں یعنی ۱۸۹۹ء سے لے کر ۱۹۰۳ء تک اس بارہ میں اس نے آٹھ مضامین شائع کئے۔ اور ان میں سے آخری مضمون میں ٹیکنیکل اور سائنٹیفک دلائل دیئے۔ لیکن ان سب کا مرکزی نقطہ صرف ایک ہی تھا جو اس نے اپنے پہلے پچاس مضامین میں بیان کیا تھا۔ اور وہ ہی دستاویزات بھی جن کا ہم گزشتہ صفحات میں ذکر کر چکے ہیں۔ یعنی پیٹرس دارسی کا وہ خط جو اس نے پوپ کلیمنٹ ہفتم کو لکھا تھا جس میں اس نے لیری کے پادری کے خلاف شکایت کی تھی، کہ وہ اس کفن کی نمائش کو بند کریں۔

پیٹرس دارسی کے خط کا مرکزی نقطہ یہ تھا۔ کہ اس کے پیشرو بشپ ہنری پواتی نے اس کپڑے کے بارے میں تحقیقات کروائی تھی۔ جس کے نتیجہ میں یہ جعلی ثابت ہوا تھا۔ ذیل میں آپ پیٹرس دارسی کے خط کا متعلقہ حصہ ملاحظہ فرمائیں جو اس نے پوپ کلیمنٹ کو لکھا۔

"جب لارڈ بشپ ہنری پواتی جو اس وقت بشپ آف ٹرائے تھے کو علم ہوا تو انہیں صائب الرائے لوگوں نے مشورہ دیا۔ کہ چونکہ یہ ان کے فرائض میں شامل ہے اس لئے وہ اس پر کارروائی کریں۔ اور یہ ان کے حلقۂ اختیار میں بھی ہے۔ اور

یوں وہ اس معاملہ کی حقیقت جاننے کے لئے تحقیقات میں مصروف ہو گئے۔ پس کئی مذہبی شخصیات اور دوسرے صاحب عقل و دانش لوگوں نے اعلان کیا کہ یہ کپڑا ہمارے خداوند کا حقیقی کفن نہیں ہو سکتا۔ جس پر ہمارے نجات دہندہ کی شبیہہ بنی ہوئی ہو۔ کیونکہ انجیل مقدس میں اس کا کہیں بھی تذکرہ نہیں ملتا اور اگر کہیں یہ حقیقت ہوتی تو یہ نا ممکن ہے کہ انجیل نویس اس کا تذکرہ نہ کرتے۔ یا یہ کہ یہ امر آج تک لوگوں کی نظروں سے اوجھل رہتا۔ آخر کار انہوں نے (یعنی ہنری پواتی بشپ آف ٹرائے نے) بڑی محنت شاقہ اور امتحان کے بعد اس کی جعل سازی دریافت کر لی کہ یہ کپڑا کس طرح چالاکی سے پینٹ کیا گیا۔ اور اس مصور نے اس کی تصدیق بھی کر دی۔ جس نے یہ تصویر بنائی تھی۔ اور یوں اس بات کا بھانڈا پھوٹ گیا کہ یہ کوئی معجزہ تھا اور ثابت ہو گیا کہ یہ محض انسانی ہاتھ کی دستکاری تھی۔ اور یہی وجہ تھی کہ پوری تحقیق کے بعد اور علماء دین کے مشورہ کے ساتھ انہوں نے اس پادری اور اس کے لگے بندھوں کے خلاف کارروائی کی۔ کیونکہ وہ اس اہم معاملہ کو یونہی نظر انداز نہ کر سکتے تھے۔ تا وہ اس فریب اور جعل سازی کو ختم کر سکیں اور اسی خوف کی وجہ سے ان جعل سازوں نے اسے غائب بھی کر دیا۔ اور آج تک یعنی ۱۳۸۹ء تک یہ غائب ہے۔ اور منظر عام پر نہیں آیا۔"

یہ خط کیوں لکھا گیا یا کن حالات میں لکھا گیا۔ یہ بھی تو اس سنگین معاملہ پہ روشنی ڈالتے ہیں۔ ایک اور مشہور زمانہ عیسائیت کے عالم اور اس کفن کے محقق پادری ونشل Wuenschel نے اس بارے میں لکھا ہے :۔

"یہ خط اس قابل نہیں کہ اسے کوئی وقعت دی جائے۔ کیونکہ یہ تو سخت غصہ اور غضب کی حالت میں لکھا گیا۔ اور اس کے مندرجات سے نواب شارنی اور ڈین آف لیری Dean of Lirey کے خلاف جذبات کا سیلاب نظر آتا ہے۔ پوپ کلیمنٹ نے بھی اپنے ارشاد عالی میں اس امر کا اظہار کر دیا کہ پیٹری دارسی نے اپنے مخالفین کے غم و غصہ کا اظہار کیا ہے۔ کیونکہ انہوں نے اس سے اجازت حاصل کئے بغیر ہی جناب پوپ سے اس کی نمائش کی اجازت حاصل کر لی۔ اور وہ مزید ناراض ہو گئے۔ جب انہیں یہ پتہ چلا کہ ان کے احکام کے باوجود اس چادر کفن کی نمائش کی جا رہی ہے بلکہ یہاں تک کہ انہوں نے شاہ فرانس تک سے اس معاملہ میں رسائی حاصل کر کے احکام حاصل کر لئے ہیں۔ اور پوپ کلیمنٹ نے ڈین آف لیری کی درخواست کو شرف قبولیت بخشا اور نواب شارنی جیسے معمولی آدمی کی بات کو وقعت دی تو پیٹری دارسی کو اس بات کا بہت رنج ہوا۔ یہ شکایت نامہ ان کے دہکتے ہوئے دل و دماغ کا آئینہ دار ہے۔ اس سلسلہ میں ان کی زبان اس قدر تلخ ہے۔ اور وہ اپنے مخالفین کے خلاف اس قدر بھڑکے ہوئے ہیں

کہ وہ انہیں کمینہ اور رذیل تک کہنے سے نہیں چوکتے۔ اور ان وجوہات کی بنا پر ان کی یہ شہادت معتبر قرار نہیں دی جا سکتی کہ یہ کفن ذلیل اور کمینہ قسم کی چالبازی ہے۔"

اب اس مسئلہ کے ایک اور پہلو پر غور فرمائیں کہ اگر ہنری آف پواتی نے اس کفن پر تحقیقات کروائی تھی تو اس بات کا ثبوت محض پیئری دارسی کا خط ہی ہے۔ اس نے اس سلسلہ میں جس قدر خط وکتابت کی ہے۔ اس میں اپنے مقدمہ کے حق میں کوئی وزنی شہادت یا ثبوت پیش نہیں کیا پیئری دارسی ہنری پواتی کا جانشین تھا۔ اور تحقیقات کا تفصیلی ریکارڈ اس کے قبضہ میں آیا ہوگا اسے دیکھنے کے بعد بھی اس نے اپنے دعوے کے ثبوت میں کوئی تحریر یا شہادت پیش نہیں کی۔ ایک مؤرخ نے ٹرائے کی تاریخ بھی لکھی ہے۔ اور اگر اس قسم کی کوئی تحقیقات کی گئی ہوتی تو یہ اس مؤرخ کی نظروں سے اوجھل نہ رہ سکتی۔ اس مؤرخ کا نام نکولاس قاموضا Nicholas Camouzat ہے۔ غرض اس ساری تفصیل کا مقصد یہ ہے کہ پادری شیوالیر یا ان کے دوسرے ہم عصر ناقدین پیئری دارسی کے حق میں کوئی معتبر شہادت نہ پیش کر سکے جس سے ثابت ہو جائے کہ یہ ردائے کفن جعلی ہے۔

اب اس سلسلہ میں ایک اور دلچسپ واقعہ قابل ذکر ہے۔ پیئری دارسی کی تحریرات کے پیش نظر چادر کفن کی نمائش ۱۳۵۵ یا اس کے قریب قریب لیری میں ہوئی جس کے خلاف بشپ ہنری پواتی نے تحقیقات کروائی لیکن ۱۳۵۶ء

میں اسی بشپ نے کلیساءِ لیری کے پادری کو ایک بڑا محبت بھرا خط لکھا. اس میں اسے برکت اور دعائیں دیں اور یہ خط اب تک موجود ہے. اب یہ بات قرین قیاس معلوم نہیں دیتی کہ ایک بشپ جو چند ماہ یا سال بھر قبل تو اُس گرجے والوں کے خلاف تحقیقات کروا رہا ہے. اور ان سے سخت ناراض ہے اور تھوڑے عرصہ بعد ہی انہیں اپنی برکتیں اور دعائیں بھی دیتا ہے علاوہ ازیں اس زمانہ کی جو تھوڑی بہت معلومات موجود ہیں. وہ یہی شہادت دیتی ہیں کہ ہنری پواتی اور لیری کے پادریوں کے تعلقات خوشگوار ہی رہے اور پادری شیوالیر چونکہ اس ردائِ کفن کو فریب ثابت کرنے کے لئے تلے ہوئے ہیں. اس لئے وہ اس قسم کی شہادتوں کو بھی کوئی وقعت نہیں دیتے. پیٹری دارسی کے مذکورہ بالا خط کے علاوہ شیوالیر نے جو شواہد پیش کئے ہیں وہ دارسی کے خط سے بھی کمزور ہیں. لیری کے کلیسا کی ابتداء اور بنیاد کے بارے میں جتنے مکتوبات ہیں ان میں اس چادر کفن کا کہیں ذکر نہیں ملتا. اور جو یہ ثابت کریں کہ اس خط وکتابت میں کوئی وزن نہیں ہے. شیوالیر نے اور بھی جتنے مخطوطات پیش کئے ہیں. ان کی بنیاد بھی یہی پیٹری دارسی کا مکتوب ہے اور دوسرے شواہد بھی جو اس نے پیش کئے ہیں ان سے محض کفن کی تاریخ بیان کرنا مقصود ہے اور کچھ نہیں.

فرانس یا دوسرے ممالک کے وہ علماء جنہوں نے شیوالیر کا اس سلسلہ میں مقابلہ کیا. وہ اس کی قابلیت کا پاسنگ بھی نہ تھے. نہ انکے پاس اسکے برابر علم تھا اور نہ عقل ودانش شیوالیر کا شہرہ اور اس کی ذہانت نے مدمقابل

علماء کے چراغ گل کر دیئے۔ اس وقت فرانس کے نامور فاضل کا طوطی بول رہا تھا۔ کون تھا جو اس کے مقابل پر آ سکتا۔ اس کی علمیت اور فضیلت کی دھاک بیٹھ چکی تھی۔ اس "جعلی چادر کفن" پر تحقیق کے سلسلہ میں اسے طلائی تمغہ ملا اور اس کی تقلید میں پھر بعض نامی علماء نے بھی اس تبرک کو ڈھونگ قرار دے دیا۔

یہ تو تھا فرانس میں چادر کفن کا حال۔ انگلستان میں ایک اور پادری تھرسٹن Thurston تھے۔ جنہیں مناظروں اور مجادلوں کا بڑا شوق تھا۔ انہوں نے بھی پادری شیوالیر کی تقلید کی۔ اور اس کے خلاف جی بھر کے لکھا۔ ۱۹۷۵ء میں جب اس کفن کی ٹیلی وژن پر نمائش ہوئی۔ تو یہ اندازہ لگایا گیا کہ نصرانی دنیا کے صرف ۵ فیصد لوگ اس کفن کے بارہ میں تھوڑی بہت معلومات رکھتے ہیں۔

کہا یہ جاتا ہے کہ کفن کے ثبوت کے لئے تاریخ اس کی سب سے بڑی دشمن ہے۔ بعض مورخین نے اس کے ساتھ بڑی دشمنی کا ثبوت دیا ہے۔ لیکن آخر اس کا فائدہ کیا ہوا۔ یہی کہ بعض لوگوں کے دلوں میں کچھ شبہات ضرور پیدا ہو گئے۔

اس کفن کا چاروں انجیلوں میں کہیں ذکر نہیں۔ نہ ہی اس کی کوئی واقعاتی شہادت ملتی ہے۔ نہ تحریری ثبوت ملتا ہے یہاں تک کہ چودھویں صدی عیسوی آ جاتی ہے۔ اور نواب شارنی کے خاندان میں اس کا سراغ ملتا ہے مگر یہ عرصہ بہت طویل ہے جس کی تاریخ قریباً خاموش ہے۔ اب ایان ولسن منڈیل ادیسہ

پر تحقیق فرما رہے ہیں۔ اور امید ہے کہ ان کی تحقیق مستقبل قریب میں منظرِ عام پر آجائے گی۔ اور اگر یہ قابلِ قبول ہوئی تو شائد یہ طویل زمانہ کچھ کم ہو جائے اور پھر کوئی اور ثبوت مل جائے اور اس کی کڑیاں حضرت مسیح تک جا ملیں۔ لیکن بفرض محال یہ کڑیاں نہیں ملتیں۔ تب بھی کفن ایک حقیقت تو ہے اور یہ خود اپنی شہادت آپ ہے۔ اس پہ ایک مصلوب انسان کی شبیہہ ثبت ہے کپڑے کی بنائی اور ساخت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت مسیح کے زمانہ کا ہی کپڑا ہے۔ اب محض تاریخ کی کڑیوں کی عدم موجودگی نہ تو اس کی اصلیت کو ثابت کرتی ہے اور نہ اس کی جعل سازی کو۔

کہا یہی جاتا ہے کہ پیئری دارسی کا وہ خط جو اس نے پوپ کلیمنٹ کو لکھا اس کفن کے جعلی ہونے کا ثبوت مہیا کرتا ہے۔ لیکن گزشتہ چند صفحات میں آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ یہ کوئی حتمی ثبوت پیش نہیں کرتا۔ کیونکہ اس کے ساتھ کوئی تائیدی ثبوت پیش نہیں کیئے گئے۔ لیکن اگر یہ مان بھی لیا جائے۔ اور اس قسم کے شواہد مل بھی جائیں کہ بشپ ہنری پوائتی نے اس کے متعلق کوئی تحقیقات کروائی تھی اور کسی ایسے مصور کی گواہی مل جائے۔ جس نے یہ تصویر کشی کی تھی۔ تب بھی یہ عقدہ لاینحل رہتا ہے کہ وہ یکتائے روزگار کون ایسا مصور تھا جو اس قسم کی نادر تصویر بنانے پر قادر ہو گیا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ جب یورپ جہالت کی تاریکیوں میں غرق تھا۔ علوم کا ابھی دور دورہ نہ تھا۔ ابھی پڑھے لکھے لوگ انگلیوں پر گنے جاتے تھے۔ ماہرینِ فنونِ لطیفہ شاذ ہی کہیں ملتے تو اس زمانہ میں ایسا

نادر روزگار مصور کون تھا جس نے یہ لاجواب تصویر بنا ڈالی۔ جسے آج بھی اس علم و فضل کے زمانہ کے لوگ بنانے سے قاصر ہیں۔ وہ ایسے رنگ کہاں سے لایا جواب تک علماء کفن کے لئے معمہ بنے ہوئے ہیں۔ اس نے حضرت مسیح کے جسم پر کوڑوں کے اس قدر صحیح اور قدرتی نشان کس طرح بنا لئے۔ وہ کونسا ایسا مصور تھا جس نے روایتی تصاویر کے برخلاف ہتھیلیوں میں کیلیں ٹھونکنے کی بجائے کلائی میں کیلیں ٹھونکیں وہ کونسا ایسا بے باک عیسائی تھا جس نے اپنے خداوند کی برہنہ تصویر بنائی۔ جو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ آ سکتی تھی۔ اور جو مروجہ تصاویر کے بالکل خلاف تھی۔

غرض یہ الزام چودھویں اور پندرھویں صدی میں اس کفن کی اصلیت اور حقیقت پر لوگوں کو شبہات تھے۔ اور یہاں تک کہ نواب شارنی کا خاندان بھی حتمی طور پر اس کے بارہ میں تصدیق نہیں کرتا تھا اور اسے کفن کی نقل کہا جاتا تھا تو یہ اس لئے قابلِ قبول نہیں کہ آج جب علوم و فنون کی دنیا اس کی تحقیق میں مصروف ہے اور اسے حتمی طور پر جعلی قرار نہیں دے سکی تو وہ تو زمانہ ہی جہالت کا تھا۔ نہ ان کے پاس اس کے پرکھنے کے ذرائع تھے۔ اور نہ ہی کوئی آلات تھے۔ تو ان کا یہ دعوے کس بناء پر مبنی بر حقیقت سمجھا جا سکتا ہے۔

پس تاریخ کی گواہی اتنی وقیع نہیں قرار دی جا سکتی۔ اس کو اگر آخری اور یقینی سمجھ لیا جائے تو پھر الجھنوں کا سامنا کرنا ہوگا۔ اب تو یہی ہے کہ کفن موجود ہے۔ سائنسی علوم اس قابل ہیں کہ اس کے ذرہ ذرہ کا تجزیہ

کرکے دکھادیں۔ وہ یہ بالوضاحت بتاسکتے ہیں کہ یہ کپڑا ساڑھے انیس سو سال پرانا ہے۔ سائنس کے پاس ایسی ادویہ ہیں کہ وہ یہ ثابت کردیں گے کہ اس پر لہو کے جو داغ ہیں وہ انسانی خون کے ہیں یا کوئی رنگ پھیرا ہوا ہے یا کسی جانور کے خون کے دھبے ہیں۔ وہ یہ بھی بتادیں گے کہ یہ خون زندہ انسان کا خون ہے یا اس پر کسی مردہ کا خون لگا ہے یا لگایا گیا ہے۔ بس صرف اب سائنس کی شہادت کی انتظار ہے۔ تاریخ کی شہادت تو موجودہ صورتِ حال میں قابل قبول نہیں ہوسکی ؟

پال وِگناں اور ڈی لاچ

گزشتہ چند صفحات میں ہم نے ردائے کفن کی تاریخی حیثیت کے بارہ میں مختصراً بحث کی ہے۔ بادی النظر میں حضرت مسیح کے صلیب دیئے جانے کے ایک ہزار برس بعد کی تاریخ قریباً خاموش ہے۔ کہیں کہیں سے ایک آدھ واقعہ ایسا ملتا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شائد یہ وہی کفن ہو جس میں اللہ کا یہ نبی لپیٹا گیا۔ لیکن پھر یکایک یہ غائب ہو جاتا ہے۔ اتنا اہم، اتنا قیمتی، اور اتنا مقدس تبرک کس طرح مخفی رہا یا مخفی رکھا گیا۔ یہ ایک معمہ ہے۔ جسے تاریخ قدیم کے مورخین حل کر رہے ہیں۔ اور کوئی دور نہیں کہ وقت آجائے کہ اس کی حقیقت معلوم ہو جائے۔ اور یہ پتہ چل جائے کہ یہ ازمنہ وسطیٰ کی بے مثال جعل سازی تھی۔ کسی دھوکہ باز نے مخلص اور سادہ لوح عیسائیوں کو اُلّو بنانے کے لئے یہ ڈھونگ رچایا اور پھر اپنا اُلّو سیدھا کیا۔ اور خوب چاندی بنائی۔ انسان فطرتاً توہم پرست واقع ہوا ہے۔ مافوق الفطرت افسانوں۔ کہانیوں اور ڈھکوسلوں پر بغیر تحقیقات کے ایمان لے آتا ہے۔ خصوصاً وہ لوگ جو کم علم ہوں یا سادہ لوح ہوں وہ تو اس قسم کے چالبازوں کی چالاکیوں میں بڑی آسانی سے آجاتے ہیں۔ اور ازمنہ وسطیٰ وہ دَور ہے جبکہ یورپ میں علوم کی شمعیں ابھی روشن نہ ہوئی تھیں۔ علم و فضل کے دلدادگان خال خال ہی نظر آتے تھے۔ جہالت کا دور دورہ تھا۔ عام لوگ جاہل اور توہم پرست تھے۔ پورے کے

پورے گاؤں میں اگر کوئی پڑھا لکھا ہوتا تو وہ گرجے کا پادری ہوتا۔ اگر چار حرف کسی کو آتے تھے تو یہی ایک شخصیت ہوتی۔ جسے علم سے کچھ تھوڑا بہت تعلق ہوتا۔ انجیل مقدس تا حال لاطینی میں پڑھی جاتی۔ پادری صاحب جو چاہیں سادہ لوح عوام کو بتائیں یا سنائیں اور کسی کی مجال نہ تھی کہ اف بھی کرتا۔ اب اگر کسی چال باز یا جعل ساز نے اس قسم کے کپڑے پر حضرت مسیح کی شبیہہ مبارک بنا کر مشہور کر دیا۔ اور ساتھ ایک دو پادری ملا لئے تو کوئی دور نہیں کہ دور دور سے لوگ اس کپڑے کی زیارت کے لئے آنے شروع نہ ہو گئے ہوں اور نذرانوں کے ڈھیر نہ لگ گئے ہوں۔ کون ہے جو آتی مایا کو لات مارتا ہے۔ ابھی گزشتہ صفحات میں ہی آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ کہ بشپ پیئری دارسی نے لیری کے پادریوں کے خلاف اسی وجہ سے پوپ سے شکایت کی کہ لوگ اب اس گرجے کو توجوق در جوق جاتے ہیں۔ اور اس تبرک کی زیارت کرتے ہیں اور دارسی کا گرجا اجڑ گیا ہے اور یہاں تک الزام لگا دیا ہے کہ یہ ردائے کفن جعلی ہے۔ اور اس گرجے کے پادریوں کو اس کی نمائش سے حکماً روک دیا جائے۔ دوسری طرف لیری کے پادریوں کو تو مخلصین کے نذرانوں کی آمد ہو رہی تھی وہ اس کی نمائش روک دیتے تو یہ پیسہ کہاں سے آتا۔ صرف یہی ایک وجہ تھی کہ انہوں نے پیئری دارسی کے خلاف شکایات کا انبار لگا دیا۔ کہ اس شخص کو حسد ہے جلن ہے وہ اس تبرک سے خوفزدہ ہے۔ اسے کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ خداوند کے اس لاثانی تبرک کی نمائش سے روکے۔ اور انہوں نے ہر رنگ میں پوری پوری کوشش کی کہ دارسی کا داؤ نہ چلے۔ انہوں نے نہ صرف پوپ سے اس بات کی شکایت

کی بلکہ معاملہ شاہِ فرانس تک لے گئے۔ اور فیصلہ کسی نہ کسی طرح اپنے حق میں لے ہی لیا۔

یہ وہ زمانہ نہیں تھا کہ اس جعل سازی کے الزام کو سائنٹیفک دلائل سے رّد کر دیا جاتا۔ احیاءِ علوم کا زمانہ ابھی شروع نہیں ہوا تھا۔ سائنس کی کسی کسوٹی پر چڑھا کر اسے حقیقی ثابت نہیں کیا جا سکتا تھا۔ محض تاریخ کے چند بکھرے ہوئے ٹکڑے تھے جنہیں جوڑ کر یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی جا رہی تھی کہ یہ حضرت مسیح کا ہی کفن ہے۔ جس کا زور چل جاتا وہ جیت جاتا۔ لیری والوں نے مستقل مزاجی سے دارسی کا مقابلہ کیا۔ آخر وہ فتح یاب ہوئے دارسی کی دلیلیں آج اس کفن کو جعل سازی ثابت کرنے کے لئے بڑے بڑے محققین پیش کر رہے ہیں۔ آج کا زمانہ چھ سو برس قبل کا زمانہ نہیں ہے۔ معمولی معمولی سی بات کو سائنس کی ایجادات نے اس طرح حل کر کے رکھ دیا ہے کہ حیرت ہوتی ہے۔ یورپ میں وِن لینڈ Vinland کا ایک نقشہ خاصا مشہور تھا جس کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ یہ کولمبس کے امریکہ دریافت کرنے سے پہلے کا ہے۔ جس سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ لوگ کولمبس سے بھی پہلے امریکہ پہنچ چکے تھے۔ ایک سائنس دان نے اپنی کیمیا داتی اور دوسرے تجربات سے ثابت کر دیا کہ یہ نقشہ جعلی ہے۔ کیونکہ اس میں جو سیاہی استعمال ہوتی ہے وہ اس زمانہ میں ایجاد ہی نہیں ہوئی تھی۔ تو کونسا ایسا نقشہ نویس تھا جس نے بیسویں صدی کی سیاہی حاصل کی۔ اور بارھویں تیرھویں صدی میں وہ نقشہ بنا دیا جس زمانہ میں سیکوندو پیا نے اس چادر کی تصویریں کھینچ کر عیسائی دنیا

کو حیرت زدہ کیا ہوا تھا۔ اسی زمانہ میں شیوالیر جو فرانس کا نامور عالم اور مورخ تھا اور اس کے کفن کے جعلی ہونے کے بارے میں مضامین شائع ہو رہے تھے۔ اسی زمانہ میں ایک اور شخص جس کا نام پال وگناں تھا کفن کی نسبت سے مشہور ہوا۔ یہ شخص فرانس کے شہر لیون Lyon کے ایک متمول گھرانے میں پیدا ہوا۔ پہاڑوں پر چڑھنا اس کا دل پسند مشغلہ تھا۔ لیکن ۱۸۹۵ء میں یہ انہیں پہاڑوں کی چڑھائیوں اترائیوں کی وجہ سے شدید بیمار ہوگیا۔ اور اسے یہ مشغلہ مجبوراً ترک کرنا پڑا۔ اور وہ نسبتاً سنجیدہ امور کی طرف توجہ دینے لگا۔ پہاڑیاں سر کرنے میں پال وگناں کا ایک گہرا دوست تھا جو اس کے ساتھ جایا کرتا تھا۔ یہ ایک پادری تھا جس کا نام اچلی راتی Achille Ratti تھا۔ کئی برس بعد ایک موقعہ ایسا آیا کہ جب یہ دونوں دوست آپس میں ملے۔ تو پال وگناں ایک سائنسدان تھا اور راتی پوپ پائس یازدہم Pope Pius XI بن چکا تھا۔ اور دونوں ہی اس مقدس چادر کے حقیقی ہونے کے حامی تھے۔

پال وگناں اپنی اس بیماری کے قریباً سال بھر بعد پیرس یونیورسٹی کے ایک نامور سائنسدان ایوز ڈی لاج Yves de Lage سے ملا یہ شخص بہت بڑا عالم تھا۔ حیاتیات کا پروفیسر تھا اور بین الاقوامی شہرت کا مالک تھا۔ یونیورسٹی کے ایک بہت بڑے عجائب خانہ کا ڈائریکٹر تھا۔ اور مشہور زمانہ فرینچ اکیڈیمی آف سائنسز کا ممبر تھا۔ لیکن عقائد کے لحاظ سے دہریہ تھا۔ دوسری جانب وگناں عملاً کیتھولک تھا جو عام طور پر کٹر خیالات

رکھتے ہیں۔

ڈی لاج سے ملاقاتوں کے نتیجہ میں وگنال خود حیاتیات میں دلچسپی لینے لگا اور اس کے رسالہ حیاتیات کے ادارتی عملہ میں شامل ہو کر اس کا نائب بن گیا۔ اپنے مذہبی خیالات میں اس قدر اختلاف کے باوجود جب دونو لیبارٹری میں تجربات کے لیئے داخل ہوتے۔ تو صرف اسی بات کو تسلیم کرنے کے تیار ہوتے جس کی حقیقت سائنس ثابت کر دیتی۔ یہاں مذہبی عقائد یا دہریہ خیالات ایک دوسرے کے ہرگز آڑے نہ آتے۔

جیسے کہ پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ یہ وہ زمانہ تھا کہ جب فرانس میں وہاں کے مشہور عالم شیوالیر کا طوطی بول رہا تھا۔ اس نے ردائے کفن کے خلاف مضامین کی بھرمار کی ہوئی تھی۔ عام لوگ اس کو حقیقی تسلیم کرنے کے لئے تیار ہی نہ تھے۔ جب شیوالیر جیسا عالم ایک مسئلہ کی تردید کر رہا ہے تو ایک عام آدمی کی کیا مجال تھی کہ اس کی حمایت کرتا اور یہی بات وگنال کے ساتھ بھی وہ ان مضامین کی موجودگی میں ردائے کفن کو حقیقی تسلیم کرنے کے لئے تیار ہی نہ تھا مگر سیکوندو پیا کی تصاویر منظر عام پر آچکی تھیں۔ اور ان پر خوب لے دے ہو رہی تھی۔ اور گرما گرم بحث چل رہی تھی۔ لیکن یہ موضوع وگنال کے لئے باعث فکر نہ بن سکا اور اس نے شیوالیر کے مضامین کے زیر اثر آن کر ہی اسے رد کر دیا۔ لیکن ڈی لاج سائنسدان تھا اس کی بلا سے کہ یہ کفن حضرت مسیح کا ہے یا اور کسی کا اسے مذہب سے کسی قسم کا لگاؤ نہ تھا۔ اسے اس بات کی کیا پڑی تھی کہ یہ کفن کس کا ہے۔ اسے تو اس منفی تصویر سے دلچسپی تھی جو ایک

عام کپڑے پر ابھر آئی تھی۔ یہ کیسے ابھر آئی۔ یہ اس کا موضوع فکر تھا اسی نے اسے اس پر تجربات اور غور و فکر کرنے پر اکسایا ہوا تھا۔ شیوالیر جیسا مذہبی عالم اس کپڑے کو صرف تاریخی شواہد کی عدم موجودگی کی بناء پر تسلیم کرنے کو تیار نہ تھا اور ڈی لاج اس بات پر تل گیا کہ اس مذہبی شخصیت کا بھرم کھولکر رہے گا۔ اس لیے اس نے اس پر تحقیقات شروع کر دی۔ تاکہ وہ یہ ثابت کر سکے کہ ان مذہبی دیوانوں کے خیالات اگر سائنس کے خلاف ہوں تو وہ قابل قبول نہیں ہو سکتے۔ یا اس لئے کہ یہ خیالات فلاں پادری صاحب یا فلاں بشپ صاحب یا جناب پوپ صاحب کے ہیں اس لیے ان میں کلام نہیں کیا جا سکتا۔

ڈی لاج کی تحریک پر ہی دگناں اور بعض دوسرے سائنسدان اس کپڑے کی تحقیق میں مصروف ہو گئے۔ وہ سائنٹیفک طریق سے یہ ثابت کرنا چاہتے تھے۔ کہ آیا یہ کسی مصور کا کارنامہ ہے۔ اور جعلی ہے یا یہ کچھ اور چیز ہے اور اس کی ماہیت کیا ہے۔ اور اس پر جو شبیہہ بنی ہے۔ وہ قدرتی عوامل سے بنی ہے یا کسی مصور کا شاہکار ہے۔

پہلے تو دگناں سیکونڈ پیا کے پاس پہنچا جس نے یہ تصویریں لی تھیں۔ اس نے دگناں کو تصویریں لینے کی پوری کہانی سنائی تفاصیل بتائیں بلکہ اسے چند بہترین تصاویر تحفۃً بھی دیں۔ اوپر آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ دگناں پہاڑوں پر چڑھنے کی وجہ سے بیمار ہو گیا تھا۔ اس کے نتیجہ میں اسے یہ شغل ترک کرنا پڑا بحالی صحت کے دوران دگناں نے مصوری کا شغل اختیار کیا۔ روپے پیسے کی ریل پیل تھی۔ اس لیے اس عرصہ میں کوئی کام تو تھا نہیں تصویریں بنانا ہی

شروع کر دیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس فن میں بھی اسے درک حاصل ہو گیا۔ اب جب اس نے سیکونڈ وپیا کی تصویریں دیکھیں تو وہ اس یقین پر پہنچا کہ قرون وسطیٰ کا کوئی بھی مصور اس قسم کی لاجواب تصویر بنانے پر قادر ہی نہیں تھا۔ لیکن پھر اسے خیال آیا کہ اگر کسی نے بنا بھی لی تو اسے منفی تصویر بنانے کی کیوں سوجھی یعنی جسے انگریزی میں Negative کہتے ہیں منفی تصاویر کا تصور ہی بیسویں صدی میں فوٹو گرافی کے ساتھ آیا ہے۔ تیرھویں اور چودھویں صدی کا مصور اگر بناتا تو اپنے زمانہ کے لوگوں کے مذاق کے مطابق بناتا۔ نہ کہ بیسویں صدی کے لوگوں کے حالات کے مطابق کہ وہ کیمرے سے اس کی تصویر لے کر اسے مثبت بنائیں اور اس مصور کا کمال دیکھیں۔ یہ بات عقل میں نہیں آتی۔ پھر یہ کہ عام مصور اس زمانہ میں مصلوب مسیح کی ہتھیلیوں میں میخیں ٹھکی ہوئی دکھلاتے تھے۔ لیکن اس نے عام ڈگر سے ہٹ کر کلائی میں میخیں ٹھونک دیں۔ پھر اور غضب یہ کیا کہ حضرت مسیح کی برہنہ تصویر بنا ڈالی مخلصین اور دوسرے عام عیسائیوں کے لئے تو یہ اشتعال انگیزی سے کم نہیں ہو سکتا۔ آخر بارہویں اور تیرھویں صدی کے مصور کو اس قسم کے شوشے چھوڑنے کی ضرورت ہی کیوں پیش آئی۔ بظاہر اس کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ اور یہی ایک وجہ بن گئی کہ اسے عام مصور کی تصویر سے علیحدہ ایک سائنٹیفک مسئلہ سمجھا جانے لگا۔

دگناں تجربے تو کر ہی رہا تھا اس نے کوشش کر کے اس ردائے کفن جیسا اور اسی کی موٹائی کے برابر ایک کپڑا لے کر اس پر روغنی اور آبی رنگوں

سے تصویر بنائی جب رنگ خشک ہو گئے تو اس چادر کو تہہ کر دیا۔ اور اسے رول یعنی لپیٹ کر بھی تجربہ کیا۔ نتیجہ بالکل وہی ہوا جس کی امید تھی۔ یعنی رنگ جھڑ گیا اور تصویر ختم ہو گئی۔ اس سے تو دگناں نے یہی نتیجہ نکالا کہ یہ تصویر اگر مصور کی کاریگری ہے۔ تو پھر یہ ایسے رنگ سے بنائی گئی ہوگی جو کپڑے اور دھاگے کے اندر تک سرایت کر گیا ہوگا۔ لیکن اس قسم کی تصویر مرورِ زمانہ سے منفی ہرگز نہیں بن سکے گی۔ بلکہ مثبت ہی رہے گی۔ جیسی بنائی تھی ویسی ہی رہے گی۔ اس میں کسی قسم کا تغیر نہیں ہوگا۔

اب اسے ایک اور بات سوجھی۔ شاید ایسا نہ ہو کہ کسی انسان کے ساتھ براہ راست کپڑا لگا کر یہ تصویر حاصل کی گئی ہو۔ دگناں صاحب مصنوعی ڈاڑھی لگا بدن کو کھریا مٹی کا سفوف مل ایک میز پر لیٹ گئے۔ اور اپنے شاگردوں سے کہا کہ ایک چادر جس پر انڈے کی سفیدی ملی ہو۔ اس پر ڈال دیں اور اس کے جسم کے ساتھ چپکا کر اٹھالیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جسم کا وہ حصہ جو کپڑے کے ساتھ لگ نہ سکا۔ اس کا تو نشان ہی نہ آیا۔ اور جو حصے چادر کے ساتھ لگے۔ ان سے عجیب قسم کا ہیولیٰ سا بن گیا۔ پورا چہرہ جس پر چادر چپکائی گئی تھی۔ اس کا کوئی بھی خدوخال صحیح نہ ابھرا۔ اور یہ تجربہ بھی بری طرح ناکام ہوا۔ دگناں کو ایک مرتبہ یہ تجربہ کرنے سے تسلی نہ ہوئی۔ اور یہ تجربہ اس نے بار بار کیا۔ نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات۔ اور کسی قسم کی بھی تصویر جو قابلِ قبول ہوتی نہ ابھرنی تھی نہ ابھری۔ مختلف طور طریق اختیار کیے گئے۔ کوئی بھی طریقہ نہ چھوڑا گیا۔ جس پر عمل کر کے تصویر حاصل کی جا سکتی۔ مگر ردائے کفن کی تصویر تو اعضائے جسمانی

کی نہایت مکمل. صحیح اور متناسب بناوٹ کا لاثانی مرقع ہے۔ اور وگناں نے اپنی کاوش سے جتنی بھی تصویریں حاصل کیں۔ وہ سب بھدے اور بے ڈھنگے کارٹون بن کر رہ گئے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آج اس ترقی یافتہ زمانہ میں ہر قسم کے سازوسامان۔ آلات. علم وفضل کی فراوانی کے باوجود کوئی فرد اس قسم کی تصویر نہیں بنا سکتا۔ تو پانچ چھ سو برس قبل جبکہ یورپ جہالت کے اندھیروں میں ٹامک ٹوئیاں مار رہا تھا تو کوئی مصور اس قسم کا لاجواب شاہکار بنانے میں کس طرح کامیاب ہوگیا۔ اور یہی تو ایک بہت بڑا سوال ہے جس کا حل سمجھ نہیں آرہا۔

اب وگناں کو یہ یقین تو ہوگیا کہ اس نے تصویر کی جعل سازی کا بھرم کھول دیا ہے۔ لیکن پھر بھی وہ اس کی سائنٹیفک توجیہہ ضرور کرنا چاہتا تھا۔ کتاب مقدس میں وہ یہ تو پڑھ ہی چکا تھا کہ ردائے کفن پر مُر اور ایلوا لگایا گیا تھا اور اس نے اپنے ایک سائنسدان رفیق کے ساتھ مل کر یہ تجربہ کیا کہ ایلوا اور مُر اگر زیتون کے تیل میں گھوٹ لیا جائے۔ تو اس سے ایک ایسی چیز پیدا ہوتی ہے۔ جسے ہم انگریزی میں ایلوٹین Aloetine کہتے ہیں اور اگر کپڑے پر ایلوٹین مل دیں تو یہ الکلی کے بخارات کے زیر اثر آن کر بھورا سا رنگ دے دیگا۔

بعض دوسرے ماہرین طب اور کیمیا دانوں سے مل کر اسے یہ معلوم ہوچکا تھا کہ ایک انسان جسے سخت اذیت دی جارہی ہو تو اس کے جسم سے

بو پسینہ خارج ہوتا ہے اس میں یوریا Urea ہوتا ہے اور یہی یوریا کچھ دیر بعد امونیا کے بخارات خارج کرنا شروع کر دیتا ہے۔ اور یہی انگلی کے بخارات ہوتے ہیں۔ جو چادر پر نشانات ڈال دیتے ہیں۔

جب اس قاعدہ کلیہ کا ان دونوں سائنسدانوں کو علم ہوا تو یہ ایسے تجربات میں مصروف ہو گئے جن سے ان کی تحقیقات آگے بڑھ سکے۔ مٹی سے بنے ہوئے ایک ہاتھ کو امونیا میں ڈبو کر تجربہ کیا۔ ایک الف نی بت پر اس قسم کا تجربہ دہرایا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ کامیابی ضرور ہوئی۔ اور ایک اصول ہاتھ لگ گیا۔ اب ایک ردائے کفن کا مسئلہ تھا جس پر مصالحہ اور روغن ملا ہوا تھا۔ جس میں ایک ایسا شخص لپیٹا گیا تھا۔ جو اذیتوں اور تکلیفوں کا مارا ہوا تھا۔ اور دوسرے اس کے پاس ایک ایسا طریق کار تھا جس سے وہ اس قسم کے کپڑے پر تصویر کے نشانات ڈال سکتا تھا۔ اور اسے اب یقین سا ہو گیا کہ اس نے ایک حد تک پراسرار گتھی سلجھالی ہے۔ اور اس نے اپنی تھیوری کا نام بخاراتی Vaporograph تھیوری Theory کا نام دیا۔

فرنچ اکاڈیمی آف سائنسز فرانس کا وہ عظیم ادارہ ہے جس نے دنیائے سائنس میں بعض محیر العقول انکشافات کئے ہیں۔ فرانس کے دیو پیکر سائنسدان اس کی ممبر شپ پر فخر کرتے تھے۔ ۱۸۳۹ء میں اس اکیڈیمی کے پرہجوم اجتماع میں ڈاگے Dagge نے فوٹوگرافی کا تصور پیش کیا تھا۔ یہی وہ ادارہ تھا۔ جس میں لوئی پاسچر Louis Pasteur

نے اپنا نظریہ جراثیم Rabies پیش کیا جس سے دنیائے طب میں ایک غلغلہ مچ گیا تھا۔ اسی اکیڈیمی کے ایک اجلاس میں بجلی کا وہ نظریہ پیش کیا گیا تھا جو بعد میں تار برقی کی شکل میں نمودار ہوا۔ اس اکیڈیمی کے ایک پرہجوم اجتماع میں مشہور سائنسدان ڈی لاج ۲۱ اپریل ۱۹۰۲ء کو اپنا تحقیقاتی تھیوری کا نظریہ پیش کرنے کے لئے کھڑا ہوا۔ ادارہ کا پرشوکت ہال سائنسدانوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ اب تل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔ دیواروں کے ساتھ ساتھ فرانس کے مشہور سائنسدانوں کے مجسمے اس اجتماع میں شریک سائنسدانوں کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھ رہے تھے۔ ہال میں مکمل سکوت تھا۔ سوئی بھی گرتی تو اس کی آواز سنائی دے جاتی۔

ڈی لاج مقالہ پڑھ رہا تھا۔ اسے اس اجتماع کی اہمیت کا پورا احساس اور شعور تھا یہ وہ مقالہ تھا جو اس نے وگناں کی مدد سے تیار کیا تھا۔ رداء کفن کی تاریخ سے اس نے اپنے مقالہ کی ابتداء کی۔ اور پھر اس نے اپنے تجربات کی تفاصیل بیان کیں۔ جو اس نے وگناں اور دوسرے ساتھیوں کی مدد سے کئے تھے۔ اس کے مقالہ کی رو سے سائنس نے یہ ثابت کر دیا تھا کہ رداء کفن تصویر مصوری کا شاہکار نہیں اور نہ ہی ہو سکتی ہے۔ سائنس کا دعوے ہے کہ یہ تصویر کسی جعل سازی کی نہیں بلکہ یہ تصویر قدرتی عوامل سے بنی ہے۔ جسے انسانی ہاتھ نہیں بنا سکتا۔ اس نے کہا:۔

"کپڑے پر تصویر بننے کے لئے کم سے کم ۲۴ گھنٹے درکار تھے۔ کہ لاش اس کفن کے اندر رہتی۔ اور اگر اس میں کئی

دن تک رہتی تو پھر لاش کے گل سڑ جانے سے کپڑا بھی اور تصویر بھی برباد ہو جاتی۔"

اب ڈی لاج خاموش ہو گیا اسے احساس تھا کہ اس کے اگلے چند فقرات کیا تاثر پیدا کریں گے۔ چند لمحات کی خاموشی کے بعد اس نے پھر پڑھنا شروع کیا۔ اور وہ کہہ رہا تھا کہ

"انجیل کے راویوں کا یہی بیان ہے کہ آپ جمعہ کی شام کو قبر میں رکھے گئے۔ اور اتوار کی صبح کو غائب ہو گئے۔ پس رداءِ کفن میں لپٹی ہوئی شخصیت حضرت مسیح کا وجود ہی تھا۔"

اس مقالہ سے علمی دنیا میں سنسنی پھیل گئی۔ مذہبی حلقوں میں چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں۔ وہ قوم جو دو ہزار برس سے مسیح کو صلیب پر سے مردہ اتار رہی تھی۔ اب اسے زندہ اتارنے کے لئے کیسے تیار ہو جاتی۔ لیکن تقدیر ان پر خندہ زن تھی۔ مسیح ثانی کا ظہور ہو چکا تھا۔ کسرِ صلیب کا وقت آ گیا تھا وہ صلیب اب توڑ دی جائے گی۔ جس نے مسیح کے مقدس جسم کو توڑ ڈالا تھا۔ مسیح صلیب پر سے زندہ اتریں گے۔ جو حقیقت ہے وہ آشکار ہو گی۔ وہ راز جو دو ہزار برس تک راز رہا۔ اب طشت از بام ہونے کا وقت آیا۔ قوم نصاریٰ اس بات پر ششدر تھی کہ وہ عقیدہ جو اتنا لمبا عرصہ ان کے دین کی بنیاد بنا رہا اب جھٹلایا جا رہا ہے۔ وہ قلعہ جس بنیاد پر کھڑا تھا وہ بنیاد اب ہل رہی تھی۔

علمی دنیا ڈی لاج کے اس مقالہ پر حیرت زدہ تھی۔ مذہبی حلقے سخت

گو مگو کے عالم میں تھے۔ فرینچ اکیڈمی کے سیکرٹری نے یہ مقالہ یا اس کا کوئی حصہ اپنے سرکاری رسالہ میں شائع کرنے سے انکار کر دیا۔ ڈی لاج نے تجویز پیش کی کہ اس پُر اسرار چادر کی مزید تحقیق کی جائے۔ اس کے مخفی پہلوؤں پر دوسرے سائنسدان ریسرچ کریں۔ علم طبیعات کے ماہرین اپنے آلات اور لیبارٹریوں کے ذریعہ اس کی ماہیت معلوم کریں۔ کیمیا دان اپنی دانش گاہوں میں اس کا تجزیہ کریں۔ مگر اس کی یہ تجویز رد کر دی گئی۔ اس کی پذیرائی نہ ہو سکی۔ لیکن کفن اب بین الاقوامی اخبارات کا موضوع تھا۔

پیا کی تصاویر سے جو شور پیدا ہوا تھا۔ وہ اب موجودہ تحقیق کے سامنے بے حقیقت ہو کر رہ گیا۔ اب تو علمی دنیا کے رسائل اور اخبارات نے اسے اپنا موضوع بنا کر اس پر اپنی آراء کا اظہار کیا اور کپڑے کا یہ چند گز ٹکڑا بین الاقوامی پریس کی شہ سرخیوں میں آ گیا۔ بعض نے ڈی لاج کی تحقیق کے حق میں مضامین لکھے اور بعض نے نہائت تلخ انداز میں نکتہ چینی کی اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ یہ بہت نازک موضوع ہے جس کی وجہ سے جذبات بھڑک اٹھے اور غریب ڈی لاج کو کہنا پڑا کہ

"میرا دعوے حرفِ آخر نہیں۔ اعتراضات کی گنجائش موجود ہے مگر جو میں کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ میرے دعوے میں ممکنات کی ڈھیروں گنجائش ہے۔ یہ مسئلہ سائنٹیفک ہے جسے محض مذہبی رنگ دے کر اشتعال دلایا گیا ہے اور دانشمندی کے تقاضوں کو پس پشت ڈالا جا رہا ہے۔ اگر اس کفن میں حضرت مسیح

علیہ السلام کا جسم نہ ہوتا اور کسی فرعون یا کسی اور شخص کا ہوتا اور اس پر میں تحقیقی مقالہ پیش کرتا تو اس قدر غوغا آرائی نہ ہوتی۔ میں نے اپنی تحقیق میں پوری دیانتداری کا ثبوت دیا ہے۔ میں نے حق کا دامن نہیں چھوڑا۔ اس مسئلہ کی چھان بین میں میں نے سائنس کی روح کو برقرار رکھا ہے اور یہ خیال نہیں رکھا کہ اس سے کسی مذہبی فریق یا گروہ کا ردِ عمل کیا ہوگا۔ میں مسیح کو تاریخی شخصیت تسلیم کرتا ہوں اور کوئی وجہ نہیں کہ کسی کو یونہی بدنام کیا جائے کہ اس کی ارضی اور زمینی زندگی کے شواہد موجود ہیں"۔

ڈی لاج اس کے بعد دوسرے تجربات میں مصروف ہو گیا۔ ردائے کفن پر تحقیق تو اس کی زندگی کا محض ایک کارنامہ تھا۔ جس پر اس نے بعد میں کوئی مزید مطالعہ نہ کیا۔ البتہ وگناں نے اپنی زندگی اسی کی تحقیق میں صرف کر دی۔ اور اس کے دوسرے پہلوؤں پر بھی غور اور فکر کرتا رہا۔ خصوصیت سے اس پر جو تصویر ابھری ہے۔ اس پر اس نے جی بھر کے تحقیق کی ہے۔

آج سائنس کے ترقی یافتہ زمانہ میں وگناں کی بخاراتی تھیوری Vaporograph Theory شائد اتنا وزن نہ رکھے۔ اور موجودہ آلات سے کفن کی تصاویر کی جو بہت باریک تحقیقات کی گئی ہے۔ اس

کے پیشِ نظر اس کی قدر و منزلت میں کمی آگئی ہو لیکن اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ اگر وگناں اور ڈی لاج کے مضامین سے اس قدر شور و غوغا نہ ہوتا تو آج یہ کفن گوشۂ گمنامی میں دفن ہو چکا ہوتا۔

وگناں اور تاریخ کفن

بیسویں صدی شروع ہو چکی تھی سائنس کے انکشافات دنیا کی شکل بدل رہے تھے۔ شاہی محلات میں موم بتیاں جلا کرتی تھیں۔ اب محلات تو کجا ایک غریب کی جھونپڑی بجلی کے قمقموں سے بقعۂ نور بن رہی تھی ریل گاڑی اور ہوائی جہاز نے فاصلوں کو سمیٹ لیا تھا۔ تاربرقی نے پیغامات بھجوانے کا ذمہ لے لیا۔ وہ پیغام جو ہفتوں اور مہینوں میں پہنچتا اب گھنٹوں اور منٹوں میں پہونچنے لگا۔ علم طب میں ایسے حیرت انگیز انکشافات ہونے شروع ہو گئے کہ جو قبل ازیں وہم و گمان میں بھی نہ تھے۔ جراثیم کی تھیوری معرض وجود میں آ گئی۔ ٹیکہ لگانا ایجاد ہوا جس سے فوری طور پر کچھ عرصہ کے لئے انسانی جان بچانا ممکن ہو گیا۔ بے ہوش کرنے والی ادویات ایجاد ہو گئیں۔ جس سے عمل جراحی میں انقلاب آ گیا۔ اور مریض بغیر کسی تکلیف کے بڑے سے بڑے اپریشن میں سے گزر سکتا تھا۔ ایکسرے ایجاد ہوا جس سے جسم کے اندرونی حصوں کا حال اس طرح معلوم ہونا شروع ہوا۔ جیسے کہ عام کیمرے کی تصویر سے کسی کی شکل و شباہت معلوم ہو جاتی ہے۔ بالائے بنفشی شعاعیں ایجاد ہوئیں۔ اور کئی امراض کا علاج بنیں۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ علوم بڑی تیزی سے منزلوں پر منزلیں طے کر رہے تھے۔ سائنس دان صرف اس چیز کو تسلیم

کرنے کے لئے تیار تھے جو ان کی لیبارٹری میں ثابت ہو جائے۔ یہی وہ زمانہ تھا جبکہ پال وگناں نے ردائے کفن پر اپنی تحقیق پیش کی۔ جیسے اس کے ساتھی ایوز ڈی لاج نے اکیڈیمی آف سائنسز میں پڑھ کر سنایا جسے سنکر علمی دنیا سناٹے میں آگئی۔ ڈی لاج غریب پر اس طور سے تنقید ہوئی کہ اسے معذرت آمیز رویہ اختیار کرنا پڑا۔ وہ دہریہ تھا اس نے یہی سوچا کہ بھڑوں کے اس چھتے کو چھیڑنے سے کیا حاصل۔ خیریت اسی میں ہے کہ اسے ترک ہی کر دیا جائے لیکن پال وگناں کو تو اس کی دھن لگ چکی تھی۔ وہ اسے چھوڑنے کے لئے تیار نہ ہوا۔ اور اپنی تحقیق جاری رکھی۔ اور اپنے تجربات کو ختم نہ کیا۔

اس نے اپنی مشہور عالم کتاب "کفن مسیح" The Shroud of Christ میں اس کی تفصیلات بیان کی ہیں۔ لیکن تاریخی لحاظ سے اس نے اس بارے میں بڑی دلچسپ تحقیق کی ہے۔ ہم نے اس کتاب کا بغور مطالعہ کیا ہے۔ اور یہ حصہ ایسا ہے جس کا خلاصہ ہمارے قارئین کے لئے بڑی دلچسپی کا باعث ہوگا۔ اور اسی وجہ سے ہم اس باب میں اسی کا ذکر کر رہے ہیں۔

وگناں لکھتا ہے کہ اس کفن کی تاریخ ہی اس کے غیر حقیقی سمجھے جانے کا سب سے بڑا سبب بنی ہوئی ہے۔ اور ہم مجبور ہیں کہ اس کی حقیقت کو تسلیم کریں۔ چودھویں صدی عیسوی سے قبل اس کی تاریخ بہت شاذ ملتی ہے۔ اور ہماری پوری کوشش ہے کہ اس کے ٹکڑے اگر فراہم ہو سکیں تو ضرور

اکٹھے کریں۔ ۱۲۰۰ء سے قبل اور اس کے بعد ۱۲۰۵ء سے لے کر ۱۳۰۵ء تک اگر اس کے شواہد نہ مل سکے۔ تو پھر تاریخی طور پر اس کی حیثیت بُری طرح مجروح ہو جائے گی۔ اور محض سائنٹیفک ثبوتوں پر انحصار کرنا ہوگا۔

شیوالیر جو وگنان کا ہمعصر تھا اور تاریخ عیسائیت کی مشہور عالم ہستی تھی اس نے اپنے مضامین کے ذریعہ پورا زور لگایا کہ اس چادر کو جعلی اور فراڈ ثابت کیا جائے۔ اور جی بھر کے اس موضوع کے خلاف لکھا اور اسی مشہور مورخ کے مضامین سے لوگ کثرت سے اس کپڑے کو حقیقی تسلیم کرنے سے ہچکچانے لگے۔

اس تبرک کو جسے آج ہم "کفن تورین" کے نام سے پکارتے ہیں اس کی تاریخ ۱۳۵۳ء سے مسلسل چلی آرہی ہے۔ جبکہ یوفا اول نے جو شارنی اور لیری کا نواب تھا اسے اسقف لیری کو پیش کیا تھا۔ لیری کا قصبہ مشہور شہر ٹرائے کی ایک مضافاتی بستی تھی۔ یوفا اول پکارڈی کا بھی گورنر تھا۔ ۱۳۴۶ء میں یہ ہمبرٹ ثانی کے ہمراہ صلیبی جنگ میں شریک ہوا۔ لیکن اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ قسطنطنیہ سے یہ تبرک اپنے ہمراہ بھی لایا تھا ۱۳۵۵ء میں یہی نواب شاہ فرانس جان ثانی John II, کے ساتھ جنگ پواتی میں شامل ہوا۔ اور بادشاہ کا علم بردار تھا۔ اور یہ اسی جنگ میں قتل ہوا۔

وگناں کی رائے میں چونکہ نواب یوفا کسی موقعہ پر بھی اس امر کا اظہار نہیں کرتا کہ یہ تبرک اس کے پاس کہاں سے آیا۔ اس لئے ۱۳۵۳ء سے

قبل اسں کی تاریخ کا دستیاب ہونا قریباً ناممکن ہے۔ خاندانِ شارنی کی روایات کے مطابق یہ تبرک محض مالِ غنیمت تھا۔ یا یوں سمجھ لیں کہ یہ ان انعامات کا حصہ تھا جو اسے جرأت اور بہادری کے صلہ میں ملے تھے۔ وگناں بعض مورخین کا ذکر کرتا ہے مثلاً "میلے Mely جو اس خط کا حوالہ دیتا ہے جس پر بارہ اسقفوں نے دستخط کئے تھے اور اس میں بعض تبرکات کا ذکر کیا ہے لیکن ان تبرکات میں اس رداءِ کفن کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ میلے یہ ذکر نہیں کرتا کہ ۱۳۵۵ء میں یہ تبرک خاندان شارنی کے قبضہ میں تھا۔ اور ۱۳۸۹ء تک انہی کے قبضہ میں رہا۔ پھر ایک اور بات کا بھی ذکر آتا ہے کہ ثواب کے لئے دعائے مغفرت کا جو اجتماع ہوتا تھا۔ اس کے بارے میں بھی جو دستاویزات ملتی ہیں۔ ان میں بھی اس چادر کا کہیں ذکر نہیں۔ محض یہ ذکر کیا گیا ہے کہ جناب نواب صاحب گرجے کے بہت عظیم خیرخواہ تھے۔ نواب کے اس طرز عمل سے نہ تو کچھ پتہ چلتا ہے۔ اور نہ ثابت ہوتا ہے کہ کیوں اور کس وجہ سے اس اہم تبرک کا تذکرہ نہیں کیا گیا۔ اور اسے عمداً نظرانداز کیا گیا۔ ہمیں مجبوراً یہ فرض ہی کرنا ہوگا کہ نواب چاہتا تھا کہ یہ ذکر ہی نہ کیا جائے کہ یہ تبرک اس کے قبضہ میں ہے یا اس کے پاس کیسے آیا لیکن اس کی کوئی اہم وجہ ضرور رہی ہوگی۔ کہ یہ معاملہ اس قدر مخفی رکھا گیا۔

وگناں لکھتا ہے کہ یہاں یہ سوال بھی تو پیدا ہوتا ہے کہ ۱۳۵۳ء میں اس تبرک کا نہیں تو کیا کسی اور تبرک کا ذکر ملتا ہے؟ اس سلسلہ میں بعض دستاویزات ملتی ہیں۔ جن کی کڑیاں ۱۳۶۰ء تک چلی جاتی ہیں۔ ایک رومال

Sudarium یا منہ پونچھنے کے کپڑے کا تذکرہ ملتا ہے جس کے بارہ میں کہا جاتا ہے کہ یہ حضرت مسیح کی وفات کے بعد آپ کے سر اور چہرہ کے گرد باندھا گیا تھا۔ بعض تحریرات میں لفظ Sindon یعنی رداءِ کفن استعمال ہوا ہے۔ اور بعض میں محض کپڑا ہی استعمال ہوا ملتا ہے۔

گیارہویں صدی کے بعض زائرین نے یہ تذکرہ کیا ہے کہ بازنطینی شہنشاہ کے پاس حضرت مسیح کی رداءِ کفن موجود ہے۔ ۱۱۵۰ء میں ایک انگریز زائر بھی اس بارہ میں تذکرہ کرتا ہے۔ اسی طرح ۱۱۷۱ء میں ولیم آف طائر William of Tyre بھی ایک چادر کفن کا ذکر کرتا ہے اب آپ ذرا ملاحظہ فرمائیں کہ ۱۲۵۰ء سے لے کر ۱۲۷۱ء تک یعنی اکیس برس میں محض ایک رومال یا تولیہ رداءِ کفن بن جاتا ہے۔ یہی ایک وجہ ہے ان قدیم راویوں کی روایتیں اتنی قابلِ اعتبار نہیں۔ ۱۲۰۳ء میں ایک اہم شہادت ملتی ہے جو ایک مشہور مورخ رابرٹ قلاری Robert de Clari کی ہے۔ اس کا ذکر موجودہ زمانہ کے مورخ شیوالیر نے بھی کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ :-

"منجملہ اور خانقاہوں کے ایک خانقاہ "ہماری خاتون مریم بلاشیرنی" تھی جس میں یہ کپڑا رکھا ہوا تھا۔ اور اس میں ہمارے خداوند کو لپیٹا گیا۔ جس کو اگر کھڑے ہو کر دیکھا جائے تو اس پر ہمارے خداوند کی شبیہ نظر آتی ہے۔ اس وقت سے نہ تو کسی یونانی اور

نہ کسی فرانسیسی کو علم ہے کہ جب شہر پہ قبضہ ہوا، تو یہ تبرک کہاں غائب ہو گیا۔"

یہ شہادت بہت اہم معلوم ہوتی ہے۔ یعنی ۱۲۰۰ء میں قسطنطنیہ کے شاہی گرجے میں ایک ردائے کفن محفوظ تھی (یہ محض رومال یا تولیہ نہ تھی) اس کپڑے پر حضرت مسیح کی شبیہہ مبارک نظر آتی تھی۔ اور اگر ہم یہ فرض کر لیں کہ یہ قسطنطنیہ کی چادر اور تورین کی چادر ایک ہی ہے۔ اور اگر یہ ایک دیوار کے ساتھ لٹکا دی جائے۔ تو ہمیں بہرحال کھڑے ہو کر اس کو دیکھنا ہو گا کہ حضرت مسیح کا چہرہ مبارک وضاحت سے دیکھا جا سکے کیونکہ تصویر کے پیر تو زمین کے اوپر ہی ہوں گے۔ ۱۲۰۵ء میں جب لاطینیوں نے قسطنطنیہ کو تاخت و تاراج کیا تو اس کے بعد یہ ردائے کفن ایسی غائب ہوئی کہ اس کا کسی کو اتہ پتہ ہی نہ مل سکا۔

یہاں ڈاکٹر وگناں ایک اور مفروضہ پیش کرتے ہیں۔ جو ایک مشہور دینی زادہ نما سولارو Solaro نے پیش کیا ہے۔ ان کا قیاس ہے۔ کہ صلیبیوں نے قسطنطنیہ کا شہر تاخت و تاراج تو کیا مگر "خاتون مریم بلاشیرنی" کے گرجے کے تقدس کو پامال نہ ہونے دیا۔ اس کی پوری پوری حفاظت کی اس مہم میں اسقف ڈرائے جس کا نام غانیا Garnier تھا وہ بھی ہمراہ تھا۔ شاہی گرجے میں جس قدر تبرکات تھے وہ اسی اسقف کے سپرد کئے گئے تھے۔ اور انہیں ان سب کی ذمہ داری سونپی گئی تھی اور اس معاملہ میں پوری طرح با اختیار تھا۔ ان میں سے اکثر تو اس نے یورپ بھجوا دیئے جن کی فہرست

محفوظ ہے۔ مگر یہ عجیب بات ہے کہ ان تبرکات میں اس مقدس کفن کا کہیں ذکر نہیں سولا رد کا قیاس ہے کہ یہ مقدس چادر اس قدر گراں بہا تھی کہ اسقف اعظم نے یہ بیش قیمت تبرک کسی کے سپرد کرنا مناسب نہ سمجھا اور اسے خود اپنے پاس ہی محفوظ کیا تاکہ اسے سفر میں اپنے پاس رکھے۔ اور وہ اسے خود اپنے ہمراہ لے کر جائے۔ لیکن قسمت یہاں پر مار گئی اور ۱۲۰۵ء میں اسقف کو موت نے قسطنطنیہ میں آن لیا۔ اب یہاں ایک اور اہم سوال ذہن میں ابھرتا ہے کہ آخر اس مقدس چادر کا پھر ہوا کیا۔ ایک قیاس یہ بھی ہے کہ یہ اسقف کے کسی ماتحت نے محفوظ کر لیا۔ ان افراد کی فہرست بھی بالکل محفوظ ہے۔ اور ان میں سے اکثر شامپاں Champagne کے باشندے تھے۔ اور ایک تو نواب شارنی کا قریبی عزیز تھا اور غالباً یوں یہ ردائے کفن پُراسرار ذرائع سے اس نواب کے خاندان کی ملکیت بنی۔ لیکن یہ سارا قصہ محض امکان ہے جس کا بظاہر کوئی ثبوت مہیا نہیں۔

ہم نے گزشتہ صفحات میں فرانس کے ایک مشہور مورخ شیوالیر کا ذکر کیا ہے جس کے مضامین کا ان دنوں بڑا شہرہ تھا۔ اور یہی وہ شخصیت تھی جس نے ڈی لاج جیسے سائنسدان کا ناطقہ بند کر دیا تھا۔ اس نے بھی اس مفروضہ پر یہی اعتراض کیا کہ یہ بات ناقابلِ فہم ہے کہ اسقف ٹرائے نے یہ نادر روزگار تبرک اپنے گرجا کو تو نہ دیا۔ بلکہ ایک گمنام نواب کے خاندان کے سپرد کر دیا۔ قسطنطنیہ سے یہ تبرک یورپ تو آ گیا۔ لیکن اس کی اصلیت اور حقیقت کی کوئی سند ساتھ نہ آئی۔ ستم بالائے ستم یہ کہ جب یہ یورپ پہنچا۔ تو پوری ڈیڑھ صدی

گوشۂ گمنامی میں پڑا رہا۔ اس کے کہیں دیدار ہوئے نہ ہی کہیں زیارت ہوئی۔

یہ اعتراضات بہت وزنی ہیں لیکن شیوالیر کے ان اعتراضات میں اسقف کی موت کا کہیں ذکر نہیں۔ اس کی موت ہی اس اعتراض کا جواب بن گئی ہے۔ یہ عین ممکن ہے کہ اس کی موت کے بعد یہ گراں قیمت تبرک اسقف کے کسی عزیز کے پاس پُر اسرار طریق سے پہنچ گیا ہو۔ اور اس نے مصلحتاً اسے پردۂ اخفا میں رکھنا ہی مناسب سمجھا ہو۔

اب آگے چلئے یہ وہ زمانہ ہے کہ جب سے اس چادر کی تاریخ کا تسلسل نہیں ٹوٹتا۔ یعنی یہ ۱۳۵۳ء کے بعد کا زمانہ ہے جبکہ ہنری پواتی اسقف ٹرائے اس مقدس چادر کی اصلیت اور حقیقت پر معترض اور چیں بہ جبیں ہے۔ ان ایّام شامپاں کا علاقہ جنگ و جدل اور فتنہ و فساد کا گھر تھا۔ اور انہی دنوں یہ مقدس چادر خاندان شارنی کی تحویل میں تھی۔ جنہوں نے اسے دریائے ڈوب Doub کے کنارے سینٹ ہپولائٹ St. Hipolyte کے گرجے میں محفوظ کیا ہوا تھا

۱۳۸۹ء میں ایک دفعہ پھر اسے زیارت کے لئے پیش کیا گیا۔ مگر پوپ کے احکامات کے تحت اس کی مناہی کر دی گئی۔ اس کے کچھ عرصہ کے بعد ٹرائے کا نیا اسقف پیئری دارسی منظر عام پر آتا ہے۔ یہ پہلے اسقف یعنی ہنری پواتی کا تیسری پیڑھی کا جانشین ہے۔ اور اسی کے زمانہ میں لیری کے پادری صاحبان کو اخراج از عیسائیت کی دھمکیاں دی گئیں۔ پوپ کلیمنٹ کی خدمت میں مقدمہ پیش کیا گیا۔ ایک فریق نواب یوفا ثانی جو کنیسہ لیری اور خاندان شارنی کی

کی نمائندگی کر رہا تھا اور دوسری جانب اسقف ٹرائے تھا، شیوالیر نے اس بارہ میں یہی لکھا ہے کہ :۔

"بشپ نے اس بارہ میں اپنی شکست تسلیم نہ کی ۔ مقدمہ اگرچہ وہ ہار چکا تھا ۔ لیکن اس کے باوجود اس نے نامور علماء کا ایک کمیشن مقرر کیا ۔ اور سارے مسئلہ کی تحقیق کروائی جس نے یہ فیصلہ کیا کہ یہ کپڑا حضرت مسیح کی حقیقی ردائے کفن نہیں اور اس پر جو تصویر بنی ہے وہ خود ساختہ ہے اور انسانی صنعت ہے اور اگر اس کی نمائش کی اجازت دی گئی ۔ تو سادہ لوح عوام کے گمراہ ہونے اور شرک میں ملوث ہونے کا خطرہ مول لینا ہے"۔

یہ یادداشت جناب پوپ کی خدمت میں ۱۳۸۹ء کے لگ بھگ پیش کی گئی تھی ۔ اس کے بارے میں شیوالیر لکھتا ہے کہ یہ فتویٰ سارا مسئلہ حل کر دیتا ہے اور اس کی رو سے یہ کپڑا حقیقی نہیں جعلی ہے ۔ انسانی ہاتھ کی کاریگری ہے ۔ ۱۳۸۹ء میں یہ بشپ دعوے کرتا ہے کہ ۱۳۵۳ء میں اس کے پیشرو بشپ نے اس کی تحقیقات کروائی ۔ یہاں تک کہ اس جعل ساز سے یہ تصدیق کروا دی کہ جس نے یہ دھوکہ بازی کی تھی ۔

اب یہاں ڈاکٹر وگناں کو اعتراض ہے ۔ اور وہ یکطرفہ فیصلہ تسلیم کرنے کو تیار نہیں ۔ خواہ یہ اس فرضی جعل ساز کی تصدیق ہی کیوں نہ ہو ۔ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ یہ تصویر ہی قدرتی عوامل سے بنی ہے اور انسانی ہاتھ کا اس میں دخل نہیں تو پھر حقیقت عیاں ہو جاتی ہے ۔ اور جعل ساز کی جعل سازی اور

اس کے جھوٹ کا پول کھل جاتا ہے۔ اور اس قسم کی تصویر تو انسانی ہاتھ بنا سکتا ہی نہیں۔ تو پھر اس جعل ساز مصور نے اسے کیسے بنا لیا۔ اگر یہ انسانی دستکاری نہیں تو پھر یہ لازمی بات ہے کہ یہ کفن حقیقی ہے۔ اور حضرت مسیح علیہ السلام صلیب سے اترنے کے بعد اسی میں لپیٹے گئے۔

کنیسہ لیری اور خاندان شارنی نے اگر اس قسم کے جعلی تبرکات سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی تھی تو بلاشبہ یہ قابل تفریق ہے اور قابل تعزیر ہے۔ اور اخراج از عیسائیت کی سزا تو بہت معمولی ہے۔ اگر اس سے بھی سخت سزا دی جاتی تو جائے اعتراض نہ تھی۔ لیکن واقعات یہی ہیں اور جناب پوپ نے بھی اس معاملہ کو اتنا سنگین نہیں گردانا۔ اور بڑا نرم رویہ رکھا۔ اور فیصلہ کیا کہ :۔

"نمائش کی اجازت تو ہے بشرطیکہ یہ اعلان کیا جائے کہ یہ اصل کی نقل ہے۔"

ڈاکٹر دگنال اب فیصلہ قارئین پر چھوڑتے ہیں۔ لیکن ان کے نزدیک یہ فیصلہ دانشمندانہ تھا۔ ان کے نزدیک پوپ کے اس فیصلہ کی یہی وجہ تھی کہ اس ردائے کفن کی پرانی تاریخ کا سراغ نہیں ملتا۔

دگنال یہاں پر ایک اور دلیل پیش کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اگر ٹرائے کے بشپ کے پاس جعل سازی کی کوئی تحریری تصدیق موجود ہوتی تو وہ یقیناً پوپ کی خدمت میں پیش کرتا۔ وہ محض اپنی ہی تحقیقات پیش کرنے پر اکتفا کرتا ہے۔ اگر وہ یہ تحریر پیش کر دیتا تو یقیناً اس کا کیس بہت مضبوط ہوتا۔ لیکن اس

تحریر کی عدم موجودگی ہی اس کیس کی سب سے بڑی کمزوری ہے۔

۱۴۸۳ء میں یہ مقدس کپڑا نواب یوفا کے داماد اور خاندان شارنی کے جانشین نواب ہمبرٹ کے سپرد کر دیا گیا۔ جو نواب لاروش اور نواب ولر سیکسل ویلری Viller Sexel and Lirey کے نام سے مشہور تھا۔ اس کے بعد اس کی بیگم مارگریٹ کے قبضہ میں آیا اور باوجود کوشش کے اس نے یہ مقدس تبرک اپنے ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ اور مزید الجھنوں اور جھگڑوں کے پیش نظر اسے نواب ساوا کے سپرد کر دیا۔ اور رفتہ رفتہ اس کفن کے بارہ میں مذہبی دنیا میں جو شکوک و شبہات تھے وہ ختم ہو گئے یا بھولے بسرے ہو گئے اور یوں ایک بار پھر اس کی عزت اور وقار قائم ہو گیا۔ ۱۱ جون ۱۵۰۲ء کو یہ بیش بہا تبرک قلعہ شامبری کے خوبصورت گرجے میں محفوظ کر دیا گیا اور ۱۵۳۲ء تک یہ یہاں رہا۔ اسی سال گرجے میں ایک خوفناک آگ بھڑک اٹھی اور یہ جھلس بھی گیا۔ لیکن مخلصین نے جان پر کھیل کر اسے بچا لیا۔ دو برس کے بعد چند مقدس راہبات نے اس کی مرمت کی اور ۱۵۷۸ء میں تورین کے موجودہ گرجے میں منتقل ہو گیا جہاں یہ آج تک محفوظ چلا آرہا ہے۔

ڈاکٹر وگناں ایک کیتھولک عیسائی ہے۔ لیکن سائنسدان بھی ہے اس لئے وہ مذہبی خیالات کے ساتھ ساتھ سائنٹیفک تجربات پر بھی انحصار کرتا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ مقدس کفن تورین جو پہلے کفن لیری کے نام سے موسوم تھا۔ جس کی سابقہ تاریخی حیثیت مجروح ہے آج ہمارے سامنے سائنٹیفک تجربات کی روشنی میں حقیقی ثابت ہو چکا ہے۔ اس کی سلوٹیں اس کی تاریخ بیان کر رہی

ہیں۔ اس تصویر کے نشانات پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ یہ کفن حقیقی ہے۔ اتنے ڈھیر سارے سائنٹیفک شواہد کی موجودگی میں ہم اسے جعلی کس طرح کہہ سکتے ہیں۔ اب یہ محض مفروضہ نہیں رہا کہ اس کپڑے پر جو تصویر بنی ہے یہ منفی تصویر ہے بلکہ وگنال لکھتا ہے کہ ہم یہ ثابت کریں گے۔ کہ یہ انسانی ہاتھ کی دستکاری ہی نہیں بلکہ یہ تصویر قدرتی عوامل سے بنی ہے۔ اور مسیح کے مقدس جسم پر زخموں کے نشان بھی کسی مصور کے موئے قلم کا شاہکار نہیں۔ بلکہ یہ آپ کے مقدس جسم سے نکلا ہوا حقیقی خون ہے۔ وگنال بڑے وثوق سے یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس کا یہ مقالہ مفروضوں کا ڈھیر نہیں بلکہ منطقی اور سائنٹیفک تجربات کا نچوڑ ہے اور وہ اس یقین پر قائم ہے کہ وہ وقت دور نہیں کہ جس رنگ میں اس کی تاریخی تحقیقات پر عرق ریزی کی جا رہی ہے اس سے تاریخی شواہد بھی مل جائیں گے۔ اور یہ ثابت ہو جائے گا کہ یہ وہی حقیقی چادر ہے جس میں حضرت مسیح علیہ السلام کا جسد مقدس صلیب سے اتارنے کے بعد لپیٹا گیا۔

حضرت مسیح صلیب پر فوت نہیں ہوئے

گزشتہ صفحات میں آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ بعض بڑے بڑے علمائُ نے یہ اعتراضات اٹھائے ہیں کہ یہ کفن وہ کفن نہیں کہ جس میں حضرت مسیح صلیب پر سے اتارے جانے کے بعد لپیٹے گئے تھے۔ کفن پر آپ کی جو شبیہہ مبارک ابھری ہے۔ وہ حقیقی نہیں بلکہ کسی مصور کی ذہنی اپج کا شاہکار ہے۔ یہ خون کے دھبے بھی اس کے موئے قلم کا نتیجہ ہیں۔ اور یہ خوش فہم اور خوش عقیدہ لوگوں کی محض ذہنی تسکین کا سامان ہے۔ وگرنہ حقیقت سے اسے کوئی واسطہ نہیں۔ اس قسم کے تبرکات دنیا میں اکثر مذاہب کے پیروکاران نے بنا لئے ہیں جو سادہ لوح لوگوں کے لئے خوش عقیدگی کا سامان مہیا کرتے ہیں۔ کچھ لوگوں نے اپنے راہنماؤں کے بال سنبھالے۔ کچھ نے دانتوں کو سنبھالا۔ کچھ نے ناخن سنبھالے بعض نے کپڑوں کو محفوظ کیا۔ اور بعض نے جوتیاں سنبھال لیں۔ غرضکہ مذہبی جذبات کی تسکین کے لئے یہ چیزیں بنیاد بن گئیں۔ مذہبی لحاظ سے انسان بہت جذباتی ہے۔ فوراً اس قسم کی چیزوں پر بلا دلیل بھی ایمان لے آتا ہے۔ اور اس کے ساتھ مافوق الفطرت روایات منسلک کر کے خوش ہوتا ہے بعض لوگ اس قسم کی روایات بنا لیتے ہیں کہ جناب پہاڑ گرنے لگا تھا ہمارے راہنما نے ہاتھ دے کر اسے روک لیا۔ اور سینکڑوں برس گزرنے کے بعد آج بھی وہ ہاتھ اس پہاڑ پر نمایاں ہے۔ بعض اس قسم کی روایات بھی ملتی ہیں کہ مذہبی راہنما

کا پیارا عزیز فوت ہونے لگا تو ایک بوٹی سورج نکلنے سے پہلے سونگھانی تھی جس سے وہ عزیز زندہ ہو جاتا۔ وہ بوٹی حاصل کر لی گئی مگر سورج نکلنے لگا۔ ان صاحب نے بوٹی تو اپنے ساتھی کو دی کہ وہ بھاگم بھاگ مریض یا مردہ تک پہنچے اور وہ سورج کو پکڑ کر بیٹھے رہے۔ یہاں تک کہ بوٹی مریض کو سونگھائی گئی۔ وہ زندہ ہو گیا۔ تب بے چارا سورج چھوڑا گیا۔ یہ روایات پرانی قوموں کی نہیں۔ بلکہ آج بیسویں صدی میں اس قسم کی باتوں کے ماننے والے ہزاروں نہیں لاکھوں کی تعداد میں موجود ہیں۔

کفن تو ایک حقیقت ہے اور تاریخی طور پر یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ہے۔ کہ یہ حضرت مسیح کے زمانہ کا ہی ہے۔ اس قسم کے کپڑے جو اس زمانہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ پومپی آئی کی کھدائی کے وقت دریافت ہوئے ہیں۔ اس کی بُنتی بھی وہی ہے جو اس زمانہ کے کپڑوں کی ہوا کرتی تھی۔

اس پر حضرت مسیح کی جو تصویر بنی ہے اسے دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ یہ مثبت نہیں منفی ہے۔ ایک مصور جب کسی کپڑے پر تصویر کشی کرتا ہے تو جو رنگ وہ استعمال کرتا ہے۔ وہ کپڑوں پر لگتے ہیں اور اس کے دھاگوں کو ڈھانپ لیتے ہیں۔ اور کپڑا ان رنگوں یا اس روغن کے نیچے چھپ جاتا ہے۔ لیکن ماہرین نے اس کپڑے کو خوردبین سے دیکھنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن انہیں اس قسم کی کوئی چیز نظر نہیں آئی۔ ان دھاگوں پر جو تصویر بنی ہے۔ وہ کپڑے کے ایک طرف بنی ہے۔ اور بعینہٖ اسی قسم کی تصویر کپڑے کے دوسری طرف بھی نظر آتی ہے اور تاریخی طور پر چودھویں صدی کی اس قسم کی کوئی

تصویر موجود نہیں۔ بلکہ اس کے بعد بھی اس قسم کی مصوری کی کوئی مثال نہیں ملتی۔

اگر اسے ایک اور پہلو سے دیکھا جائے تو پتہ چلے گا کہ انسان خواہ کتنا ہی باریک کام کرے تصویر کا خاکہ ضرور بنائے گا۔ اس میں شیڈ بھی دے گا۔ اس میں آنکھ تو دھوکا کھا سکتی ہے۔ لیکن خوردبین کو دھوکا نہیں دیا جا سکتا۔ اور آپ جب اس کفن کی تصویر کو ملاحظہ فرمائیں۔ تو اس میں نہ کوئی خاکہ بنا ہوا نظر آتا ہے۔ اور نہ ہی کوئی شیڈ دیا ہوا نظر آتا ہے۔ تصویر کے کنارے دھاگوں میں گم ہو جاتے ہیں۔ اور یہ معلوم کرنا مشکل نہیں بلکہ ناممکن ہے کہ رنگ کہاں سے شروع ہوا اور کہاں ختم ہو گیا۔ یہ صرف قدرت کا کھیل اور اسی کی کارگزاری معلوم ہوتی ہے۔ جسے انسانی ہاتھوں کا کارنامہ ہرگز نہیں کہا جا سکتا۔

اس کا ایک اور پہلو بھی اہم اور نمایاں ہے۔ اس کفن کی تاریخ چودھویں صدی میں فرانس سے شروع ہوتی ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے جبکہ فرانس میں علم طب اس قدر ترقی یافتہ نہ تھا۔ دوران خون تک کا تو لوگوں کو علم نہ تھا۔ لیکن اس کفن پر جو تصویر بنی ہے۔ اور اس پر جو لہو کے داغ ہیں وہ اس قدر صحیح ہیں کہ غلطی کا شائبہ بھی نظر نہیں آتا۔ جسمانی تناسب اور اس کی تفصیلات بالکل صحیح ہیں۔ زخموں سے خون کا بہاؤ بالکل درست ہے۔ خون کے خشک ہونے کا طریق بالکل متناسب ہے۔ یعنی کناروں پر سرخ مادہ نسبتاً موٹا ہے۔ اور بیچ میں کچھ پتلا۔ مقصد کہنے کا یہ ہے

کہ چودھویں صدی میں طب کی یہ باریکیاں فرانسیسی کب جانتے تھے۔ سائنس ابھی اتنی ترقی یافتہ نہ تھی۔ انسان وہ چیز ابھی دیکھنے کے قابل نہیں ہوا تھا جو خوردبین دیکھ سکتی ہے۔ خوردبین ابھی ایجاد ہی نہیں ہوئی تھی۔

ردائے کفن کو حقیقی ثابت کرنیکے لئے سب سے وزنی ثبوت یہ ہے کہ جو شکل اس پر بنی ہے۔ وہ روشنی اور سایہ کے لحاظ سے الٹ ہے بالکل ایسے ہی جیسے ہم فوٹوگرافی کی کسی منفی پلیٹ کو دیکھتے ہیں۔ اگر اس کی کیمرے سے تصویر لی جائے تو یہ تصویر مثبت یعنی positive بن جائے گی۔ جو ہم روزمرہ اپنی زندگی میں اپنی تصویروں کو دیکھتے ہیں۔ ممکن ہے کوئی انسانی ہاتھ اس قسم کی بھدی سی کوئی منفی تصویر تیار کر ہی لے۔ لیکن چہرے پر اظہار جذبات کی تصویر کشی انسانی ہاتھ سے بالا ہے۔ کہ وہ اسے منفی تصویر پر نمایاں کر دے۔ جو اس چند گز کپڑے پر حضرت مسیح علیہ السلام کے چہرہ پر نظر آتے ہیں۔ آج جبکہ فوٹوگرافی کی ایجاد نے عجائبات پیدا کر دیئے ہیں۔ اور کوئی اس قسم کی negative نہیں بنا سکتا تو چودھویں صدی کے انسان کے لئے یہ کیسے ممکن ہو گیا ہو گا۔ اس زمانہ میں فوٹوگرافی ایجاد نہ ہوئی تھی کہ اس کفن کی منفی تصویر لے کر اسے مثبت بنایا جاتا۔ اور یوں حضرت مسیح کی اصل شبیہہ نظر آ جاتی۔ اس لئے بظاہر اس قسم کی negative تصویر کشی کا کوئی مقصد بھی نظر نہیں آتا۔ اور اسی لئے یہ انسانی ہاتھ اور دماغ کا کام ہی معلوم نہیں ہوتا۔

اب آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ کفن حقیقی ہے اور اس میں جعل بازی

کی بظاہر کوئی صورت معلوم نہیں دیتی۔

بعض اچھے خاصے عالم اور پڑھے لکھے لوگ اسے مافوق الفطرت اور معجزاتی شے سمجھتے ہیں۔ جو خداوند مسیح اپنے پیچھے عیسائیوں کے لئے چھوڑ گئے تا لوگ آپ کی ان اذیتوں اور عقوبتوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ سکیں جو یہودیوں نے انہیں پہنچائیں۔ لیکن سائنسدانوں کے نزدیک اس منفی تصویر کی بھی ایک وجہ ہے۔ پیرس کے ڈاکٹر باربیٹ Dr. Barbet جو کیتھولک انسٹی ٹیوٹ کے پروفیسر آف بیالوجی تھے ان کا خیال ہے کہ وہ اس قسم کی تصویر کھینچ سکتے ہیں اگر انہیں دو چیزیں مہیا ہو جائیں۔ ایک ایسا کپڑا جو ایلوے کے پانی یا عرق میں بھگویا ہوا ہو۔ دوسرے ایک ایسا انسانی جسم جس سے بخارات امونیا تیزی سے خارج ہو رہے ہوں۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر کسی چیز پر ایلوے کا عرق لگا ہوا ور اس وقت اس پر امونیا کے بخارات لگیں تو وہ فوٹوگرافی پلیٹ کا کام دے گا۔ اور جو چیز بھی اس کے سامنے آئیگی۔ اس کی تصویر اس کپڑے پر ثبت ہو جائے گی۔

اگر یہ تھیوری درست ہے تو ہمارے خیال میں اس امر کا امکان بھی موجود ہے کہ حضرت مسیح کی ردائے کفن تو ایلوے کے عرق میں بھیگی ہوئی تھی اور امونیا کے بخارات ان چٹانوں سے بھی خارج ہوئے کہ جب حضرت مسیح کو صلیب سے اتارنے کے بعد زلزلہ آیا تھا۔ اور چٹانیں پھٹ گئی تھیں۔ انجیلوں سے ثابت ہے کہ حضرت مسیح کے صلیب سے اتارے جانے کے وقت زبردست زلزلہ آیا جس سے چٹانیں پھٹ گئیں جیسا کہ متی کی انجیل

باب ۲۷ آیت ۴۹ تا ۵۱ میں لکھا ہے کہ

"یسوع نے پھر بڑی آواز سے چلّا کر جان دے دی اور مقدس کا پردہ اوپر سے نیچے تک پھٹ کر دو ہوگیا اور زمین لرزی اور چٹانیں تڑک گئیں۔ اور قبریں کھل گئیں۔"

اسی طرح اس باب کی آیت ۵۴ میں لکھا ہے کہ

"پس صوبیدار جو اس کے ساتھ یسوع کی نگہبانی کرتے تھے۔ بھونچال اور تمام ماجرا دیکھ کر بہت ڈر کر کہنے لگے کہ بیشک یہ خدا کا بیٹا تھا۔"

یروشلم کے اردگرد ایسی چٹانیں موجود ہیں۔ جن کے پھٹنے سے ایمونیا گیس کے خارج ہونے کا امکان ہے۔ اور ان چٹانوں کے پھٹنے سے جب وہ گیس نکلی۔ تو فضا میں پھیل گئی۔ اور ممکن ہے کئی گھنٹے فضا میں تیرتی رہی ہو۔ اور اس نے کپڑے پر ردّ عمل کیا ہو۔ اور حضرت مسیح کی تصویر کپڑے پر ثبت ہوگئی۔ لیکن یہ محض تھیوری ہے۔ اگر یہ تجربہ کیا جاسکے تو ہمارا خیال ہے کہ یہ ثابت کی جاسکے گا۔

بعض سائنسدان یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت مسیح کے جسم سے نکلنے والے مادّہ سے یوریا نکلا جو کچھ دیر کے بعد ایمونیا کے بخارات خارج کرتا ہے اس سے کپڑے پر تصویر بن گئی۔

اس واقعہ کی تفصیل انجیل نویسوں نے یوں بیان کی ہے کہ حضرت مسیح کو صلیب پر سے اتارنے کے بعد سبت شروع ہو چکا تھا اور یہودی قانون کے مطابق تدفین کی سب رسومات ملتوی کرنا پڑیں اور چند عورتوں

نے جو گلیل سے آپ کے ساتھ آئی تھیں پیچھے پیچھے جا کر قبر کو دیکھا۔ اور یہ بھی کہ لاش کس طرح رکھی گئی اور واپس جا کر خوشبودار چیزیں اور عطر تیار کیا۔

یوحنا کی انجیل ۱۹: ۴۰ میں بھی کچھ اسی طرح کا بیان ہے لکھا ہے کہ

"پس انہوں نے یسوع کی لاش لے کر اسے سوتی کپڑے میں خوشبودار چیزوں کے ساتھ کفنایا جس طرح کہ یہودیوں میں دفن کرنے کا دستور ہے۔"

یہاں بھی یوحنا یہ نہیں لکھتا کہ وہ سب رسومات ادا کی گئیں۔ جو یہودی دفن کرنے سے پہلے ادا کرتے تھے۔ محض ۵۰ سیر کے قریب مُر اور عود ملا ہوا لایا گیا۔ اور اس کے ساتھ حضرت مسیح کو دفنایا گیا۔ اور باقی رسومات صرف اس وجہ سے ملتوی کر دی گئیں کہ سبت شروع ہو چکا تھا اور یہ تو فرض بھی نہیں کیا جا سکتا کہ آپ کو نہلایا گیا اور دیگر رسومات ادا کی گئیں۔ اس کا ایک اور ثبوت بھی انجیل سے ملتا ہے کہ اگر جمعہ کو آپ کو باقاعدہ تمام رسومات کے ساتھ ہی دفن کر دیا گیا تھا تو پھر اتوار کی صبح کو عورتیں خوشبودار مصالحے کس غرض کے لئے لے کر آئی تھیں۔

کفن کا یہ کپڑا سوا چودہ فٹ لمبا اور ساڑھے تین فٹ سے کچھ زیادہ یعنی ۳ فٹ ۷ انچ چوڑا ہے۔ اس کی نصف لمبائی پر آپ کو لٹایا گیا اور باقی نصف حصہ آپ کے سر پر سے لا کر پاؤں تک ڈھانپ دیا۔ یوسف

آرمیتیہ جو حضرت مسیح کا خفیہ شاگرد اور حواری تھا اس نے اسے اسی وقت خرید کیا تھا جیسے کہ مرقس کی انجیل ۱۵ : ۴۶ میں لکھا ہے کہ

"جب صوبیدار سے حال معلوم کر لیا تو لاش یوسف کو دے دی۔ اس نے ایک چادر مول لی اور لاش کو اتار کر اس چادر میں کفنایا۔"

اس کپڑے پر مُر اور ایلوا ملا کر چھڑک دیا گیا تھا اور اسے ایک تازی نئی بنی ہوئی قبر میں رکھ دیا۔ جیسا کہ متی ۲۷ : ۶۰ میں لکھا ہے کہ

"یوسف نے لاش لے کر صاف مہین چادر میں لپیٹا اور اپنی نئی قبر جو اس نے چٹان میں کھدائی تھی رکھا۔"

اسی طرح یوحنا ۱۹ : ۴۲ میں لکھا ہے کہ

"پس انہوں نے یہودیوں کی تیاری کے دن کے باعث یسوع کو وہیں رکھ دیا کیونکہ قبر نزدیک تھی۔"

ان سب امور سے یہی پتہ چلتا ہے کہ حضرت مسیح کو عارضی طور پر دفنایا گیا تھا کیونکہ سبت شروع ہو چکا تھا اس لئے یہودی قانون کی رو سے تدفین کی رسوم ادا نہ کی گئیں۔ لیکن بعض اور شواہد بھی تو ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت مسیح تا حال زندہ تھے۔ لیکن مصلحتوں کی بناء پر اسے انتہائی مخفی رکھا گیا۔ اس کفن سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ یوسف آرمیتیہ حکیم نقودیمس۔ لوقا جسے حضرت مسیح نے پیارا حکیم کر کے بھی پکارا ہے اور بعض دوسرے حواری یہ سمجھتے تھے کہ آپ ابھی زندہ ہیں۔ اور مشہور یہی کیا گیا کہ آپ فوت ہو گئے ہیں تاکہ یہودی اور

رومن حکومت والے اسی گمان میں رہیں کہ ان کا مقصد پورا ہو گیا ہے اور انہوں نے اپنے ملزم کو پھانسی چڑھا کر موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔ یہی ایک شہادت نہیں بلکہ بعض اور شہادتیں بھی اس امر کا ثبوت مہیا کرتی ہیں۔

پہلی شہادت تو پیلاطوس کا اظہار تعجب ہے کہ کیا مسیح اتنی جلدی مر گیا۔ جیسا کہ مرقس ۱۵: ۴۳ میں لکھا ہے کہ

"آرمیتیہ کا رہنے والا یوسف آیا جو عزت دار مشیر اور خود بھی خدا کی بادشاہی کا منتظر تھا۔ اس نے جرأت سے پیلاطوس کے پاس جا کر یسوع کی لاش مانگی۔ اور پیلاطوس نے تعجب کیا کہ وہ ایسا جلد مر گیا۔"

رومن اپنے ملزموں کو موت کے گھاٹ اتارنے میں بڑے ماہر تھے۔ وہ خوب جانتے تھے کہ ایک مصلوب کتنی دیر میں جان دیتا ہے اس لئے عام طور پر ایک ملزم کو تین دن تک صلیب پر رکھا جاتا تھا۔ اور اس قدر طویل اذیت کے ساتھ بھوک پیاس سے نڈھال ہو کر آخر مر جاتا تھا۔ لیکن حضرت مسیح کو تو ۳-۴ گھنٹوں سے زیادہ صلیب پر رکھا ہی نہیں گیا۔ کجا بہتر گھنٹے اور کجا ۳-۴ گھنٹے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح کے مرنے کا امکان بہت کم ہے حضرت مسیح کو قریباً ۲ بجے صلیب پر لٹکایا گیا۔ اور چھ بجے سے قبل اتار لیا گیا۔

دوسری شہادت یہ ہے کہ صلیب پر سے اتارنے کے بعد قاعدہ کے مطابق ملزم کی ہڈیاں توڑی جاتی تھیں تاکہ اس کی موت یقینی ہو جائے۔ لیکن خدا کی حکمتیں عجیب ہیں۔ چونکہ حضرت مسیح کی دعاؤں کو شرف قبولیت بخشنا تھا۔ آپکو

یعنی موت سے بچاتا تھا اسلئے آپ کی ہڈیاں بھی نہ توڑی گئیں۔

پس صرف ان دو وجوہات کی بناء پر ہی کہا جا سکتا ہے کہ آپ صلیب سے اتارے جانے کے وقت زندہ تھے اور آپ کی وفات نہیں ہوئی تھی۔

حضرت مسیح کو جب صلیب سے اتارا گیا اور ایلوے کے عرق میں ڈبوئے ہوئے کفن میں لپیٹ کر قبر میں رکھا گیا تو عیسائی ڈاکٹروں کا خیال ہے کہ آپ کے جسم سے جو خون اور پسینہ خارج ہو رہا تھا۔ اس میں سے جب ایمونیا کے بخارات اٹھے۔ تو اس نے ایلوے پر ردِ عمل کیا۔ اور اس کپڑے پر آپ کی تصویر کے نشانات ثبت ہو گئے اور یوں یہ منفی Negative تصویر بن گئی۔ علاوہ ازیں ایک اور ڈاکٹر جس کا نام Romanese ہے اس کا تو یہ خیال ہے کہ ایلوے کے عرق کے لئے تو صرف وہ نمی ہی کافی تھی جو قبر کے اندر موجود تھی۔ جبکہ آپ اس کفن میں لپیٹے ہوئے تھے۔ اور ان دونوں تصویروں پہ تجربات کئے جا چکے ہیں۔ اور کچھ کامیابی حاصل بھی ہوئی ہے یہ تو واضح ہے کہ یہ تجربہ کرنے کے لئے ہم اس زمانہ میں کسی شخص کو صلیب دینے سے تو رہے۔ تاکہ صلیب دینے کے بعد اسے ایلوے کے بھیگے ہوئے کفن میں لٹائیں اور تجربہ کریں کہ اس کے جسم کی رطوبتیں اتنا ایمونیا خارج کرتی ہیں یا نہیں۔ کہ اس کپڑے پر تصویر ثبت ہو جائے۔ لیکن مذکورہ بالا بیان سے یہ امر بالکل واضح ہے کہ حضرت مسیح کی تصویر جو کفن پر ابھری ہے وہ انسانی ہاتھ کی کاریگری ہرگز نہیں۔

خدا کی قدرت کے قربان جائیں کہ اس نے اپنے پیارے مسیح کو اس صلیبی

موت سے بچانے کے لئے کس طرح یہود کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔ رومن گورنر جنرل پیلاطوس کو باوجود حیرت کے یہ یقین آگیا کہ مسیح فوت ہو گئے۔ اور کس طرح اس نے مسیح کا زندہ جسم مردہ سمجھ کر یوسف آرمیتیہ کے حوالے کر دیا۔ اور انہوں نے بھی جلدی جلدی اس قسم کے کپڑے میں لپیٹ کر عارضی طور پر دکھاوے کے لئے قبر میں رکھ دیا۔ اور پھر آپ کو ایسے کپڑے میں لپیٹ کر رکھا گیا جو ایلوے کے عرق میں بھگویا ہوا تھا۔ اور پھر حضرت مسیح کے جسم میں سے آپ کے لہو اور پسینہ سے امیونیا کے بخارات اٹھے یا زلزلہ کی وجہ سے چٹانوں کے پھٹنے سے وہ بخارات نکلے کہ ردائے کفن فوٹو گرافی کی پلیٹ بن گئی۔ اور حضرت مسیح کی شبیہ اس پر ثبت ہو گئی۔

یہ کفن بیسویں صدی میں کسی غار سے برآمد نہیں ہوا نہ ہی کسی خانقاہ سے دریافت ہوا ہے۔ اور نہ ہی کسی عقیدت مند کے پاس خفیہ رکھا ہوا تھا۔ پانچ چھ سو برس سے عیسائی قوم اس کی حفاظت اور زیارت کرتی چلی آرہی ہے۔ چھ سو برس سے اس کی تاریخ مکمل طور پر محفوظ ہے۔ ۲۰ جون ۱۳۵۳ء میں خاندان سیوائے کے سپوت جیفا شارنی نے عوام کے سامنے "خداوند مسیح کے کفن" کے نام سے اس کی نمائش کی۔ اس کے بعد سے اس کی تاریخ قریباً محفوظ ہے۔ لوگ اس پر ایک انسانی شکل کے نشان دیکھا کرتے۔ خون کے دھبے دیکھتے لیکن کسی کو خیال نہ آیا۔ کہ اس پر کوئی تحقیقات ہونی چاہیئے۔ کہ یہ حقیقت ہے یا جعلسازی

شائد یہ بات آپ کے لئے حیران کن ہو کہ اس قسم کے ۴۲ کفن اور موجود ہیں جو یہ دعوے کرتے ہیں کہ وہ حقیقی کفن ہیں۔ ایک مشہور مصنف ٹامس ہمپر

CADOUIN Thomas Humber یہاں تک لکھتا ہے کہ کدوان [1] کے مقام پر ۱۹۳۵ء میں ایک ایسا کفن بھی دستیاب ہوا۔ جو دراصل ایک اسلامی کپڑا تھا۔ جس پر اللہ تعالیٰ کی حمد کے کلمات کاڑھے ہوئے تھے۔

کفن تورین اپنی خصوصیات کی وجہ سے منفرد ہے اور اب تو یہ دنیا بھر کے علماء، ڈاکٹر اور سائنسدانوں کی توجہ کا مرکز بن چکا ہے۔ وہ ۴۲ کفن تو گمنامی میں پڑے ہیں۔ کوئی انہیں پوچھتا نہیں اور یہ آج مرجع خلائق ہے۔ دو دفعہ یہ آگ میں جھلسا گیا۔ چاندی کا وہ صندوقچہ جس میں وہ محفوظ تھا وہ آگ کے شعلوں سے پگھل بھی گیا۔ لیکن قدرت کا مخفی ہاتھ اس کے اوپر تھا۔ اور یہ دونوں دفعہ بچا لیا گیا۔ اسے چوری کرنے کی کوشش کی گئی۔ لیکن یہ محفوظ رہا۔ اسے ضائع کرنے کی کوشش کی گئی۔ لیکن ایسے سامان پیدا ہو گئے کہ یہ ضائع بھی نہ کیا جا سکا۔ اور اسے ضائع کرنے کی افواہ کوئی دور کی بات نہیں۔ ۱۹۶۹ء میں اس قسم کا شور مچ گیا کہ اسے ضائع کرنے کا منصوبہ بنایا جا رہا ہے۔ اسے بچایا جائے اور اسے محفوظ کیا جائے۔ خدا معلوم یہ حقیقت ہے یا محض پروپگنڈا کہ ارباب کلیسا اسے تباہ کرنا چاہتے تھے یا نہیں۔ لیکن انہیں یہ اعلان کرنا پڑا کہ کفن محفوظ ہے اسے تباہ کرنے کا کوئی ارادہ نہیں۔ اور یوں یہ آج تک محفوظ چلا آ رہا ہے۔

---

[1] 'The Sacred Shroud' P 78.

خدا کی شان کہ مسیح ثانی حضرت مرزا غلام احمد اپنی ماموریت کا اعلان ۱۸۸۹ء میں فرماتے ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ کے الہام کے ذریعہ ۱۸۹۲ء میں حضرت مسیح ناصری کی وفات کا اعلان فرماتے ہیں اور ساتھ ہی اپنے آپ کو ان کے مثیل ہونے کا اعلان فرماتے ہیں۔ اور بڑی تحدی سے فرماتے ہیں کہ حضرت مسیح صلیب پر سے زندہ اترے۔ یہودی انہیں قتل نہ کر سکے۔ اور وہ آسمان پر ہرگز نہیں گئے۔ اور آخری زمانہ میں آسمان سے کوئی نہیں اترے گا جو بھی آئے گا وہ مسیح کی خو بو پر آئے گا۔ مسیح خود اپنے دو ہزار سالہ جسم فانی کے ساتھ اس دنیا میں نہیں آئیں گے۔ بلکہ اس کا مثیل آئے گا۔ اور وہی عیسائیوں کے لئے مسیح اور مسلمانوں کے لئے مہدی اور ہندوؤں کا کرشن ہوگا۔ وہ ایک ہی وجود ہوگا جو قوموں کا موعود ہوگا اور بڑی شان سے اعلان کیا کہ وہ مسیح موعود میں ہوں۔ اور اس کے بعد شاذ ہی کوئی کتاب لکھی ہو جس میں آپ نے اس ملحدانہ عقیدہ کی دھجیاں نہ بکھیری ہوں کہ حضرت مسیح زندہ آسمان پر بیٹھے ہیں اور یہی اعلان کیا کہ مسیح کو مرنے دو تا اسلام زندہ ہو۔

وہ زمانہ عیسائیت کے عروج کا زمانہ تھا۔ انگریزی سلطنت جس کا مذہب عیسائیت تھا اس پر سورج غروب نہ ہوتا تھا۔ مغرب میں کینیڈا سے لے کر مشرق میں آسٹریلیا سے بھی سینکڑوں میل دور خط تاریخ تک جزائر فجی میں ملکۂ انگلستان کا پھریرا لہراتا تھا۔ کس کی مجال تھی کہ عیسائیت کے خلاف اپنی زبان کھول سکتا۔ اسلامی حکومتیں ٹھٹھری ہوئی تھیں۔ ترکی جو مضبوط ترین اسلامی سلطنت تھی یورپ کا مرد بیمار کہلاتی تھی۔ عیسائی پادری فوج در فوج اسلامی

ملکوں پر یلغار کئے ہوئے تھے۔ مسلمان سہمے ہوئے تھے۔ عیسائی مناد بے دھڑک مسلمان اور غیر مسلمان ہر فرد کو عیسائی بنانے پر تلے ہوئے تھے۔ ان کی پشت پر حکومتوں کا زور تھا۔ وہ ہر جائز اور ناجائز ذریعہ سے عیسائیت کی تبلیغ کرتے تھے اور عیسائی بناتے تھے۔ ہر عیسائی پادری کو تحفظ حاصل تھا۔ عیسائی سکولوں میں طلباء کو جبری عیسائیت کی تعلیم دی جاتی تھی۔ مشن ہسپتالوں میں غریب مریض غیر محسوس طور پر عیسائی بنائے جا رہے تھے۔ کسی کی کیا جرأت تھی کہ چوں بھی کرتا۔

یہ وہ وقت تھا کہ جبکہ تقدیر الٰہی کے تحت مسیح وقت نے یہ نقارہ بجایا کہ عیسائی جس مسیح کو خدا کا بیٹا سمجھتے ہیں اور جو صلیب پر انسانیت کے گناہوں کا کفارہ ہو کر فوت ہوا اور تیسرے دن زندہ ہو کر آسمان پر اپنے باپ کے پہلو میں بیٹھا ہے یہ محض ڈھکوسلا ہے۔ یہ غلط ہے نہ انجیل اس کی تائید کرتی ہے اور نہ قرآن۔ عقل اسے دھکے دیتی ہے وہ مسیح میں ہوں جو اس کی خو بو پر آیا ہوں۔ اسلام جسے آج تک کفر کھاتا رہا۔ اب اس کے عروج کے دن قریب ہیں۔ عیسائیت کے زوال کا زمانہ اب دور نہیں۔ مسیح ناصری صلیب پر فوت نہیں ہوئے۔ وہ صلیب پر سے زندہ اتارے گئے۔ زندہ قبر میں رکھے گئے۔ اور جب ہوش میں آئے۔ تو اس قبر سے باہر آئے۔ اور اپنے حواریوں کو ملے۔ اور ان سے مچھلی اور روٹی لیکر کھائی اور ان کے ساتھ رات بھر ٹھہرے۔ ان میں سے شبہ کرنے والوں کو اپنے زخم دکھائے۔

پھر حضرت مسیح ثانی نے وہ حیرت انگیز انکشاف فرمایا۔ جس پر آج ساری دنیا انگشت بدنداں ہے۔ اور وہ یہ کہ آپ براستہ نصیبین عراق۔ ایران اور افغانستان ہوتے ہوئے اپنی ان گم شدہ بھیڑوں کے پاس کشمیر تشریف لائے۔ جہاں آپ نے اپنا الٰہی مشن پورا کیا۔ اور کامیاب و کامران زندگی گزار کر ایک سو بیس برس کی عمر میں عالم فانی کو سدھارے۔ بلکہ آپ نے ان کی قبر کی نشاندہی بھی کر دی کہ آپ سرینگر کے محلہ خانیار میں مدفون ہیں جو چاہے جا کر آج بھی اس قبر کو دیکھ سکتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مرزا غلام احمد نے نہ صرف یہ کہ اپنی کتب کے ذریعہ۔ تقاریر کے ذریعہ۔ اشتہاروں کے ذریعہ مناظروں کے ذریعہ اس ملحدانہ عقیدہ کی تردید فرمائی بلکہ دنیا کی سب سے بڑی با جبروت ملکہ کو اسلام کی دعوت دی۔ یہ ملکہ عیسائی تھی جو اس وقت دنیا کے بیشتر حصوں کی مطلق العنان حکمران تھی جس کے سامنے چھوٹے موٹے تو کیا بڑے بڑے بادشاہوں کا زہرہ آب ہوتا تھا۔ جس کے قریبی عزیز یورپ کی مملکتوں کے فرمانروا تھے۔ یہ ملکہ انگلستان کی ملکہ وکٹوریہ تھی۔ اسے پہلے ایک خط بھجوایا۔ جو تحفہ قیصریہ کے نام سے شائع شدہ موجود ہے۔ لیکن اس کا جواب موصول نہ ہوا تو خدا کے مسیح نے حجت تمام کرنے کے لئے یاددہانی کے طور پر دوسرا خط لکھا جو ستارۂ قیصریہ کے نام سے شائع شدہ ہے اور دیکھا جا سکتا ہے۔

دنیائے اسلام میں اس وقت بڑے بڑے علماء، فقہاء، خطیب، سجادہ نشین بادشاہ۔ امراء۔ نواب۔ راجے۔ جرنیل۔ سب موجود تھے۔ لیکن اس عظیم الشان عیسائی ملکہ کو اسلام کی دعوت دینے کی سعادت اس عظیم انسان کو نصیب ہوئی جس کا نام آسمان پر فتح نصیب جرنیل رکھا گیا تھا اور وہ مسیح موعود ہی تھا جس کے لئے اس وقت آسمان بھی گواہی دے رہا تھا اور زمین پر بھی نشانات کی بارش ہو رہی تھی۔

لکڑی کی صلیب

اس رداءِ کفن پر حضرت مسیح کی تصویر کے نقوش ثبت ہیں اور جیسا کہ ہم گزشتہ باب میں ذکر کر چکے ہیں کہ اب تک بعض اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگ جنہیں ہم علماء رداءِ کفن کہہ سکتے ہیں اسے حضرت مسیح کا فوق البشر معجزہ سمجھتے ہیں۔ وہ اسے قانونِ قدرت سے بالا سمجھ کر اسے ایسی رداء سمجھتے ہیں جسے حضرت مسیح اپنی وفات کے بعد ایسے رنگ میں چھوڑ گئے۔ تا ان کے ماننے والوں میں ان کی یادگار قائم رہے۔ لیکن اب سائنسدانوں نے اس کا تجزیہ کیا ہے۔ اور اس نتیجہ پر پہنچے ہیں۔ کہ یہ بعض قدرتی عوامل کا نتیجہ تھا۔ اور اب تک اس پر بڑی لمبی چوڑی بحثیں ہوتی رہی ہیں اور اب بھی ہو رہی ہیں۔

اس سلسلہ میں ہم یہ بھی سمجھتے ہیں کہ صلیب کے متعلق بھی مختصراً بیان کریں کہ یہ کیا تھی اور کس طرح دی جاتی تھی۔ اس کی مختصر تاریخ کیا ہے۔ اس سے ملزموں اور مجرموں کے بچنے کا بھی کوئی امکان ہوتا تھا یا نہیں۔ موت کی اس ہولناک مشین سے اگر حضرت مسیح بچ گئے تو اس کی کیا وجوہات تھیں۔ یہ ہم گزشتہ صفحات میں بیان کر چکے ہیں۔ لیکن ان چند سطور میں صلیب کے بارہ میں مختصراً عرض کرتے ہیں۔

صلیب لکڑی کی وہ مشین ہے جس کے بارے میں تورات استثناء ۲۱ : ۲۳ میں لکھا ہے۔

"کیونکہ جو پھانسی دیا جاتا ہے وہ لعنتی ہوتا ہے"۔
اسی طرح انجیل میں گلتیوں ۳ : ۱۳-۱۴ میں لکھا ہے کہ
"جو لکڑی پر لٹکایا گیا وہ لعنتی ہے"۔

لعنت کے اس نشان پر وہ بدنصیب چڑھائے جاتے۔ جو حکومتِ وقت کے ایسے مجرم ہوتے۔ جن پر بغاوت یا غداری کا الزام ہوتا۔ بھاگا ہوا غلام اگر بدقسمتی سے پکڑا جاتا تو وہ بھی موت کی اس خوفناک لکڑی پر ٹانگ دیا جاتا اور اس قسم کے جرم جن کی سزا ہولناک قسم کی موت ہوتی وہ صلیب پر ہی لٹکا کر موت کے گھاٹ اتارے جاتے۔

شائد ہی کسی کو علم ہو کہ کب اور کس ملک میں اس ہولناک مشین کی ابتدا ہوئی لیکن ایران میں بہت قدیم زمانہ سے یہ سزا رائج تھی۔ مشہور یونانی مورخ ہیروڈوٹس نے لکھا ہے کہ ایران میں مجرموں کو لکڑی پر ٹانگ کر موت کے گھاٹ اتارا جاتا۔ دارا اوّل ایران کا مطلق العنان شہنشاہ تھا اسکی یادداشتوں میں اس سزا کا تذکرہ ملتا ہے کہ اس نے اپنے دشمنوں کو یہی سزا دے کر ختم کیا تھا۔ مشرق قریب کے ملکوں میں "ٹانگ" کر موت کے گھاٹ اتارنے کا عام رواج تھا۔ آشوریوں کی تصاویر سے پتہ چلتا ہے کہ وہ فتوحات کے بعد اپنے دشمنوں کو صلیب دے کر مارا کرتے تھے۔

یونانیوں کے ہاں صلیب جیسی ہولناک سزا کا رواج نہ تھا سکندر اعظم بھی یونان کا رہنے والا تھا جس نے بہت چھوٹی عمر میں دنیا کا بہت بڑا حصہ فتح کیا۔ یونان سے لے کر پاکستان میں جہلم تک کے علاقے فتح کئے۔ جہلم کے

مقام پر اس نے راجہ پورس کو شکست دی۔ جب یہ آگے بڑھا تو بھارت میں دریائے بیاس تک پہنچ کر اس کی فوجوں نے آگے جانے سے انکار کر دیا۔ اور واپس چلنے کا مطالبہ کیا۔ لیکن ہیروڈوٹس یونانیوں کے بارہ میں لکھتا ہے کہ انہوں نے سیستاس کے گورنر ارطیقطیس Artayctes کو صلیب کے ذریعہ پھانسی کی سزا دی تھی وہ لکھتا ہے کہ

"اسے زندہ ہی لکڑی کے ایک تختے پر میخوں سے ٹھونک کر لٹکا دیا گیا۔ اور یوں اسے عبرتناک موت کی سزا دی گئی۔"

فونیشیا اور قرطاجنہ یونان کی نوآبادیات تھیں۔ ان میں صلیب کا عام رواج تھا۔ مگر روم میں اس خوفناک سزا کی ابتداء تیسری صدی قبل از مسیح میں ہوئی۔ ابتداء میں وہاں پر یہ سزا محض غلاموں کے لئے مخصوص تھی۔ چونکہ مالک کو غلام پر ہر قسم کا اقتدار و اختیار حاصل تھا اس لئے وہ جو سلوک چاہتا اس سے کرتا۔ جس قسم کی خدمت اسے پسند ہوتی وہ اس سے لیتا۔ معمولی سے قصور پر عبرتناک سزائیں دی جاتیں۔ سزا کے طریق بھی نہایت ظالمانہ ہوا کرتے۔ چونکہ یہ ہمارا موضوع نہیں اس لئے صرفِ نظر کرتے ہوئے آگے چلتے ہیں۔ لیکن اگر کسی غلام پر بغاوت کا شبہ ہو جاتا تو اس وقت اسے صلیب جیسی اذیت ناک سزا دی جاتی۔ ۷۱ء ق م میں ایک غلام سفرطیقوس Spartacus نے بغاوت کی جسے بڑی بے رحمی سے کچل دیا گیا۔ اور جو لوگ اس کے ساتھ شامل ہوئے انہیں برسرِ عام صلیب پر چڑھا دیا گیا۔ قپوا سے روم تک ساری سڑک پر صلیبیں گاڑ دی گئیں۔ اور چھ ہزار باغیوں کو

انہی صلیبوں پر لٹکا کر اذیتوں سے ہلاک کر دیا گیا۔

چوروں اور ڈاکوؤں کو بھی موت کی سزا صلیب کے ذریعہ دی جاتی باغی خواہ آزاد ہوتا یا غلام اس کو بھی صلیب کے ذریعہ ہی موت کی سزا دی جاتی۔ ہیروڈ اعظم کی موت کے بعد ۳ سنہ ق۔م میں جو بغاوت ہوئی تو اسے بے دردی سے کچلا گیا۔ اور رومن گورنر فنتیلوس فارس Quintilius Varus نے دو ہزار باغی لیڈروں کو صلیبی موت سے ہی مروایا۔ تاکہ دوسروں کے لئے عبرت ہو۔ اور آئندہ کسی کو اس قسم کی حرکت کرنے کی جرأت نہ ہو۔ ۶۹ سنہ ء میں جب یروشلم کا محاصرہ ہوا۔ تو جس جس نے بھی بھاگنے کی کوشش کی۔ اسے شہر پناہ کے سامنے صلیب دی گئی۔ کہا جاتا ہے کہ روزانہ پانچ پانچ سو آدمیوں کو صلیب دی جاتی۔ اور سپاہی نت نئے ڈھنگوں سے بھاگنے والوں کو صلیب پر لٹکا کر خوشی سے ناچتے۔

رومن شہری کو صلیب دینا عام طور پر معیوب سمجھا جاتا۔ کیونکہ سزاءِ موت کی یہ بھیانک ترین صورت تھی۔ اس ظالمانہ طریق عقوبت کو ۳۱۴ سنہ ء میں شہنشاہ قسطنطین نے ختم کیا تھا۔

رومیوں کی صلیب کے دو حصے ہوا کرتے تھے۔ ایک حصہ زمین میں گاڑ دیا جاتا۔ دوسری لکڑی اس پر آڑے طریق سے رکھی جاتی۔ جیسے کہ انگریزی کا بڑا حرف T ہوتا ہے۔ دوسری قسم کی صلیب تھی جو انگریزی کے چھوٹے حرف + کی مانند ہوا کرتی تیسری قسم کی صلیب محض ایک سیدھا شہتیر ہوتی۔ جس پر ملزم کے ایک ہاتھ میں ہی میخیں ٹھونک کر لٹکا دیا جاتا۔ چوتھی قسم کی ایک اور صلیب

ہوا کرتی تھی جس کی شکل کچھ ⊤ اس قسم کی ہوتی اور اس پر ملزم کے ایک ہاتھ میں کیل گاڑ کر اور اس کا بازو رسیوں کے ساتھ لکڑی سے باندھ دیا جاتا اور لٹکا دیا جاتا۔ اور یوں وہ غریب انتہائی تکلیف سے تڑپ تڑپ کر جان دے دیتا تھا۔

شہر کے اندر صلیب دینے کا رواج نہ تھا بلکہ یہ کام شہر پناہ کے باہر سر انجام دیا جاتا۔ روم کے باب عسقلین کے باہر صلیبوں کا ایک جنگل آباد تھا۔ صلیبیں اونچی بھی ہوتیں اور نیچی بھی۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ ملزموں کی لاشیں رات کو درندے نوچ کر کھا جایا کرتے تھے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ صلیبیں نیچی بھی ہوا کرتی تھیں۔ رومی شہنشاہ فالبہ کے بارہ میں ایک لطیفہ مشہور ہے کہ ایک ملزم نے شکایت کی کہ جناب میں رومن شہری ہوں۔ اس لئے مجھے صلیب نہیں دی جا سکتی۔ تو بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کے لئے اونچی صلیب تیار کی جائے اور اسے رنگ و روغن کر کے خوشنما بنایا جائے کیونکہ اس پر ایک رومن شہری کو لٹکایا جائے گا۔ اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ صلیبیں اونچی بھی ہوا کرتی تھیں۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت مسیح کی صلیب اونچی تھی یا نیچی۔ انجیل نے اس بارہ میں کوئی اشارہ نہیں کیا۔ البتہ یہ اشارہ ملتا ہے کہ حضرت مسیح کو سرکہ میں بھگویا ہوا اسفنج ایک نیزہ پر یا سرکنڈے پر اٹکا کر چُسایا گیا۔ اس زمانہ کے لوگ اپنے وقت کے حالات کو خوب سمجھتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ اتنی ہیبت ناک اذیت میں تڑپتے ہوئے انسان کے منہ کے پاس اپنا ہاتھ لے جانا انتہائی

خطرناک بھی ہو سکتا ہے۔ وہ اس کی انگلیوں کو اگر دانتوں سے کاٹ لے۔ تو اس وقت اس شخص کا کیا بگاڑا جا سکتا ہے۔ جو موت کی گھمبیر وادیوں میں اترنے کی تیاریوں میں مصروف ہے بظاہر یہی نظر آتا ہے کہ آپ کی صلیب اونچی تھی۔

بعض صلیبوں میں کھڑے حصے کے درمیان ایک کھونٹا ٹھونک دیا جاتا جس پر ملزم بیٹھ سکتا تھا۔ ایک اور قسم کی صلیب کے نشان بھی ملتے ہیں جس میں پیروں کے نیچے ایک تختی گاڑ دی جاتی۔ جس پر وہ اپنے پاؤں کے ساتھ سہارا لے لیتا تھا۔ یہ اس لئے ہوتا کہ ملزم کچھ آرام لے لے۔ اور اس کی اذیت کی گھڑیاں طویل تر ہو جائیں اور وہ تڑپ تڑپ کر جان دے، بازوؤں پر پورے جسم کے بوجھ سے تو ملزم کے اعضاء اکڑنے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ اور اس کی موت کی گھڑیاں قریب تر ہو جائیں گی۔ اور وہ زندگی کے جھمیلوں سے جلد آزاد ہو جائے گا۔ لیکن اس بدنصیب کے سفاک آقا اسے جلد مرتے نہیں دیکھنا چاہتے تھے۔ ان کی دلی خواہش یہی ہوتی کہ اس کی عقوبت اور اذیت کے لمحات طویل تر ہوں۔ اس کی جان کنی کی گھڑیاں لمبی سے لمبی ہو جائیں۔ اس کو جس قدر زیادہ ذلت سے مارا جا سکے مارا جائے۔

بعض اوقات ملزموں کے ہاتھ اور پاؤں میں میخیں گاڑنے کی بجائے صلیب کے ساتھ رسیوں سے باندھ دیئے جاتے۔ اور اسے لٹکا دیا جاتا۔ لیکن ہاتھوں اور پاؤں میں کیلیں ٹھونک کر لٹکانے کا رواج عام تھا۔ ہتھیلی میں کیلیں ٹھونکنے کا خیال اب غلط ثابت ہو گیا ہے۔ اس جگہ کے عضلے اتنے

مضبوط نہیں ہوتے کہ ڈیڑھ دومن کا بوجھ برداشت کر سکیں۔ اتنا بھاری جسم تو چند منٹ میں ان عضلات کو چیر کر رکھ دے گا۔ اس لئے یہ میخیں ہتھیلی کی بجائے کلائی میں ٹھونکی جاتیں۔ جس کے عضلات اس قابل ہیں کہ ایک انسان کا بوجھ کافی عرصہ تک سنبھال سکیں۔ پاؤں میں عام طور پر ایک ہی کیل ٹھونکی جاتی۔ یعنی دونوں پاؤں کو اکٹھے کر کے اوپر تلے رکھ کر گھٹنوں کو ذرا سا جھکا لیا جاتا اور دونوں پاؤں کو ایک ہی کیل سے ٹھونک دیا جاتا۔

"اپنی صلیب آپ اٹھانے" کا محاورہ تو آپ نے سنا ہوگا۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ جس ملزم کو صلیب دیا جانا مقصود ہوتا اس کے کپڑے اتار کر ننگا کر دیا جاتا۔ اور صلیب کی آڑی لکڑی جس کا وزن عموماً من ڈیڑھ من کے قریب ہوتا۔ اس کے کندھوں پر رکھ کر اس کے بازو لمبے کر کے اسکے ہاتھ رسیوں سے اس لکڑی کے ساتھ باندھ دیئے جاتے۔ کمرۂ عدالت سے لے کر مقتل تک اسے یہ بوجھ خود اٹھا کر لے جانا ہوتا تھا۔ راستے بھر سپاہی اسے جانوروں کی طرح پیٹتے وہ گر پڑتا تو اس کے اعضاء لہولہان ہو جاتے۔ کہنیاں چھل جاتیں۔ بعض اوقات وہ غریب منہ کے بل گرتا تو ناک کا بانسہ ٹوٹ جاتا۔ بعض صورتوں میں کئی کئی دانت ٹوٹ جاتے بازنق بازاروں اور علاقوں میں سے اسے لے جایا جاتا۔ تاکہ دوسرے لوگ اسے دیکھ کر عبرت پکڑیں۔

حضرت مسیح علیہ السلام نے بھی اپنی صلیب آپ اٹھائی۔ لیکن یہ بھی لکھا ہے کہ شمعون قرینی بھی آپ کی صلیب اٹھا کر لے گیا تھا۔ قواعد کے مطابق روانگی سے قبل آپ کو کوڑوں سے ادھیڑا گیا اور اس کی وجہ سے آپ خاصے کمزور

ہو چکے تھے۔ راستے کی اونچ نیچ کی وجہ سے آپ کئی جگہ گر بھی پڑے۔

گلگوتھا یعنی مقتل تک کا فاصلہ ۶۰۰ گز کے قریب تھا۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ یہ فاصلہ خدا کے پیارے نبی نے بڑی آہستہ اور انتہائی تکلیف سے طے کیا۔ اگلے دن سبت تھا اور ظالم یہودی یہ چاہتے تھے کہ جلد سے جلد صلیب دی جائے کیونکہ غروب آفتاب کے بعد کوئی ملزم صلیب پر لٹکا نہیں رہ سکے گا۔ اور شائد یہی وجہ ہے کہ شمعون قرینی کی خدمات حاصل کی گئیں۔ اس لکڑی کے بوجھ سے آپ کا دایاں کندھا بُری طرح چھل گیا۔ آپ کے گرنے کی وجہ سے آپ کے جسم پر اور بھی کئی جگہ چوٹیں آئیں۔

سرورِ دو عالم محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے مسیح ثانی کا یہ کام بھی بیان فرمایا۔ کہ "یقتل الخنزیر ویکسر الصلیب" کیا اس سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ حضرت مسیح جب آسمان سے تشریف لائیں گے تو رومنوں یا ایرانیوں یا فینیقیوں نے جو صلیبیں گاڑی ہوئی ہونگی انہیں گراتے پھریں گے۔ یا دوسری صورت میں عیسائی پادری اپنے گلے میں جو لکڑی۔ پیتل یا چاندی کی صلیب لٹکائے پھرتے ہیں انہیں ان کے گلے سے نکال کر مسلتے یا توڑتے پھریں گے۔ اب اصلی صلیب جس پر مجرموں کو لٹکا کر موت کے گھاٹ اتارا جاتا تھا اس کا رواج تو ختم ہو گیا۔ باقی اب پیتل یا چاندی کی صلیبیں رہ گئیں۔ کیا یہ مضحکہ خیز معلوم نہیں ہوگا کہ اللہ کا نبی لوگوں کے گلوں سے نکال کر انکی صلیبیں توڑتا پھر رہا ہے۔ سچی بات یہی ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیان کی ہے۔ وہ یہ کہ دلائل کی تلوار سے صلیبی عقیدے کو پاش پاش

کیا جائے گا وہ انسان جسے خدا سمجھا گیا اور خدا بنایا گیا اسے انسانیت کی سطح پر لایا جائے گا۔ اسے زمین پر لا کر عام انسان کی طرح اسی زمین میں دفن کیا جائے گا۔

کیا خوب فرمایا ہے حضرت مسیح پاک نے کہ جس سے ساری حقیقت واضح ہو گئی ہے۔

دوسری علامت خاصہ یہ ہے کہ جب وہ مسیح موعود آئے گا۔ تو صلیب کو توڑے گا اور خنزیروں کو قتل کرے گا۔ اور دجال یک چشم کو قتل کر ڈالے گا۔ اور جس کافر تک اس کے دم کی ہوا پہنچے گی وہ فی الفور مر جائے گا۔ سو اس علامت کی اصل حقیقت جو روحانی طور پر مراد رکھی گئی ہے۔ وہ یہ ہے کہ مسیح دنیا میں آکر صلیبی مذہب کی شان و شوکت اپنے پیروں کے نیچے کچل ڈالے گا۔ اور ان لوگوں کو جن میں خنزیروں کی بے حیائی اور خوکوں کی بے شرمی اور نجاست خوری ہے۔ ان پر دلائل قاطعہ کا ہتھیار چلا کر ان سب کا کام تمام کر دے گا۔ اور وہ لوگ جو صرف دنیا کی آنکھ رکھتے ہیں مگر دین کی آنکھ بالکل ندارد بالکل ایک بدنما ٹینٹ اس میں سے نکلا ہوا ہے۔ ان کو بیّن حجتوں کی سیف قاطعہ سے ملزم کر کے ان کی منکرانہ ہستی کا خاتمہ کر دے گا۔ اور نہ صرف ایسے یک چشم بلکہ ہر ایک کافر جو دین محمدی کو بہ نظرِ استحقار

دیکھتا ہے مسیحی دلائل کے جلالی دم سے روحانی طور پر مارا جائے گا۔ غرض یہ سب عبارتیں استعارہ کے طور پر واقع ہیں جو اس عاجز پر بخوبی کھولی گئی ہیں۔ اب چاہے کوئی سمجھے یا نہ سمجھے۔ لیکن آخر کچھ مدت اور انتظار کرکے اور اپنی بے بنیاد امیدوں سے یاس کلی کی حالت میں ہو کر ایک دن سب لوگ اس طرف رجوع کریں گے۔"

(ازالہ اوہام صہ ۴۳-۴۴ حاشیہ)

صلیب کے بعد حواریوں سے ملاقات

صلیب کے متعلق اگر ہم انجیل کے واقعات پر غور کریں تو بعض باتیں کھل کر سامنے آجاتی ہیں۔ ذرا ملاحظہ فرمائیں کہ حضرت مسیح کو صلیب سے اس وجہ سے اتار لیا گیا کہ سبت شروع ہونے کو تھا اور ملزموں کو یہودی قانون کے پیش نظر صلیب پر رکھا ہی نہیں جا سکتا تھا اس لئے مجبوراً انہیں اتارنا پڑا۔ اور عارضی طور پر دفن کیا گیا۔ تاکہ سبت کے بعد مذہب رسومات کے ساتھ دفن کیا جائے۔

صلیب سے اتارنے کے بعد دوسرے دو چوروں کی ہڈیاں توڑی گئیں۔ جو حضرت مسیح کے ساتھ ہی مصلوب ہوئے تھے۔ تاکہ ان کی موت یقینی ہو جائے۔ لیکن حضرت مسیح کی ہڈیاں بھی نہیں توڑی گئیں۔ اگر آپ کی ہڈیاں بھی توڑ دی جاتیں تو آپکی موت یقینی ہو جاتی۔ حضرت مسیح کو صلیب سے اتارنے سے قبل رومی سپاہی نیزہ مارتا ہے تا وہ یہ دیکھے کہ آیا ان کا ملزم مر گیا ہے یا زندہ ہے تو آپ کے پہلو سے خون اور پانی بہہ نکلتا ہے۔ یہ بڑی عام سی بات ہے کہ مردہ لاش میں سے پانی اور خون نہیں نکلا کرتا۔ اس سے بھی یہی پتہ چلتا ہے کہ آپ تاحال زندہ تھے۔

یوسف آرمیتیہ رومن گورنر جنرل پیلاطوس کے پاس جاتا ہے اور لاش لینے کے لئے درخواست کرتا ہے۔ پیلاطوس اتنی جلدی فوت ہو جانے پر تعجب کا اظہار

کرتا ہے۔ رومن لوگ اپنے فنون میں بڑے ماہر ہوا کرتے تھے۔ انہیں خوب علم تھا کہ صلیب پر ملزم کتنی دیر میں جان دیتا ہے۔ اگر چند گھنٹوں میں ملزموں کا جان دینا عام بات ہوتی تو پیلاطوس کاہے کو تعجب کا اظہار کرتا۔ اسے معلوم تھا کہ چند گھنٹوں کے اندر ملزم کا مرجانا واقعی تعجب انگیز ہے۔ لیکن حقیقت تو اس کے برعکس تھی کہ حضرت مسیح زندہ تھے۔ یہ تو محض دشمنوں کی آنکھوں میں دھول جھونکی جارہی تھی۔ انہیں زبانی زبانی یقین دلایا جارہا تھا کہ حضرت مسیح فوت ہوگئے ہیں۔ اور چونکہ حضرت مسیح پر خدا کے فضلوں کا ہاتھ تھا۔ وہ خود انہیں صلیبی موت سے بچانا چاہتا تھا۔ اس لئے سارے ہی کام سیدھے ہوتے گئے یہاں تک کہ آپ بحفاظت اس قبر میں لٹا دیئے گئے۔ جہاں سے آپ قریباً ۳۶ گھنٹے کے بعد ہوش آنے پر نکل کر چلے گئے۔

پھر ایک اور واضح علامت ملتی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مسیح کے حواریین میں سے بعض کو علم تھا کہ آپ ابھی فوت نہیں ہوئے۔ اور انہوں نے اس بات کا فوری انتظام کیا۔ کہ آپ کے زخموں کا علاج کیا جائے لیکن اس امر کی تفصیل نہیں ملتی۔ محض اشارہ ہی ہے۔ اور اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ ہر رنگ میں اس امر کو مخفی رکھنا چاہتے تھے۔ کہ کسی کو پتہ نہ چل جائے۔ کہ آپ ابھی زندہ ہیں اور فوت نہیں ہوئے۔ وگرنہ یہودی بھی اور رومن حکومت انہیں اپنے وقت پر دوبارہ پھانسی دے دیتی۔ اور اس طرح آپ کی زندگی کے امکانات بالکل معدوم ہو جاتے:

لوقا کی انجیل باب ۲۳ آیت ۵۶ میں لکھا ہے کہ

"اور ان عورتوں نے جو اس کے ساتھ گلیل سے آئی تھیں پیچھے پیچھے جا کر اس قبر کو دیکھا اور یہ بھی کہ اس کی لاش کس طرح رکھی گئی۔ اور لوٹ کر خوشبودار چیزیں اور عطر تیار کیا۔"

یہاں لفظ عطر خاص طور پر ملاحظہ فرمائیں۔ انگریزی کی بائیبل میں فقرہ یوں ہے :۔ The women returned and prepared spices and ointment

لفظ ointment مرہم کے معنوں میں آتا ہے۔ جو زخموں پر لگائی جاتی ہے۔ حضرت مسیح کا سنگھار تو کیا نہیں جانا تھا۔ کہ وہ عطر لائیں۔ وہ تو زخمی تھے انہیں مرہم کی ضرورت تھی۔ جو وہ لائیں۔ دوسرے یہ کہ یہ وقت مصیبت کا تھا۔ کسے ہوش ہوگی کہ وہ حضرت مسیح کا سنگھار کرے۔ تیسرے یہ کہ سبت کی وجہ سے تمام رسومات ہی ملتوی کر دی گئیں تھیں۔ مگر آپ ابھی زندہ تھے اور فوت نہیں ہوئے تھے۔ اس لئے یہ "خوشبودار چیزیں" اور یہ ointment یا مرہم آپ کے زخموں کے لئے لائی گئی تھی تا آپ کے زخموں پر لگائی جا سکے۔ ذرا کچھ دیر کے لئے غور کر کے دیکھیں کہ اگر کسی کو یقین ہو گیا ہو کہ اس کا عزیز زخموں کی تاب نہ لا کر فوت ہو گیا ہے۔ تو کیا وہ اس کے لئے مرہم لائے گا؟ مردہ جسم کو مرہموں کی ضرورت نہیں ہوا کرتی۔ مرہم کی ضرورت زندہ کے زخموں کو ہوا کرتی ہے۔ اور حضرت مسیح کے حواریین کے ایک مخصوص حلقہ کو علم تھا کہ آپ پر ابھی مکمل موت وارد نہیں ہوئی ہے۔ اس

لئے انہوں نے ہر وہ حیلہ اختیار کیا جس سے آپ کی جان بچ سکتی تھی۔ حضرت مسیح نے لوقا کو "پیارا طبیب" کے نام سے یاد کیا ہے۔ اسے ضرور علم ہوگا کہ آپ ابھی فوت نہیں ہوئے۔ آپ کا علاج کس طریق سے کیا گیا۔ اور آپ کیسے چنگے ہو گئے۔ اس کی تفصیل انجیل میں نہیں ملتی۔ لیکن مرہم کا ذکر ہی اس بات کی علامت ہے کہ آپ ابھی زندہ تھے اور آپ کے زخموں کے لئے مرہم کی ہی ضرورت تھی۔

یہ بات بڑی ہی معنی خیز ہے کہ یونانی اور اسلامی طب میں ایک مرہم کا کثرت سے ذکر آتا ہے۔ جس کا نام ہی "مرہمِ عیسیٰؑ" ہے اور قریباً طب کی ایک ہزار کتب میں اس کا ذکر آتا ہے۔ اسی وجہ سے ہم آگے چل کر اس موضوع پر ایک علیحدہ باب میں اس کی تفصیل بیان کریں گے کہ یہ کیا ہے۔ اس میں کون کون سے اجزاء پڑتے ہیں۔ کون کون سی مشہور کتب میں اس کا ذکر ہے۔ اور یہ کن کن بیماریوں میں استعمال کی جاتی ہے۔

اب ہم اپنے موضوع پر لوٹتے ہوئے یہ عرض کرتے ہیں کہ جب حضرت مسیح قبر میں سے نکل آئے تو کیا ہوا۔ لوقا کی انجیل ۲۴ : ۳۶-۴۳ میں لکھا ہے :-

"وہ یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ یسوع آپ انکے بیچ میں آکھڑا ہوا۔ اور ان سے کہا تمہاری سلامتی ہو مگر انہوں نے گھبرا کر اور خوف کھا کر یہ سمجھا کہ کسی روح کو دیکھتے ہیں۔ اس نے ان سے کہا تم کیوں گھبراتے ہو۔ اور کس واسطے تمہارے دل میں شک پیدا ہوتے ہیں میرے ہاتھ اور میرے پاؤں دیکھو کہ میں ہی ہوں

مجھے چھوکر دیکھو کیونکہ روح کے گوشت اور ہڈی نہیں ہوتی جیسا مجھ میں دیکھتے ہو۔ اور یہ کہہ کر انہیں اپنے ہاتھ اور پاؤں دکھائے۔ جب مارے خوشی کے ان کو یقین نہ آیا۔ اور تعجب کرتے تھے۔ تو اس نے ان سے کہا۔ یہاں تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے؟ انہوں نے اسے بھنی ہوئی مچھلی کا قتلہ دیا۔ اس نے لے کر ان کے روبرو کھایا۔"

یہ طویل اقتباس اس لئے دیا ہے کہ اس آیت کا ہر فقرہ بلکہ ہر لفظ یہ تصدیق کر رہا ہے۔ کہ حضرت مسیح زندہ تھے۔ دیکھیں جب حواری انہیں دیکھ کر گھبرا گئے اور ڈر گئے۔ تو حضرت مسیح سمجھ گئے کہ ان کے سامنے تو مجھے صلیب دیا گیا تھا۔ اور بظاہر مجھے ختم کیا جا چکا ہے۔ اور یہ مجھے زندہ سلامت سمجھنے کے لئے تیار ہی نہیں بلکہ مجھے روح سمجھتے ہیں۔ تو ان کا شبہ دور کرنے کے لئے انہیں اپنے ہاتھ اور پاؤں دکھائے۔ یہ ہاتھ اور پاؤں کا دکھانا کس قدر معنی خیز ہے۔ آپ نے انہیں اپنی ٹانگ کیوں نہ دکھائی۔ اپنی آنکھیں اور کان اور ناک کیوں نہ دکھائے۔ اپنے بازو کیوں نہ دکھائے۔ یہ اس لئے کہ آپ کے ہاتھوں اور پاؤں میں کیلوں کے زخم تھے۔ تا وہ انہیں دیکھ کر یقین کریں کہ یہ وہی ہاتھ ہیں جن میں یہودیوں نے میخیں گاڑی تھیں۔ یہ وہ پاؤں ہیں جن میں کیلیں ٹھونکی گئی تھیں۔ کسی چیز کے ثبوت میں عام چیز پیش نہیں کی جایا کرتی۔ بلکہ ایسی محسوس اور مشہود چیز پیش کی جاتی ہے جو نمایاں ہو۔ اور اس کا واضح ثبوت ہو۔ اور حضرت مسیح کے ہاتھ اور پاؤں ہی وہ خاص اعضاء تھے جنہیں دکھا کر وہ اپنی زندگی

کی دلیل دے سکتے تھے۔ اور یہی انہوں نے دی۔

اس کے بعد یقین میں مزید پختہ کرنے کے لئے انہیں کہا کہ لو اب تم نے میرے ہاتھ بھی دیکھ لئے۔ اب تو تمہیں میری زندگی کا یقین آجانا چاہیئے۔ لیکن وہ حواری تو مارے خوشی کے دیوانے ہو رہے تھے۔ لیکن اب بھی انہوں نے محسوس کیا کہ بعض کو شبہ ہے۔ کہ وہ وہی مسیح ہیں جو چند روز قبل انہیں تعلیم دیا کرتے تھے۔ تو اس کا مزید ثبوت مہیا کیا اور فرمایا کہ

"یہاں تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے۔ تو انہوں نے بھنی ہوئی مچھلی کا قتلہ دیا۔ اس نے لے کر ان کے روبرو کھایا"۔

دیکھو حضرت مسیح اپنے سادہ لوح اور محبت کرنے والے حواریوں کو خوب سمجھتے تھے۔ ایک ثبوت سے ان کی تسلی نہ ہوئی۔ تو دوسرا ثبوت دیا۔ اگر انہیں ہاتھ اور پاؤں کے زخم دیکھنے سے تسلی نہیں ہوئی اور کچھ تھوڑا بہت شبہ باقی رہا۔ تو فرمایا کہ کچھ کھانے کے لئے ہے تو وہ مجھے دو۔ جب انہوں نے مچھلی کا قتلہ دیا تو ان کے سامنے کھایا۔ تا انہیں تسلی ہو کہ کوئی روح اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے زخم نہیں دکھا سکتی۔ ممکن ہے کہ کوئی روح دکھائی دے یعنی دیکھنے والا اسے رویا میں دیکھ ہی لے۔ لیکن اسے چھونا اور روح کے ہاتھوں کے زخموں میں انگلی ڈال کر دیکھنا یہ کیسے ممکن ہو گیا۔ اس سے بڑھ کر اپنی جسمانی ہستی کا ثبوت دینے کے لئے کہ میں اسی گوشت اور پوست والا مسیح ہوں اور جیسے صلیب سے پہلے کھاتا تھا اور پیتا تھا۔ اب بھی میں وہی ہوں اور اسی طرح کھاتا بھی ہوں اور پیتا بھی ہوں۔ میری جسمانی ضرورتیں اسی طرح ہیں جیسے

کہ پہلے تھیں۔ مجھے روح مت سمجھو اور دیکھو کہ اس ثبوت کے بعد کہ تم نے میرے ہاتھوں اور پاؤں کے وہ زخم دیکھ لئے ہیں جو تم نے اپنی آنکھوں سے میرے صلیب پر چڑھنے کے وقت دیکھے تھے۔ اب یہ میری اس ارضی زندگی کا دوسرا ثبوت ہے کہ میں تمہارے سامنے دوسرے انسانوں کی طرح کھانے والی چیز کھا کر دکھاتا ہوں اور ان سے دانستہ مچھلی کا قتلہ لیا اور اسے ان کے سامنے کھا کر دکھایا۔

دیکھو اب انجیل کے اس بیان سے کس طرح کھلا کھلا ثابت ہے کہ حضرت مسیح جب کفن میں لپیٹے گئے تو آپ ابھی زندہ تھے اور فوت نہیں ہوئے تھے اس لئے وہ عارضی کفن جس میں آپ کو قبر میں رکھا گیا تھا۔ اس پر جو لہو کے داغ ہیں وہ مردے کے لہو کے داغ نہیں۔ وہ زندہ مسیح کے بہتے ہوئے خون کے داغ ہیں۔ بہتا ہوا خون زندگی کی علامت ہے۔ مُردوں میں سے خون بہا نہیں کرتا۔ انسان کا قلب تو ایک پمپ ہے۔ جو سارے جسم کو خون مہیا کرتا ہے جونہی یہ عضو معطل ہو جاتا ہے یا ساکن ہو جاتا ہے اور ٹھہر جاتا ہے تو پھر اس انسان کے جسم پر خواہ کتنے ہی زخم کیوں نہ ہوں ان سے خون بہتا نہیں۔ بوقت زندگی اگر خون بہا بھی تو وہ چند منٹ کے اندر اندر جم کر خشک ہو جاتا ہے۔ اور اس طریق پر سارا کفن خون کے داغوں سے بھرا ہوا نظر آئے۔ ایک مُردہ کے خون سے کسی طور پر بھی ممکن نہیں۔ پس حضرت مسیح کفن میں لپیٹے جانے کے وقت زندہ تھے فوت نہیں ہوئے تھے۔ آپ کا دل حرکت کر رہا تھا اور جسم کو خون مہیا کر رہا تھا۔ در حقیقت یہ خون تھا جس نے آپ کے سارے کفن کو خون کے داغوں سے

جگہ جگہ رنگین کر دیا۔ اور وہ عیسائی دنیا جو آج تک یہی سمجھتی چلی آ رہی تھی کہ حضرت مسیح صلیب پر فوت ہو گئے۔ اور پھر تیسرے دن مُردوں میں سے جی اٹھے یہ غلط عقیدہ ہے، نہ انجیل سے ثابت ہے اور نہ عقل اسے تسلیم کرنے کے لئے تیار ہے۔ اور موجودہ کفن اس کی زندہ شہادت بنکر اس باطل عقیدے کو بالکل ہی جھٹلا رہا ہے۔

اس سلسلہ میں ڈاکٹر وگنال جن کا ذکر پیچھے آ چکا ہے کا یہ خیال ہے کہ حضرت مسیح کے خون اور پسینہ میں جو یوریا موجود تھا، اسی سے ایمونیا کی خاصی مقدار خارج ہوئی۔ اور اس کے کیمیائی اثر سے ایلوے کے بھیگے ہوئے کپڑے پر حضرت مسیح کی شبیہہ ثبت ہو گئی۔ ایک اور ڈاکٹر رومانیس Romanese کا خیال ہے کہ کپڑے کو رنگین کرنے کے لئے جس قدر ایلوٹین یعنی ایلوے کے محلول کی ضرورت ہے۔ وہ تو کفن پر لگی تھی۔ لیکن ایمونیا کی ضرورت اس نم آلود فضا نے پوری کی جو اس قبر کے اندر موجود تھی جس میں آپ رکھے گئے تھے۔ ویسے ان دونوں تھیوریوں پر تجربے بھی کئے گئے ہیں اور کچھ کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ لیکن ان کا رداءِ کفن کے بارے میں وثوق سے حضرت مسیح کی شبیہہ مبارک کی تصدیق کر دینا ابھی ممکن نہیں ہوا۔ یہ تو تبھی ہو سکتا ہے کہ تجرباتی طور پر حضرت مسیح جیسے ایک انسان کو اتنے عرصہ کے لئے صلیب پر لٹکایا جائے۔ اور وہی حالات پیدا کئے جائیں۔ اور اسی قسم کی ایک چادر ایلوے کے محلول میں ڈبو کر اس انسان کو اسی قسم کی قبر میں رکھا جائے۔ اور وہی موسم اور وہی حالات ہوں۔ اور اگر پھر اس شخص کی

تصویر آجائے تو یہ کامیاب تجربہ ہوگا. لیکن ایسا کرنا فی الحال ممکن نظر نہیں آتا. لیکن بعض سائنسدانوں نے یہ تجربات کئے ہیں. ان میں کچھ کامیابی ضرور ہوئی ہے. اس لئے یہ خوفناک اور خطرناک تجربات کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی اور پچھلے چند صفحات میں اس کفن کے اصلی اور نقلی ہونے کے بارہ میں بعض امور پر جو بحث کی ہے اس سے یہی پتہ چلتا ہے کہ اس کپڑے پر انسانی دستکاری کے نشان معلوم نہیں ہوتے. بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ قدرت کی صناعی ہے. اور یہی تو وجہ ہے کہ جس سے بعض خوش اعتقاد عیسائی اسے حضرت مسیح کا معجزہ سمجھ رہے ہیں. اور جس غیر معمولی طریق پر یہ تصویر ثبت ہوئی ہے. اور ان حالات پر بھی کچھ غور اور فکر کرتے ہیں. تو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت کا مشاہدہ کرکے دنگ رہ جاتے ہیں کہ کس طرح اس نے اس نادر روزگار تبرک کو اس دن تک محفوظ رکھا جبکہ عیسائی دنیا خود اس سے یہ ثبوت مہیا کرے کہ حضرت مسیح صلیب پر فوت نہیں ہوئے. آپ اس کفن میں لپیٹے جانے کے وقت زندہ تھے. اور سائنس اور علم طب اپنے ٹھہرے تجربات کی بناء پر یہ ثابت کردے کہ یہ حضرت مسیح کا ہی حقیقی کفن ہے اور اس پر لہو کے جو داغ ہیں وہ زندہ مسیح کے دھڑکتے ہوئے دل کے ہیں اور وہ انسان جو اس کفن میں لپیٹا گیا. اگرچہ وہ بادی النظر میں مردہ نظر آتا تھا اور اس کا سانس عارضی طور پر رک چکا تھا. جس سے دیکھنے والوں کو دھوکا لگ گیا. کہ یہ زندہ نہیں مردہ ہے. درحقیقت وہ طبی لحاظ سے زندہ تھا اور چند گھنٹوں کے سکون اور نہایت اعلیٰ قسم کی مرہم کی وجہ سے آپ دوبارہ ہوش

میں آئے۔ مالیوں کا بھیس بدلا۔ چھپتے چھپاتے قریب کے گاؤں ایماؤس پہنچے اور یہ نہیں کہ آپ نے وہاں پر اپنے آپ کو بالکل مخفی رکھا۔ بلکہ اپنے مریدوں پر اپنا آپ ظاہر کیا۔ اور اپنی اسی دنیوی زندگی کا ٹھوس ثبوت دیا۔ اور یہ بات محض قصہ اور کہانی نہیں۔ بلکہ انجیل کے راویوں نے اس واقعہ کو تفصیل کے ساتھ بیان بھی کیا ہے۔ اس وقت مصلحت کا تقاضا یہی تھا کہ یہودیوں کو حضرت مسیح کی موت کا یقین رہے۔ اور اسی غرض سے بعض قصے گھڑے گئے۔ تا یہودی اکابر بھی اور رومی حکومت بھی آپ کی تلاش نہ شروع کر دے۔ کیونکہ یہ بات مشہور ہو چکی تھی کہ حضرت مسیح جس قبر میں دفن کئے گئے تھے۔ وہ چند گھنٹوں کے بعد خالی ہو گئی۔ اور یہودیوں کو اسی دھوکہ میں رکھنے کے لئے کہ آپ فوت ہو چکے ہیں اس وقت کے عیسائیوں نے شائد یہی مناسب سمجھا کہ یہ کہانی مشہور کر دی جائے کہ وہ مر تو گئے تھے لیکن مر کر پھر زندہ ہو گئے اور آسمان پر بادلوں میں غائب ہو گئے۔ اور یوں وہ اللہ تعالیٰ کے داہنے ہاتھ آسمان پر تشریف رکھتے ہیں۔ اور آئندہ کسی زمانہ میں اپنی بعثتِ ثانی کے موقعہ پر آسمان سے فرشتوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے نازل ہوں گے تا اس وقت کے عیسائیوں بلکہ سارے عالم کی اصلاح کر سکیں اور ان کا یہ حربہ کارگر ہوا کیونکہ نہ تو یہودیوں نے تلاش کی۔ اور نہ ہی رومن حکومت نے اس بارہ میں تگ و دو کی۔ یہاں تک کہ آپ بحفاظت اس ملک سے نکل کر ایک ایسے ملک میں پہنچ گئے۔ جہاں کئی سو سال سے اسرائیلی قوم کے لوگ آباد تھے۔ اور یہاں آکر آپ نے انہیں اپنا آفاقی پیغام پہنچایا۔ اور تاریخوں سے بھی پتہ چلتا

ہے کہ ان لوگوں نے آپ کو عزت کا مقام دیا۔ آپ پر ایمان لائے۔ اور پھر یہاں آپ نے بھرپور زندگی پائی۔ اور قریباً ایک سو بیس برس کی عمر میں طبعی وفات پائی۔ اور اسی طرح کہ جیسے دوسرے عام انسان مرتے ہیں۔ اور جیسے خدا کے دوسرے انبیاء۔ اولیاء۔ اصفیاء اور اتقیاء فوت ہوئے۔ آپ نے بھی اسی طرح اس دنیائے فانی سے کوچ کیا۔ اور اللہ تعالیٰ کے حضور بلندی درجات کے ساتھ حاضر ہوئے اور کشمیر کے قریب کے علاقے میں یعنی افغانستان اور اس کے گرد و نواح میں شہنشاہ بنوکد نضر کئی سو سال پہلے بنی اسرائیل کے جن بارہ قبائل کو قیدی بنا کر لایا تھا اور جو بنی اسرائیل کی گمشدہ بھیڑیں کہلائیں۔ جن کی طرف آپ مبعوث ہوئے تھے۔ اور جن کی طرف جانے کے بارے میں آپ نے اس آیت میں اشارہ بھی فرمایا۔ کہ

"میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔"

ان میں تبلیغ کی اور انہیں خدا تعالیٰ کا پیغام پہنچایا۔ اور پھر یہیں فوت ہو گئے اور یہیں پر آپ کا مزار بنا۔ جو شہر سرینگر کے محلہ خانیار میں ہے۔ اور جو چاہے اسے آج بھی دیکھ سکتا ہے۔

مرہم عیسیٰ

گزشتہ باب میں حضرت مسیح علیہ السلام کے زخموں کے سلسلہ میں ایک مرہم کا ذکر آیا ہے۔ انجیل میں یہ امر مذکور ہے کہ حضرت مسیح کو صلیب سے اتار کر جب قبر میں رکھا گیا۔ تو آپ کی بعض مرید عورتیں بھی وہاں موجود تھیں انہوں نے دیکھا کہ آپ کو کس طریق سے قبر میں رکھا گیا۔ اور وہ یہ دیکھ کر واپس چلی گئیں اور جا کر خوشبودار چیزیں اور مرہم تیار کی۔ جیسا کہ ہم قبل ازیں ذکر کر چکے ہیں۔ کہ ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ صلیب پر آپ فوت نہیں ہوئے۔ لیکن بظاہر ان کی حالت ایسی ہو گئی جس سے محسوس ہوتا تھا کہ آپ فوت ہو گئے ہیں۔ عوام کو دکھانے کے لئے حواریوں نے بھی یہی مشہور کیا کہ آپ فوت ہو چکے ہیں اور دکھانے کے لئے انہیں ایک مقبرہ میں رکھا۔ جو یوسف آرمیتیہ نے اپنے لئے تیار کروایا تھا۔

جب آپکو قبر میں رکھا گیا اس وقت ظاہری طور پر بھی آپ کی حالت بہت نازک تھی۔ آپ کا سانس رک چکا تھا۔ دل پر بہت سخت دباؤ تھا۔ حرکتِ قلب برائے نام تھی۔ سارا بدن زخموں سے چور تھا۔ کئی گھنٹے صلیب پر رہنے کی وجہ سے سارے جسم کے اعضاء میں شدید کھچاؤ تھا۔ ایسی صورتِ حال میں آپ کا فوری علاج نہایت ضروری تھا۔ اللہ تعالیٰ بڑی حکمتوں والا ہے وہ خود اپنے محبوں اور پیاروں کی حفاظت کرتا ہے۔ اس نے حالات کی سنگینی کے باوجود ایسے

سامان مہیا کئے کہ آپ اس ذلت کی موت سے بچ جائیں۔ اور یہودیوں کے منصوبے خاک میں ملیں۔ اس وقت اکابرین یہود کی مجلس اعظم جسے صنہدریم کہا جاتا تھا۔ اس کا ایک متمول ممبر نقودیمس ایک ماہر طبیب بھی تھا۔ جو حضرت مسیح کا خفیہ مرید تھا وہ اپنے ہمراہ ۵۰ سیر مُر اور عود ملا ہُوا لایا۔ حضرت مسیح کو قبر میں رکھنے سے پہلے اسے جراثیم سے پاک کرنے کے لئے پہلے عود کی دھونی دی گئی اور پھر نقودیمس نے آپ کے زخموں پر اچھی طرح مرہم لگا دی۔ اور چونکہ آپ کا قریباً سارا جسم سر سے پاؤں تک کوڑوں کی لاسوں کی وجہ سے اور صلیب کے دیگر زخموں کی وجہ سے چُور تھا۔ اس لئے وہ مرہم ایک کپڑے پر پھیلا کر اس میں آپ کو لپیٹ دیا گیا۔ اور یہی کپڑا آج تک ردائے کفن کے نام سے محفوظ ہے۔ اس کپڑے پر کئی طریق سے تحقیقات ہو چکی ہے لیکن ابھی تک محققین کا خیال اس طرف نہیں گیا۔ کہ کیا اس مرہم میں کوئی ایسی چیز تو نہ تھی جس نے ردِّ عمل میں مدد دی۔ اور آپ کے جسم کے نقوش اس چادر پر ثبت ہو گئے۔

یہ مرہم آپ کے تمام زخموں پر لگائی گئی خصوصاً کلائیوں اور پاؤں پر جہاں کیلوں سے گہرے زخم آ گئے تھے۔ رومی سپاہی نے پہلو میں جو نیزہ مارا تھا اس کا زخم بڑا گہرا تھا۔ جہاں سے خون رس رہا تھا چادر پر اس کا بہت بڑا داغ نمایاں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ مرہم استعمال نہیں کی گئی۔ کیونکہ صلیب پر لٹکنے کی وجہ سے سارے جسم میں شدید اکڑاؤ شروع ہو گیا تھا اور اس کی وجہ سے دل پر خون کا دباؤ شدید تھا۔ اور اس دباؤ کو کم کرنے کے لئے یہ زخم کھلا چھوڑ دیا گیا۔ تاکہ اس دباؤ میں رفتہ رفتہ کمی شروع ہو تو پھر اس کا

علاج شروع کیا جائے۔

اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ مرہم لاش کو محفوظ کرنے کے لئے تو نہیں لگائی گئی۔ لیکن اس مرہم کے خواص جو نامور اطباء نے لکھے ہیں وہ یہ ہیں کہ یہ زخموں کو جلد سے جلد بھرنے میں مدد دیتی ہے۔ پیپ سے محفوظ کرتی ہے نیا گوشت پیدا کرنے میں مفید ہے۔ اندرونی اور بیرونی سوجن کو دور کرتی ہے۔ بوعلی سینا مشہور اور بے مثل طبیب نے اسے لاجواب قرار دیا ہے۔ اور اس سے یہی پتہ چلتا ہے کہ چونکہ آپ زندہ تھے۔ اس لئے آپ کے زخموں کے علاج کے لئے ہی استعمال کیا گیا۔ یہ کوئی مخفی نسخہ نہیں اس کے اجزاء طب کی سینکڑوں کتب میں مذکور ہیں۔ اگر ہم اس کے اجزاء کا تجزیہ کریں۔ تو اس کی صفات کھل کر سامنے آجاتی ہیں۔ اور ان کے خواص جن کا ہم ذیل میں ذکر کرتے ہیں، ان سے آپ کو اصل حقیقت کا پتہ چل جائے گا۔

۱۔ اُشق	Gum Ammonicum
۲۔ زراوند طویل	Aristalochia Longa
۳۔ مردہ سنگ	Plumbi oxidum
۴۔ کیندر	Olibanum
۵۔ راتینج	Resin
۶۔ قنہ	Resin of Pinuslongifolia
۷۔ جاؤشیر	Galibanum
۸۔ زنگار	Sub Acetate of Copper

۹۔ مقل ازرق — Gum Gugal

۱۰۔ مُر — Myrrh

۱۱۔ شمع یا موم سفید — Wax

۱۲۔ روغن زیتون — Olive Oil

یہ ہے وہ نسخہ جو قانون بو علی سینا میں لکھا ہے۔ اس کے اجزا کی خصوصیات ملاحظہ فرمائیں۔ تو معلوم ہوگا کہ کس طرح یہ حضرت مسیح علیہ السلام کے زخموں کے لئے مفید ثابت ہو سکتی تھی۔ پہلے دو جز یعنی اُشق اور زراوند طویل سوجن کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں۔ یعنی زخم یا چوٹ سے اندرونی یا بیرونی حصہ سُوج جائے تو یہ بہت مفید ادویہ ہیں۔ لوبان اور مُر زہریلے جراثیم کو ختم کرتے ہیں اور زخم میں بُو نہیں پیدا ہونے دیتے۔ یعنی antiseptic ہیں مقل اور کندر خون بہنے سے روکتے ہیں۔ کندر وہ دوا ہے جو احباس درد اور تکلیف کو کم کرتی ہے۔ مردہ سنگ زخم کو خشک اور جذب کرتا ہے۔ اسی طرح زنگار جالی واکال یعنی Irritant ہے۔ روغن زیتون اور موم مرہم کے لئے بطور Base استعمال ہوتی ہے لیکن ویسے بھی زخموں کے لئے مفید ہیں۔

یہ بات عجیب ہے کہ طب کی قریباً تمام کتب میں اس نسخہ کی وجہ تسمیہ بھی لکھی گئی ہے کہ یہ حضرت مسیح کے حواریوں نے ان کے لئے تیار کی تھی بلکہ یہاں تک کہا جاتا ہے کہ یہ الہامی طور پر نازل ہوئی تھی۔ اطباء جنہوں نے اپنی قرابادینوں میں یہ نسخہ لکھا ہے خواہ وہ مسلمان تھے یا یہودی یا عیسائی سب نے اس بات کو بیان کرنے میں کسی قسم کا کوئی حجاب نہیں کیا کہ یہ حضرت مسیح کے

زخموں کے لئے ہی تیار کی گئی تھی. اس سلسلہ میں دو مشہور طبیبوں کی رائے درج ذیل کی جارہی ہے۔

مشہور حکیم بوعلی سینا لکھتے ہیں:۔

"کہا جاتا ہے کہ اس مرہم کی بارہ دوائیں بارہ حواریوں کی طرف منسوب ہیں"۔ (قانون جلد پنجم)

قرابادین قادری میں اس مرہم کے بارہ میں لکھا ہے۔

"حضرت مسیح علیہ السلام کے لئے آپ کے حواریوں نے یہ مرہم تیار کی۔" (قرابادین قادری باب ۲۲ صـ۴۶۳)

اس کے علاوہ اور کتب کے حوالہ جات بھی دیئے جاسکتے ہیں۔ لیکن طوالت کے خوف سے یہ درج نہیں کئے جارہے۔

مسیح ثانی سیدنا حضرت میرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی مشہور کتاب "مسیح ہندوستان میں" ان چند کتب کی فہرست دی ہے جن میں یہ نسخہ موجود ہے اور یہ چند کتب ان ہزاروں میں سے محض ایک نمونہ ہیں اور برکت کے طور پر ہم حضور کی کتاب میں سے اس فہرست کو نقل کر رہے ہیں۔

۱۔ قانون شیخ الرئیس بوعلی سینا جلد ثالث صـ۱۳۳

۲۔ شرح قانون علامہ قطب الدین شیرازی جلد ثالث

۳۔ کامل الصناعۃ تصنیف علی بن العباس المجوسی جلد دوم صـ۶۰۲

۴۔ کتاب مجموعہ بقائی مصنفہ محمود محمد اسمٰعیل مخاطب از خاقان بخطاب پدر محمد بقا خان جلد ۲ صـ۴۹۷

۵۔ تذکرہ اولوالالباب مصنفہ شیخ داؤد العزیز الانطاکی صہ ۳۰۳

۶۔ قرابادین رومی مصنفہ قریب زمانہ حضرت مسیح جس کا ترجمہ مامول رشید کے وقت میں عربی میں ہوا۔ امراض جلد

۷۔ کتاب عمدۃ المحتاج مصنفہ احمد بن حسن الرشیدی الحکیم۔ اس کتاب میں مرہم عیسیٰ وغیرہ ادویہ سو کتاب میں سے بلکہ اس سے بھی زیادہ کتابوں میں سے لکھی گئی ہیں۔ اور وہ تمام کتابیں فرنچ زبان میں تھیں۔

۸۔ کتاب قرابادین فارسی مصنفہ حکیم محمد اکبر ارزانی۔ امراض جلد

۹۔ کتاب شفاء الاسقام جلد دوم صہ ۲۳۰

۱۰۔ کتاب مرأۃ الشفاء مصنفہ حکیم نتھو شاہ نسخہ قلمی امراض جلد

۱۱۔ ذخیرہ خوارزم شاہی امراض جلد

۱۲۔ شرح قانون گیلانی جلد ثالث

۱۳۔ شرح قانون قرشی جلد ثالث

۱۴۔ قرابادین علوی خان امراض جلد

۱۵۔ کتاب علاج الامراض مصنفہ حکیم محمد شریف خان صاحب صہ ۸۹۳

۱۶۔ قرابادین یونانی امراض جلد

۱۷۔ کتاب اکسیر اعظم جلد رابع مصنفہ حکیم محمد اعظم خان صاحب المخاطب بناظم جہاں صہ ۲۲۱

۱۸۔ تحفۃ المومنین برحاشیہ مخزن الادویہ صہ ۱۳۰

۱۹۔ کتاب محیط فی الطب صہ ۳۶۷

۲۰. کتاب قرابادین معصومی المعصوم بن کریم الدین الشوستری شیرازی
۲۱. کتاب عجالہ نافعہ لمحمد شریف دہلوی ص۱۲۴
۲۲. کتاب طب شبری مسمیٰ بلوامع شبریہ تالیف سید حسین شبر کاظمی ص۱۰۴
۲۳. کتاب مخزن سلیمانی ترجمہ اکسیر عربی ص۵۹۹ مترجم محمد شمس الدین صاحب بہاولپوری
۲۴. شفاء الامراض مترجم مولانا الحکیم محمد نور کریم ص۲۸۲
۲۵. کتاب الطب دارا شکوہی مؤلفہ نور الدین محمد عبد الحکیم عین الملک الشیرازی ورق ص۳۶۰
۲۶. کتاب منہاج الدکان بدستور الاعیان فی اعمال وترکیب النافعہ للابدان تالیف افلاطون زمانہ ورئیس اوانہ ابو المنا بن ابی نصر العطاء الاسرائیلی الہارونی (یعنی یہودی) ص۸۶
۲۷. زبدۃ الطب لسید الامام ابو ابراہیم اسمٰعیل بن حسن الحسینی الجرجانی ورق ص۱۸۲
۲۸. طب اکبر مصنفہ محمد اکبر ارزانی ص۲۴۲
۲۹. میزان الطب مصنفہ محمد اکبر ارزانی ص۱۵۲
۳۰. سدیدی مصنفہ رئیس المتکلمین امام المحققین السدید الکازرونی ص۲۸۳ جلد دوم
۳۱. کتاب حادی کبیر ابن زکریا امراض جلد
۳۲. قرابادین ابن تلمیذ امراض جلد
۳۳. قرابادین ابن ابی صادق امراض جلد

اس مرہم کے سلسلہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں آپ کے ایک مخلص مرید حکیم محمد حسین صاحب کے ساتھ ایک دلچسپ واقعہ گزرا۔ جو انہوں نے اپنی کتاب "طبی مائۃ عامل" میں تفصیل سے درج کیا ہے۔ ہم بھی قارئین کی دلچسپی کی خاطر اسے مختصراً ذکر کر رہے ہیں۔

جب حضرت مسیح پاک نے اعلان فرمایا۔ کہ حضرت عیسےٰ صلیب کی لعنتی موت سے بچ گئے۔ اور یہودیوں کے ظلم وستم سے بچنے کے لئے بلادِ مشرق میں تشریف لے گئے تو اس ضمن میں مرہم عیسےٰ کا بھی ذکر فرمایا۔ جس کے بارہ میں آپ اوپر تفصیل ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ حکیم محمد حسین صاحب کو خیال آیا۔ کہ یہ مرہم تیار کی جائے۔ اور اسے مشتہر کیا جائے۔ اس سے عیسائیوں میں تبلیغ اسلام میں بھی مدد ملے گی۔ یہ خیال آتے ہی انہوں نے بڑی محنت سے مختلف قرابا دینوں کا مطالعہ کر کے اصل نسخہ حاصل کیا۔ اور اس کے اجزاء فراہم کئے۔ بعض ادویہ ہندوستان میں دستیاب نہ تھیں۔ تو انہوں نے ایک انگریزی فرم کے ذریعہ خطیر رقم خرچ کر کے انگلستان سے حاصل کیں۔ اور مرہم تیار کر لی۔ اور شہر لاہور میں اس کا وسیع پیمانے پر اشتہار دے دیا۔ بڑے بڑے پوسٹر شائع کئے۔ جس پر حضرت مسیح کی تصویر، کھرل اور وٹہ اور حواریوں کی تصاویر شائع کر دی گئیں۔ نیز جلی حروف میں یہ بھی لکھا کہ حضرت مسیح نے بیماروں کو اچھا کیا۔ لیکن اس مرہم نے حضرت مسیح کو چنگا کر دیا اس اشتہار کا شائع ہونا تھا کہ لاہور میں شور مچ گیا۔ اور انگریز ڈپٹی کمشنر نے انہیں بلا کر سختی سے ہدایت کی کہ تمام پوسٹر ایک رات کے اندر اندر اتار دیئے جائیں۔ حکیم صاحب کے وکلاء نے یہ عذر پیش کیا کہ اشتہار اتنی زیادہ تعداد

میں ہیں کہ ایک رات کے اندر نہیں اتارے جا سکتے۔ ڈپٹی کمشنر صاحب اپنے عملہ کو حکم دے کر خود یہ اشتہار اتروا دیں۔ لیکن ڈپٹی کمشنر جو ایک انگریز تھا سخت غصے میں تھا۔ اس نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر سشن جج کے پاس اپیل کی گئی۔ وہاں پر بھی جج انگریز تھا۔ اس نے بھی سخت تعصب سے کام لیا اور اپیل خارج کر دی۔ اس زمانہ میں ہائی کورٹ کی بجائے چیف کورٹ ہوتا تھا یہاں اپیل دائر کی گئی۔ وہاں پر بھی جج انگریز تھا اس نے جب پوسٹر دیکھا تو وہ بھی غصے میں سرخ ہو گیا اور اس نے بھی بہت سخت رویہ اختیار کیا۔ لیکن اتفاق سے ایک دوسرا جج آ گیا۔ اور اس نے مقدمہ کی سماعت شروع کر دی۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جب اس مقدمہ کا علم ہوا۔ تو آپ نے ایک بیان اپنے قلم مبارک سے لکھ کر دیا گویا عیسائیوں پر حجت تمام کر دی۔ اس میں حضور نے ایسی بے نظیر بات لکھ دی جس کا کوئی لاٹ پادری بھی جواب نہیں دے سکتا تھا۔ حضور نے اس میں یہ لکھا تھا کہ انجیل سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مسیح نے صلیب کے بعد اپنے صلیبی زخم حواریوں کو دکھلائے تھے۔ اور حواریوں میں سے ایک طبیب بھی تھا چنانچہ لوقا کے متعلق انجیلوں میں لکھا ہے۔ "پیارا طبیب" طب کی کتابوں میں یہ لکھا ہے کہ یہ مرہم مسیح کے لئے بنائی گئی تھی۔ اور حضرت مسیح کی زندگی میں سوائے صلیب کے واقعہ کے کوئی ایسا واقعہ نہیں ہوا جس کے لئے حضرت عیسےٰ کے لئے مرہم تیار کی جاتی۔ پس انجیلیں بتاتی ہیں کہ حضرت مسیح کے ہاتھوں میں صلیبی زخم تھے اور طب کی کتابیں بتاتی ہیں کہ وہ زخم اس مرہم سے اچھے ہوئے تھے۔

چیف کورٹ میں اس مقدمہ کو سننے کے لئے بہت بڑی مخلوق جمع تھی جب یہ مضمون پڑھ کر سنایا گیا تو سارے پادری حیران رہ گئے۔ اس کے بعد اس بات پر بحث ہوئی کہ مرہم عیسیٰ کا نام کچھ اور رکھ کر اسے فروخت کیا جائے۔ اس وقت وکیلوں کو سمجھا دیا گیا تھا کہ اگر کوئی ایسی بات پیش ہو۔ جس سے اس مرہم کو دوسرے نام سے موسوم کرنے کے لئے جج اپنا فیصلہ لکھے تو ان کو بتا دیا جائے کہ اس طرح تو بہت سی دواؤں کے متعلق نیا قانون بنانا پڑے گا۔ آج عیسائی لوگ مرہم عیسیٰ کے نام سے رنجیدہ ہوتے ہیں تو کل ہندو گاؤ زبان کے نام سے بھی رنجیدہ ہوں گے۔ اور حکومت کی لیجسلیٹو اسمبلی کو بہت سی دوائیوں کے نام بدلنے کے لئے ایک قانون بنانا پڑے گا کیونکہ ہندو لوگ گاؤ زبان اور گئو دنتی کا لفظ اپنے مذہب کے خلاف سمجھتے ہیں۔ اسی طرح عیسائی عود صلیب اور نسخہ مرہم کے نام سے چڑتے ہیں۔ اور بھی بے شمار نام ہیں۔ جن کے نام مذہبی نقطۂ نظر کی رو سے ہر مذہب والا اس کو سننے کے لئے تیار نہیں ہے۔ اس لئے یہ قانون بنانا پڑے گا کہ یہ دوائیں جو اس نام سے مشہور ہیں ان کا نام بدلنا چاہیئے۔ اور اگر ایسا قانون بنایا جائے گا تو اس مرہم کا نام بھی تبدیل کر دیا جائے گا۔ طب کی کتابوں سے یہ نام نہ محو ہو سکتے ہیں اور نہ دوسرے نام مقرر ہو سکتے ہیں۔

آخر بڑی بحث بیث کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ نام تو یہی رہے مگر اس کی وجہ تسمیہ نہ لکھی جائے۔ کہ حضرت مسیح کے صلیبی زخموں کو چنگا کرتے کے

لئے حواریوں نے اسے بنایا تھا۔ حضرت مسیح تو دوسرے بیماروں کو چنگا کرتے تھے۔ اس مرہم نے حضرت مسیح کو چنگا کر دیا۔ بہرحال جب یہ فیصلہ ہو گیا تو پوسٹروں سے یہ وجہ تسمیہ نکال دی گئی۔ اور اس کی بجائے یہ لکھا۔ کہ یہ مرہم حواریوں نے حضرت عیلسےٰ کے لئے بنائی تھی۔ اور یہ مرہم سرطان بواسیر۔ طاعون اور تمام قسم کے زہریلے پھوڑوں کے لئے اکسیر ہے۔

اس کامیابی پر حکیم صاحب کو تمام اخباروں نے مبارک باد دی اور اسی وجہ سے حکیم صاحب کا نام ہر جگہ مرہم عیلسےٰ مشہور ہو گیا اور وہ اپنی وفات تک اسی نام سے یاد کئے جاتے رہے ؛

عجائباتِ سائنس

گزشتہ صفحات میں آپ نے ردائے کفن کی مختصر سی تاریخ ملاحظہ فرمالی جس سے آپ کو پتہ چل گیا ہوگا کہ یہ سوا چودہ فٹ لمبا کپڑا کہاں سے آیا کہاں رہا اور اس پر کیا کچھ گزرگئی۔ کس طرح تباہ ہونے سے بچا۔ اور پھر کس کس کے پاس رہا۔ اور اس قسم کے دوسرے واقعات اور حالات بیان کئے گئے ہیں۔ اب آئندہ صفحات میں یہ عرض کیا جائے گا۔ کہ اس پر جو تصویر ہے اس سے کیا ثابت ہوتا ہے اور کیسے۔

آپ کو اگر ایک کپڑا دکھایا جائے جس کے متعلق آپ کو یہ بتایا جائے۔ کہ فلاں شخص کو پھانسی چڑھانے کے بعد ہی اس میں لپیٹا گیا تھا اور اس کے تاریخی اور واقعاتی ثبوت بھی موجود ہوں تو آپ یہی گمان کریں گے کہ یہ کسی فوت شدہ کا کفن ہے۔ اور اس کپڑے میں کسی مردہ کو ہی دفن کیا گیا ہوگا کفن میں مُردے ہی لپیٹے جاتے ہیں۔ زندوں کو تو نہ کفن میں لپیٹا جاتا ہے اور نہ ہی ان کو دفن کیا جاتا ہے۔ کفن کا تعلق مُردوں سے ہے۔ قبر میں بھی زندگی ختم ہونے کے بعد دفن کیا جاتا ہے۔ عیسائیوں کے عقیدہ میں یہ بات داخل ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے صلیب پر جان دی۔ وہاں سے مردہ حالت میں اتارے گئے اور اس حالت میں انکو یہ کفن پہنایا گیا اور قبر میں رکھا گیا جہاں سے ۳۶ گھنٹے کے بعد مُردوں میں سے جی اٹھے۔ اور اس کے بعد آسمان پر تشریف لے گئے۔ اور آج

تک اللہ تعالےٰ کے دائیں ہاتھ بیٹھے ہیں۔ اور آخری زمانہ میں دنیا کی اصلاح کے لئے دوبارہ اسی عالم رنگ و بو میں تشریف لائیں گے۔ اسی وجہ سے عیسائی دنیا یہی سمجھتی ہے کہ حضرت مسیح جب کفن میں لپیٹے گئے تو آپ اس وقت زندہ نہیں بلکہ مُردہ تھے۔

لیکن اس کے ساتھ ساتھ ایک بات جو نہ صرف عیسائیوں کے لئے قابلِ فکر اور تشویش بن گئی ہے وہ لہو کے داغ ہیں۔ سارا کفن خون کے داغوں سے بھرا ہُوا ہے۔ چپے چپے پر خون کے نشان ہیں جہاں ہاتھ رکھے تھے وہ جگہ داغدار ہے۔ پاؤں والی جگہ خون سے بھری ہوئی ہے۔ بازوؤں کے پاس خون کے دھبے موجود ہیں۔ سینے کے زخم کا خون بالکل نمایاں ہے۔ جہاں سر رکھا گیا تھا وہ بھی خون آلود ہے۔ غرض کفن کا اکثر حصہ خون کے داغوں سے بھرا ہُوا نظر آتا ہے۔ یہ کیوں جبکہ حضرت مسیح تو فوت ہو چکے تھے۔ قانونِ قدرت یونہی ہے کہ انسان کا دل جب تک خون پمپ کر رہا ہے، سارے بدن کو خون مہیا کرتا ہے۔ اور اگر بدن پر زخم ہوں تو ان زخموں سے خون رِستا بھی ہے۔ اور جونہی یہ حرکت ختم ہو جاتی ہے اور دل تھم جاتا ہے تو خون کی سپلائی رک جاتی ہے اور زخم خون نہیں بہاتے۔ اور چند منٹ کے اندر زخموں کا خون خشک ہو کر پیٹری جم جاتی ہے اور یہ بہاؤ بند ہو جاتا ہے۔ اور پھر لہو بہہ کر کپڑے پر نہیں لگ سکتا۔ اور اس بہاؤ کے نشان کپڑے پر نمایاں نہیں ہو سکتے۔ مگر اس ردائے کفن پر بہاؤ کے بعض نشانات بالکل واضح ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ اس کپڑے میں لپیٹا جانے والا انسان اس وقت زندہ تھا اور اس کا دل چل رہا تھا۔ حرکتِ قلب بند نہ ہوئی تھی

وگرنہ اس قسم کے نشانات کفن پر نہ لگ سکتے۔

آج کا زمانہ عقل وشعور کا زمانہ ہے۔ علم وفضل کا دور دورہ ہے۔ سائنس اپنی انتہاء کو چھو رہی ہے۔ انسان محض قصہ کہانیوں کو بلا کسی توجیہہ کے یقین کرنے کو تیار نہیں ہوتا۔ اگر کسی بات کے بارے میں ذرا بھی شبہ ہو جائے تو آج کا انسان فوراً اس کی کنہ تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے۔ آج کا انسان اس بات کے پیچھے پڑ گیا کہ ذرہ کو کیسے توڑا جا سکتا ہے۔ آخر توڑ کر دم لیا۔ اور ایٹم کا ظہور ہوا۔ اور انسان کو پتہ چل گیا کہ اس ننھے سے ذرہ میں بے پناہ قوت موجود ہے۔ یہ محض تجسس تھا جس نے دنیا میں اتنا بڑا انقلاب پیدا کر دیا۔ علم کی وہ کونسی شاخ ہے جس پر انسان نے تجربات کی انتہا نہیں کر دی۔ اگر ہم زراعت کو دیکھیں تو انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں گندم کا وہ کھیت جو چند سال پہلے دس من گندم نہیں پیدا کر سکتا تھا آج اسی کھیت سے ستر۔ اسی من گندم پیدا کی جا رہی ہے۔ گنے کو لیجئے وہی گنا جو انسانی انگلی سے موٹا نہیں ہوا کرتا تھا آج اس سے دس گنا موٹا پیدا کیا جا رہا ہے۔ آواز کی سائنس کو دیکھیں تو کیسی کیسی حیرت انگیز باتیں دیکھنے میں آ رہی ہیں ہم پاکستان میں بیٹھ کر سہولت کے ساتھ امریکہ کے کسی بھی شہر میں ٹیلیفون پر بات کر سکتے ہیں وہ آواز جو ماسکو یا لنڈن میں یا امریکہ میں کسی ریڈیو پر نشر کی جا رہی ہے ہم بڑی آسانی سے اسے اپنے ملک میں ریڈیو پر سن سکتے ہیں۔ ٹیپ ریکارڈ آج کس قدر عام سی چیز ہے اپنے گھر کے کسی بھی فرد کی آواز آسانی سے ایک معمولی سے ٹیپ ریکارڈ پر ریکارڈ کر لیں اور جب چاہیں سن لیں۔ اور تو اور اب تو امریکہ میں اگر کوئی تقریر ہو رہی

ہو۔ کوئی کھیل ہو رہا ہو کوئی گانا بجانا ہو تو آپ مصنوعی سیّارے کے ذریعہ ٹیلی ویژن پر اس کی تصویر دیکھ سکتے ہیں۔ اس کی آواز سن سکتے ہیں۔ ابھی چند سال کی بات ہے کہ صرف سیاہ اور سفید تصویریں ہی دیکھی جا سکتی تھیں لیکن اب یہ قدرتی رنگوں میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ یعنی سبز گھاس آپ کو سبز ہی نظر آئے گی۔ کسی نے سرخ قمیص پہنی ہے تو آپ اسے سرخ ہی دیکھیں گے زرد پھول زرد ہی نظر آئیں گے۔ نیلا آسمان نیلا ہی دکھائی دے گا۔ کمپیوٹر کی ایجاد کو لے لیں۔ اگر آپ اس میں دس ہزار یادداشتیں ڈال دیں تو جب چاہیں وہ یادداشتیں نکال لیں۔ باریک سے باریک حساب منٹوں میں نہیں سیکنڈوں میں نکال کر رکھ دے گا۔ اور غلطی کا شائد ایک فیصدی بھی امکان نہیں۔ ڈاکٹری کے عجائبات سن کر دانتوں میں انگلی دبانی پڑتی ہے۔ جنوبی افریقہ کے ڈاکٹر برنارڈ نے ایک تندرست دل دوسرے مریض کے خراب دل کی جگہ لگا دیا اور پھر وہ دل ڈیڑھ سال تک کام کرتا رہا۔ اور وہ شخص جس کا دل قریباً بے کار ہو چکا تھا ڈیڑھ برس اور زندہ رہا۔ گردہ تو عام لگا دیا جاتا ہے۔ ہمارے جرمنی کے سابق مبلغ عبداللطیف صاحب کے بیٹے کے دونوں گردے بے کار ہو گئے۔ زندگی کی کوئی امید نہ تھی۔ اس کے دونوں گردے نکال دیئے گئے اور اس کی والدہ کا ایک گردہ نکال کر اس کو لگا دیا گیا۔ ماں بیٹا آج بھی دونوں زندہ ہیں۔ اور اس بات کو دس برس سے بھی اوپر ہو چکے ہیں۔

۱۹۷۶ء میں مجھے چند ماہ کے لئے کینیڈا میں رہنے کا اتفاق ہوا۔ وہاں پر ٹیلیویژن پر ایک شخص مائیکل ڈگلس روزانہ امریکہ کی مشہور ہستیوں سے

انٹرویونشر کیا کرتا تھا۔ ایک دن میں نے اس کے ساتھ ایک نوجوان لڑکی کا انٹرویو سنا۔ پتہ چلا کہ یہ محترمہ سال بھر پہلے نوجوان لڑکا تھیں۔ اس کے معاً بعد ایک نوجوان لڑکے سے انٹرویو ہوا جس کے منہ پر نہایت خوبصورت ڈاڑھی تھی۔ یہ صاحبزادے سال بھر پہلے محترمہ تھیں۔ اس کے بعد ایک نوجوان عورت دکھائی گئی یہ بی بی لڑکا بننے کے لئے ہسپتال میں داخل ہونے والی تھیں۔ اس کے بعد وہ ڈاکٹر صاحب دکھائے گئے جنہوں نے اپریشن کر کے یہ محیر العقول کارنامہ کیا تھا کہ لڑکی کو لڑکا اور لڑکے کو لڑکی بنا دیا۔ یہ انٹرویو کوئی دو گھنٹے جاری رہا۔ داستان بہت طویل ہے۔ کیا کچھ کہا گیا اور کیا سنا گیا۔ بس یہ سرجری کے کمالات کا نادر نمونہ تھا جو میں نے دیکھا اور سنا تھا۔ ایک لاکھ اسی ہزار میل پرے زمین کی سرحدوں سے دور چند اماموں کی سرزمین اب انسان کے قدموں تلے ہے۔ کیسے پہنچے۔ وہاں کیا دیکھا۔ کیا کچھ وہاں سے لے کر آئے۔ اب کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ریڈیم کیا ہے یورینیم کیا ہے۔ ہیلیم کیا ہے۔ الجبرے کیا ہے۔ ان سب کی تفصیل معمولی سی بھی بیان کی جائے۔ تو یہ ایک کتاب کیا اس قسم کی پچاس کتابوں میں بھی نہ سما سکے گی۔

اس قدر عرض کرنے کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ آج کا انسان ہر بات کو تجسس سے دیکھتا ہے اس پر سوچتا ہے اور غور کرتا ہے۔ تجربات کرتا ہے اور جو بات عقل میں آئے اور عقل اسے تسلیم کرے اسی کو ماننے کے لئے تیار ہوتا ہے وگرنہ اس کو رد کر دیتا ہے۔ چونکہ فلاں پادری صاحب یا فلاں بشپ صاحب یا فلاں نجومی نے کہہ دیا ہے اس لئے اس پر ایمان

لے آؤ۔ اب وہ زمانہ نہیں رہا۔ اسے عقل اور تجربات کی کسوٹی پر پرکھا جاتا ہے اگر پوری اترے تو مانو وگرنہ پھینک دو۔ مذاہب کی دنیا میں بہت سی فرضی کہانیاں اور قصے مشہور ہیں۔ بعض مافوق العقل ہیں جو انسانی شعور سے بالا ہیں۔ مثلاً فلاں بوٹی اگر مردہ کو سورج نکلنے سے پہلے سنگھا دی جائے تو مردہ زندہ ہو جاتا ہے۔ لیکن بوٹی اتنی دور تھی کہ سورج نکلنے لگا۔ اس لئے ایک صاحب سورج کو پکڑ کر بیٹھ گئے۔ اور اس وقت تک نہ چھوڑا جب تک کہ اس مردہ کو بوٹی سنگھا کر زندہ نہ کر لیا گیا۔ یا فلاں صاحب کشتی سے اترے اور پانی پر بے تکان چلنا شروع کر دیا۔ اس قسم کی اور کئی فرضی کہانیاں ناقابل یقین داستانیں اور معجزات مشہور ہیں۔ لیکن سائنسدان جب تک انہیں اپنے تجربات پر پرکھ نہیں لیتا۔ یقین کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ توہمات کی انہی فرضی داستانوں کی وجہ سے آج کا انسان مذہب سے برگشتہ ہوتا چلا جا رہا ہے اور مذہبی علماء اسی وجہ سے پریشان تر ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مادیت کا سیلاب مذہب کے میدانوں میں سیل رواں کی طرح در آتا چلا آ رہا ہے۔ یورپ اور امریکہ کے مذہبی راہ نما اسی قسم کے عقائد کی وجہ سے عیسائی دنیا کو سمجھانے سے قاصر ہو چکے ہیں۔ عام عیسائی کو اب مذہب سے ذرا دلچسپی نہیں۔ گرجے جانا اب تضیع اوقات سمجھا جانے لگا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ سینکڑوں نہیں ہزاروں گرجے فروخت ہو چکے ہیں اور کچھ فروخت ہونے کیلئے تیار ہیں۔ جب ان میں جاتا ہی کوئی نہیں۔ اور یہ اجاڑ اور سنسان ہیں تو انہیں بیچ دینا ہی مناسب ہے۔ آج خلق خدا کو روحانی تسکین پہنچانے کی بجائے یہ عمارتیں انہی

لوگوں کے لئے جسمانی عیش وعشرت کا گہوارہ بن چکی ہیں۔ کچھ شراب خانے بن گئے کچھ ناچ گھر اور کچھ کلبیں بن گئیں۔ اور کچھ بڑی بڑی دوکانوں میں ڈھل گئیں۔ گرجوں کو پُرکشش بنانے کے لئے کیا کیا حربے استعمال نہیں کئے جارہے۔ کسی عورت کو ننگے سر اس عمارت میں گھسنے کی اجازت نہ تھی۔ آج اس کی کوئی پابندی نہیں۔ سر ڈھانکو یا نہ ڈھانکو جیسے چاہو جاؤ کوئی روکنے والا نہیں۔ گرجے میں ناچ گانا سننے میں ہی نہیں آیا تھا۔ اب اس قسم کی محفلیں سجا کر گرجوں کو پُرکشش بنایا جارہا ہے۔ کوئی ایسا حربہ نہیں کہ جو استعمال نہیں کیا جاتا کہ لوگ گرجوں کی طرف متوجہ ہوں۔ لیکن دہریت کا یہ سیلاب رکنے میں ہی نہیں۔ سائنس۔ تجربات۔ عقل وشعور کے اس زمانہ میں انسان مذہب کے ان فرسودہ تصورات کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں جنہیں عقلِ انسانی اپنے تصور سے بالا سمجھتی ہے۔ اب انسان اسی شے کو تسلیم کرتا ہے۔ جسے عقل انسانی اپنے علم اور تجربہ کی بناء پر رد نہ کرے جو محسوس ہو اور مشہود ہو جو ایک آدمی کرسکتا ہو اسے دوسرا بھی کرسکے۔ اور اگر کوئی دوسرا نہ کرسکے۔ تو اس کی واضح توجیہہ موجود ہو۔ جو قابلِ فہم ہو۔ ایک چیز اگر موجود ہے۔ آنکھوں سے دیکھی جاسکتی ہے کانوں سے سنی جاسکتی ہے۔ ہاتھوں سے محسوس کی جاسکتی ہے۔ سائنسی آلات سے تجربہ کی جاسکتی ہے تو آج کا انسان اسے قبول کرلے گا۔ اور تسلیم کرلے گا۔ لیکن آج کا انسان پرانے قصوں اور کہانیوں پر اعتبار کرنے کے لئے تیار نہیں۔

ایک نیا زاویہ

حضرت مسیح علیہ السلام کا کفن انہی نادر اشیاء میں سے ایک ہے جو آنکھوں سے دیکھی جا سکتی ہے۔ ہاتھوں سے محسوس کی جا سکتی ہے۔ سائنسی آلات سے اس پر ایک تجربہ تو کر لیا گیا ہے۔ یعنی زمانۂ حال کی ایک نادر ایجاد یعنی کیمرے نے اس کی تصویر لی۔ تو حضرت مسیح کی شبیہہ مقدس کو مثبت رنگ میں شیشہ کی فلم پر منعکس کر دیا۔ یہ وہ مقدس صورت ہے جو دو ہزار برس سے اوجھل تھی۔ جسے خدا نے اپنی عمیق در عمیق حکمتوں کے ماتحت حضرت مسیح کی آمد ثانی تک مستور رکھا۔ اور اسے محفوظ بھی رکھا۔ تا وہ گز کپڑے کی یہ چادر قرآنی صداقتوں کی گواہ بن جائے۔ اسلام کی حقانیت کی شہادت دے اور نصرانیت کی غلطیوں اور غلط فہمیوں کو روز روشن کی طرح عیاں کر دے لیکن یہ تو ایک کفن ہے جس میں مردے لپیٹے جاتے ہیں۔ کفن میں زندہ نہیں لپیٹے جاتے اور قبروں میں دفن نہیں کئے جاتے۔ قبروں میں مردے ہی دفن کئے جاتے ہیں۔ اور اسی لئے عیسائیوں کو حضرت مسیح کی موت کا یقین ہے۔ اور اس غلط عقیدہ پر کفارہ کا بت کھڑا کیا گیا ہے۔ اگر یہ پتہ چل جائے اور ثابت ہو جائے کہ اس کفن میں زندہ شخص کو لپیٹا گیا تھا اور جب قبر میں اسے رکھا گیا اس میں زندہ رہنے کے امکان ہیں تو حضرت مسیح کا صلیب سے زندہ اترنا ثابت ہو جاتا ہے اور کفارہ کا بطلان آشکارا ہو جاتا ہے۔ نیرنگیٔ قدرت دیکھئے کہ آج عیسائیوں

کی ہی ایک جماعت نے بڑی شدومد سے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ کپڑا در اصل وہی مقدس چادر ہے جس میں حضرت مسیح صلیب پر سے اتارے جانے کے بعد لپیٹے گئے۔ اور اس وقت طبی لحاظ سے زندہ تھے۔ اور آپ کی وفات کے لئے چاروں انجیلوں نے جو الفاظ استعمال کئے ہیں وہ اپنے زمانہ کے لحاظ سے غلط نہیں ہیں لیکن انہی الفاظ سے یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ آپ تاحال زندہ ہیں اس کی تفصیل آگے آئے گی۔ اچنبھے کی بات یہ ہے کہ وہ جماعت جو یہ ثابت کرنے کے درپے ہے۔ وہ کیتھولک لوگ ہیں۔ جو پوپ کی انتہائی فرمانبرداری کا دم بھرتے ہیں۔ اور اگر پوپ نے کسی وقت ان کی باتوں کو مان لیا۔ تو گویا وہ عیسائیت کی بنیادوں کو ہلانے والے بن جائیں گے۔ یہ ایک انجمن یا سوسائٹی ہے جو اس امر پر ریسرچ کر رہی ہے کہ آیا یہ کفن حقیقی ہے یا جعلی۔ کیا اس چادر میں لپیٹے جانے والا شخص زندہ تھا یا مردہ۔ اس سوسائٹی کا نام انٹرنیشنل فاؤنڈیشن فار دی ہولی شراؤڈ ہے۔

International Society for the Holy Shroud یعنی کفن مقدس کی بین الاقوامی تنظیم۔ اس کا پریذیڈنٹ ایک جرمن جرنلسٹ کرٹ برنا Kurt Berna ہے۔ اس کا اصل نام ہنس نیبر Hans Naber ہے اور قلمی نام جان ریبان ہے۔ اس شخص نے اس موضوع پر متعدد کتب لکھی ہیں۔ جس کی وجہ سے عیسائی دنیا میں ہل چل مچی ہوئی ہے۔ بعض لوگ اسے ٹھگ اور دھوکے باز سمجھتے ہیں۔ اور اس کی ان کتب کی وجہ سے اسے نصرانیت سے خارج سمجھتے ہیں۔ بعض لوگ اسے پاگل

سمجھتے ہیں اور بعض شکی بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس نے یہ ڈھونگ محض سستی شہرت حاصل کرنے کے لئے رچایا ہے۔ غرض اس کے بارہ میں کوئی کچھ کہتا ہے اور کوئی کچھ۔ اس کی سب سے مشہور کتاب Jesus did not Perish on the Cross ہے۔ یعنی "یسوع صلیب پر فوت نہیں ہوئے"۔ اس میں اس نے بڑے واضح دلائل سے ثابت کیا ہے کہ حضرت مسیح اس کفن میں لپیٹے جانے کے وقت زندہ تھے۔ اور زندہ ہی انہیں قبر میں رکھا گیا۔ اور یہ امر پیشگوئیوں سے۔ مذہبی کتب سے تاریخی طور پر اور واقعاتی شہادتوں سے ثابت ہے۔ مزید برآں کفن اس کا واضح ثبوت ہے۔

آئندہ چند صفحات میں وہ دلچسپ واقعات ذکر کئے جائیں گے جو اس نے اپنی اس کتاب میں اپنے دعویٰ کے سلسلہ میں ذکر کئے ہیں۔ جو بڑی دلچسپی کے حامل ہیں۔ سب سے پہلے تو وہ ایک واقعہ لکھتا ہے کہ کس طرح اس کے ایک ساتھی پروفیسر ہرٹ Professor Hirt نے جناب پوپ کی خدمت میں اپنی تحقیق کے نتائج پیش کئے۔ اور بعد میں انہیں مزید تفصیل کے ساتھ وہ ایک امریکن یہودی اخبار نویس کو بھی آگاہ کرتا ہے۔ برنا اس واقعہ کی تفصیل یوں بیان کرتا ہے کہ ابھی چند سال کی بات ہے کہ جرمنی کی ایک یونیورسٹی کے ایک سائنسدان پروفیسر ہرٹ حضرت مسیح علیہ السلام کے کفن کے بارہ میں تحقیق کے اس مرحلہ پر پہنچ گئے۔ کہ انہوں نے فیصلہ کیا کہ اب یہی مناسب ہے کہ وہ اس معاملہ میں عیسائیت کے اسقف اعظم جناب پوپ سے اس بارہ میں گفتگو کریں۔ اور یہ سوچ کر وہ ضروری کاغذات۔ دستاویزات

تصاویر اور مسودات سنبھال روم پہنچ گئے۔ اور پوپ کے سکرٹری سے ملنے کے لئے انہیں دو دن تک تگ و دو کرنا پڑی۔ بوقت ملاقات پروفیسر ہرٹ نے ان کی خدمت میں اپنی تحقیق کا نچوڑ پیش کر دیا۔ یہ ملاقات دو گھنٹے جاری رہی۔ اپنا کیس انہوں نے یوں بیان کیا۔ کہ جناب حضرت مسیح علیہ السلام کے کفن پر ۲۵ برس سے تحقیقات ہو رہی ہے۔ اور اس کے نتائج ۱۹۵۵ء یا اس کے بعد سے شائع بھی کئے جا رہے ہیں۔ جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس چادر پر جو نشانات ثبت ہیں وہ ایک انسانی جسم کے ہیں۔ اور میں نے بڑی عرق ریزی کے ساتھ ہر اس چیز پر تحقیق کی ہے۔ جو اس بارہ میں مجھے مل سکی۔ ان چیزوں میں تصویریں بھی شامل ہیں اور مسودات بھی اور ان سب سے یہ بات بخوبی عیاں ہے کہ:-

۱۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے پہلو میں جو نیزہ مارا گیا اس سے آپ کے دل کو کوئی گزند نہیں پہنچی۔

۲۔ حضرت مسیح کو جب صلیب سے اتارا گیا تو اس وقت آپ کا دل حرکت کر رہا تھا۔

۳۔ جب آپ کو کفن میں لپیٹا گیا اس وقت بھی لاریب آپ کا دل کام کر رہا تھا۔

اس انٹرویو کا حال تو صرف اسی قدر معلوم ہو سکا۔ لیکن اب آپ بعض دلچسپ واقعات سنیں جو بعد میں پروفیسر صاحب کو پیش آئے۔

اس ملاقات کے بعد پروفیسر صاحب نے ٹیکسی لی اور روم کے

ہوائی اڈے پر پہنچ گئے واپسی کا ٹکٹ خرید لیا۔ ابھی جہاز کی روانگی میں گھنٹہ بھر باقی تھا اس لئے سوچا کہ یہ وقت کسی ہوٹل میں گزاریں، ہاتھ میں سوٹ کیس اور دماغ میں خیالات کا ہجوم۔ ہوٹل میں گھسے تو شیشے کے دروازے پر یہ لکھا نہ دیکھا کہ دروازہ اپنی طرف کھینچو۔ بلکہ غلطی سے زور سے دروازہ آگے دھکا دیکر کھول دیا۔ سامنے سے ایک اور صاحب آرہے تھے دروازہ زور سے ان کی ناک پر لگا ان کی تو چیخ نکل گئی۔

یہ شخص درمیانے قد اور گٹھے ہوئے جسم والا تھا۔ اگرچہ انگریزی بولتا تھا لیکن لہجہ کچھ اجنبی سا تھا۔ پروفیسر نے اس سے معذرت کی اور ساتھ ہی چائے کی دعوت دی۔ دونوں میز پر بیٹھ گئے۔ پروفیسر نے اپنا تعارف کرایا اور کہا کہ اگر آپ کو زیادہ چوٹ آئی ہے تو میں علاج معالجہ کے پورے اخراجات برداشت کروں گا۔ اور اس سے مزید گفتگو میں مصروف ہو گئے جب اس شخص کو پتہ چلا کہ پروفیسر صاحب جرمنی کے مشہور شہر Cologne کولون سے تعلق رکھتے ہیں تو بہت خوش ہوا۔ اور اب تو گفتگو ہی جرمن زبان میں شروع ہو گئی۔ اس شخص نے پروفیسر صاحب کو بتایا کہ وہ خود بھی کولون کا رہنے والا ہے۔ اور ۱۹۳۵ء میں نازیوں نے یہودیوں پر جو مظالم شروع کر رکھے تھے، ان کی وجہ سے وہ اپنے والدین کے ساتھ امریکہ ہجرت کر گیا تھا اس کا اصل نام یعقوب سلیمان تھا مگر اب اس نے اپنا نام تبدیل کر کے جیمز سلیمان رکھ لیا ہے اور وہ یورپ میں بعض امریکی اخباروں کا نامہ نگار ہے۔

گفتگو طویل ہوتی گئی اور دلچسپ بھی۔ پروفیسر نے اسے سفر کی تفصیل

سنائی اور اپنی تحقیقات کے بعض گوشے بھی بتائے۔ لیکن سلیمان کو پروفیسر کی باتوں کا یقین نہ آیا۔ پروفیسر نے اس سے کہا کہ بظاہر میری باتیں ناقابل یقین ہی معلوم ہوتی ہیں۔ مگر یہ ٹھوس واقعات ہیں۔ ہم لوگ تو سائنسدان ہیں اور جو بات کہتے ہیں اس کے نتائج سے لاعلم ہو کر نہیں کہتے۔ میں اپنے کاغذات۔ مسودات اور تصویریں تو ویٹی کان Vatican (پوپ کے شہر) میں چھوڑ آیا ہوں لیکن کولون میں میرے پاس سب دستاویزات اور تصاویر موجود ہیں وہاں چلو تو سب کچھ دکھا سکتا ہوں۔

سلیمان نے پہلے تو کچھ سوچا پھر کہا کہ اگرچہ میرا پروگرام تو کسلی کا تھا۔ لیکن آپ مجھے یہ تصویریں دکھا سکیں تو میں آپ کے ہمراہ کولون چلنے کو تیار ہوں پروفیسر نے جواب دیا کہ چونکہ آپ کو چوٹ لگنے کا باعث بھی میں ہی ہوا ہوں۔ اس لئے اگر آپ میرے ساتھ کولون چل سکیں۔ تو میں ہر چیز آپ کو دکھا دوں گا۔ سلیمان تیار ہو گیا اور اپنا نیا ٹکٹ بنوا کر آ گیا۔ آدھ گھنٹے کے بعد دونوں کولون کے لئے محو پرواز تھے۔

راستے میں سلیمان نے پروفیسر سے دریافت کیا کہ جناب کیا یہ کفن واقعی حقیقت ہے یا یونہی کوئی ڈھونگ ہے یا جعل سازی ہے۔ پروفیسر نے جواب دیا کہ یہ بالکل حقیقت ہے۔ اور یہ وہی کفن ہے جو حضرت مسیح کو پہنایا گیا سائنٹفک تحقیقات اور دیگر دستاویزات اور شواہد سے اب یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ اس میں کسی قسم کی جعلسازی نہیں اور موجودہ تحقیقات کی رُو سے ہر وہ بات غلط ثابت کی جا سکتی ہے۔ جو اس کفن کو جعلی بتاتی ہے۔

سفر اسی قسم کی باتوں میں کٹ گیا۔ اور دونوں خیر و عافیت سے کولون آن اترے۔ اور ٹیکسی میں بیٹھ شہر آ گئے۔ یہاں پہنچ کر پروفیسر نے سلیمان کے ساتھ اگلے روز صبح دس بجے کولون یونیورسٹی میں ملنے کا وقت مقرر کر لیا۔ جب وہ جدا ہونے لگے تو سلیمان نے پروفیسر سے پوچھا کہ اگر اعتراض نہ ہو تو میرے چند دوست بھی اس نادر روزگار تحقیق دیکھنے کے لئے حاضر ہو جائیں۔ پروفیسر کو اس پر کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ وہ راضی ہو گیا۔ سلیمان کو دراصل شبہ تھا۔ کہ شائد یہ کوئی شعبدہ بازی ہے یا روپیہ اینٹھنے کی کوئی اشتہار بازی کی سکیم۔ اس لئے وہ اپنے ساتھ کچھ شہادتیں رکھنی چاہتا تھا۔ اس لیے اس نے کولون میں اپنے متعدد واقف کاروں کو ٹیلیفون کر کے پروفیسر کا لیکچر سننے کی دعوت دی۔ لیکن آنے کے لئے چند ہی راضی ہوئے اور جو آئے بھی وہ اس مسئلہ پر کچھ عبور نہ رکھتے تھے۔ انکار کرنے والوں میں ایک کیتھولک اور ایک پروٹسٹنٹ پادری بھی تھے اور وہ اس وجہ سے خوفزدہ ہو گئے کہ شائد کوئی مذہبی جنونی ہی ان کے پیچھے نہ پڑ جائے۔ بلکہ سلیمان خود پھونک پھونک کر قدم رکھ رہا تھا کیونکہ اسے خود معلوم نہ تھا کہ کیا انکشافات ہونے والے ہیں :-

کچھ اور تفصیل

اگلے روز پروفیسر ہرٹ کے ساتھ دس بجے کا وقت مقرر تھا۔ سلیمان کی درخواست پر صرف آٹھ آدمی آئے تھے۔ ان میں سے ایک کسی مدرسہ کا استاد تھا۔ ایک مصوّر اور دو پادری سلیمان کے واقف کاروں میں سے تھے۔ باقی لوگ اس کے لئے بھی اجنبی تھے۔ جن سے اس نے یہ کہا تھا کہ وہ ایک اخبار کا نمائندہ ہے۔ اور ایک اہم واقعہ کے لئے ان کی شہادت ضروری سمجھتا ہے۔ یہ سب لوگ پروفیسر کے کمرے میں دس بجے سے قبل پہنچ گئے۔ اور ٹھیک دس بجے پروفیسر صاحب ایک اور شخص کے ہمراہ کمرے میں آئے۔ اس دوسرے شخص کا نام ڈاکٹر ارنسٹ Dr. Ernst تھا۔ علیک سلیک کے بعد پروفیسر انہیں ساتھ والے کمرے میں لے گیا جس میں سامنے دیوار پر ایک پوسٹر لگا تھا جس پر لکھا تھا۔

"پھر ایک نوشتہ کہتا ہے کہ جسے انہوں نے چھیدا اس پر
نظر کریں گے۔" (یوحنا باب ۱۹ آیت ۳۷)

یہ پروفیسر صاحب کے مطالعہ کا کمرہ تھا۔ لیکن اس پوسٹر نے سب کو متوجہ کر لیا۔ میز پر کتابیں اور کاغذات بکھرے ہوئے تھے۔ الماریوں میں مسودات ٹھسے ہوئے تھے۔ مختلف سائنسی آلات رکھے تھے۔ پروفیسر اس پارٹی کو لیکر ساتھ والے گول ہال میں لے گئے۔ جہاں تقریباً ۱۲ فٹ لمبا اور ۳ فٹ چوڑا

سلیٹی رنگ کا ایک بورڈ رکھا تھا جس پر عجیب عجیب شکلیں بنی تھیں۔ یہ دراصل کفن کا مثنیٰ تھا۔ دوسری جانب دیواریں مختلف تصویروں سے لدی تھیں۔ بظاہر یہی معلوم ہوتا تھا۔ کہ یہ ترتیب دار سجائی گئی ہیں۔ لیکن پہلا تاثر یہی ابھرتا تھا کہ یہ کوئی بھول بھلیاں ہیں۔ جنہیں کوئی واقف کار ہی سمجھ یا سمجھا سکتا ہے۔ یہاں پر سب کو بٹھا دیا گیا۔ اور پروفیسر صاحب یوں گویا ہوئے:۔

حضرات پہلی چیز جو آپ نے ملاحظہ فرمائی وہ کفن تھا جسے اب ہم تفصیل سے ملاحظہ کریں گے۔ اور یہ تصویریں ایک خاص ترتیب سے لگائی گئی ہیں۔ ان کے سمجھنے کے لئے ایک دن نہیں بلکہ تین دن درکار ہوں گے۔ کیونکہ اس کام پر گزشتہ پچاس برس میں ڈیڑھ سو ماہرین تحقیق کر چکے ہیں اور ان سب ماہرین نے جو ذخیرہ علم مہیا کیا ہے انہیں اتنی تھوڑی سی دیر میں بیان کرنا ممکن نہیں۔ اور یہ بھی میں جانتا ہوں کہ آپ کے پاس وقت نہیں۔ پھر کبھی تشریف لائیں تو تفصیل بھی بیان کر سکوں گا۔ لیکن اب اختصار سے ہی عرض کرتا ہوں اور اس مختصر سے وقت میں جو آخری تحقیق ہوئی ہے۔ وہی عرض کروں گا۔ آپ یہ تصاویر ملاحظہ فرمائیں اور ڈاکٹر ارنسٹ ان کے بارہ میں تفصیل بتائیں گے۔

اس کے بعد ڈاکٹر ارنسٹ شروع ہو گئے۔ انہوں نے بتایا کہ یہ تصاویر انہوں نے خود تیار کی ہیں اور جرمن ماہرین کی ایک انجمن ۱۹۵۶ء سے اس پر تحقیق کر رہی ہے۔ جس کا نام انجمن برائے تحقیقات کفن مسیح ہے۔ اس انجمن کے ممبران کے نام صیغہ راز میں رکھے گئے ہیں۔ کیونکہ تجربہ بتاتا ہے کہ اس سلسلہ میں جو نئی دریافت ہو رہی ہے۔ اس کے بارہ میں بعض اوقات نہایت گھناؤنے حملے

کئے جاتے ہیں جو ایک سائنسدان کے لئے بہت نقصان دہ ثابت ہو سکتے ہیں۔ جرمن کنونشن کے سائنس دانوں نے ان تصاویر کی خوب چھان بین کی ہے۔ اور دوسرے سائنسدانوں نے بھی جو اپنے فن کے ماہرین ہیں اور انہوں نے جو مواد مہیا کیا ہے۔ اس کی بھی چھان بین کی گئی ہے۔ اور تعصب سے بالا ہو کر ان سب کا مطالعہ کیا ہے۔

اب پھر پروفیسر ہرٹ صاحب شروع ہوئے:

حضرات اب اصل موضوع پر آئیں۔ یہ ہے حضرت مسیح کا کفن مقدس۔ یہ ۴ میٹر ۳۶ سینٹی میٹر لمبا اور ایک میٹر ۱۰ سنٹی میٹر چوڑا ہے اور ماہرین فن نے اس کا خوب تجزیہ کیا ہے اور بتایا ہے کہ یہ قدیم دمشقی طرز پر کھردرے ریشے سے ہاتھ کے ساتھ ٹیڑھا میڑھا بنا گیا ہے۔ اس کی عمر قریباً دو ہزار برس معلوم ہوتی ہے۔ مشہور شہر پومپی آئی سے جو قدیم نوادرات برآمد ہوئے ہیں ان کے ساتھ ملانے سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ہے۔ کہ یہ اسی زمانہ کا کپڑا ہے۔ اس پر عجیب و غریب نشانات پڑے ہوئے ہیں۔ یہ نشانات غیر معمولی حادثات اور واقعات کا نتیجہ ہیں۔ جن میں اسے آگ سے بھی نقصان بعض داغ جو نظر آرہے ہیں۔ وہ آگ سے جھلسنے کے داغ ہیں۔ اور بعض دوسرے دھبے ہیں جو پانی سے پڑے ہیں جو آگ بجھانے کے لئے ڈالنا پڑا۔ اسکی مرمت بھی نظر آرہی ہے۔ لیکن اس کے باوجود حضرت مسیح کی شبیہہ مبارک بالکل واضح اور مکمل ہے جو سر سے پاؤں تک سامنے سے بھی اور پیٹھ کی جانب سے بھی پوری ہے۔ یہ ہے تصویر نمبر ۲

اب آپ تصویر نمبر ۱ ملاحظہ فرمائیں ریمبراٹ کے اس شاہکار میں یہ نظر آرہا ہے کہ حضرت مسیح کو کس طرح کپڑے میں رکھا گیا تھا۔ اور خون اور جسم کے یہ نشان کپڑے پر کیسے آگئے۔ حضرت مسیح کفن میں برہنہ رکھے گئے تھے۔ یہودی طور طریقوں اور رسوم کی رو سے میت کو غسل دیا جانا ضروری تھا۔ اس لئے وہ سب سامان جو میت کے کفن دفن کے لئے ضروری تھا چونکہ وہ فوری طور پر مہیا نہ تھا۔ اس لئے صلیب سے فوراً ہی اتارنے کے بعد آپ کو برہنہ ہی اس کپڑے میں لپیٹ دیا گیا۔ اس لئے یہ کہنا صحیح معلوم ہوتا ہے کہ یہ کفن کا کپڑا نہیں بلکہ یہ وہ کپڑا ہے جس میں آپ کو صلیب سے اتارنے کے بعد آپ کو والدہ محترمہ کی گود میں لٹایا گیا تھا۔ مٹی وغیرہ سے بچانے کے لئے نصف چادر بچھا کر باقی نصف اوپر ڈال دی گئی۔ صحف مقدسہ کی رو سے اور یہودی رسم ورواج کے مطابق وہ میت کو تہمد باندھتے تھے۔ یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ دراصل یہ دفن کرنے کے وقت والا کپڑا یا کفن نہیں ہے۔ بلکہ یہ وہ کپڑا ہے جس میں آپ کو صلیب سے اتارنے کے بعد ایک مختصر سے وقفہ کے لئے لپیٹا گیا تھا۔

اس تصویر سے تمام وہ حالات سامنے آجاتے ہیں۔ جن میں حضرت مسیح کو صلیب دیا گیا۔ موجودہ سائنٹیفک آلات اس واقعہ کا سارا تانا بانا جوڑ دیتے ہیں۔ اور دوسرے بیانات اور واقعات کو اگر ساتھ جوڑا جائے تو مکمل کہانی یا واقعہ سامنے آجاتا ہے۔ اب چونکہ واقعہ کی ساری کڑیاں ایک ایک کر کے ملتی چلی جا رہی ہیں۔ تو اب خیال یہ ہے کہ اس کی ایک فلم بھی بنالی جائے۔

اب آپ آگے چلیں اور میں آپ کو کفن پر نشانات کی مختصر سی تفصیل ایک ایک کر کے بیان کرتا ہوں۔ حضرت مسیح کے زمانے میں یہ عام رواج تھا کہ کفن دفن کے وقت جس کپڑے میں میت کو لپیٹا جاتا تھا اسے ایلوے کے عرق میں بھگو لیتے تھے۔ مقصد اس کا یہ ہوتا تھا کہ یہ جراثیم سے پاک ہو جائے۔ (ہمارے ہاں پاکستان میں بھی میت کو نہلا دھلا کر کافور، عرق گلاب وغیرہ مل دیتے ہیں۔ اور یہ اس لئے کیا جاتا ہے تا کیڑے مکوڑے یا جراثیم زیادہ سے زیادہ دور رہیں) اور عجیب سانحہ یہ ہوا کہ ایلوے کے عرق نے کپڑے پر وہی کام کیا جو فوٹوگرافی کی ایک پلیٹ کام کرتی ہے اور جونہی حضرت مسیح کا مقدس جسم اس چادر میں رکھا گیا کیمیاوی عمل شروع ہو گیا آپ کے جسم سے جو گیسیں اور رطوبتیں خارج ہو رہی تھیں یہ ان کا نتیجہ تھا اور اسی نے ایلوے بھری چادر کو منفی پلیٹ میں منتقل کر دیا۔ اور یہ فوٹوگرافی کی خشک پلیٹ بن گئی اور حضرت مسیح کے جسم کی اس پر مکمل تصویر بن گئی۔

آپ کے مقدس جسم کے زخموں سے جو لہو بہہ کر کپڑے میں جذب ہوتا چلا جا رہا تھا اس سے بھی بڑے اہم اور دور رس نتائج اخذ کئے گئے ہیں۔ اور اس ہولناک واقعہ کے بارہ میں بالکل صحیح اندازے لگائے گئے ہیں حضرت مسیح علیہ السلام کے مقدس خون کے ان نشانات نے ہی اس چند گز کپڑے کو اس قدر تقدیس عطا کی۔ اور یہ آپ کا سب سے بیش قیمت تبرک بن گیا۔ تاریخی لحاظ سے اس کا درجہ انجیل کے برابر ہے۔ بلکہ اگر زیادہ

عمیق نظر سے دیکھا جائے تو یہ انجیل سے بھی زیادہ قدیم ہے۔ کیونکہ یہ ان دردناک واقعات کے زمانہ سے ہی محفوظ چلا آرہا ہے۔ اور حضرت مسیح کے اقوال یا الہامات تو اس زمانہ کے شاذ ہی محفوظ ہیں۔ اس زمانہ کے بنے ہوئے کاغذ کے چند ٹکڑے تو محفوظ ملتے ہیں۔ لیکن اس زمانہ کے علاوہ پہلی تین صدیوں کا کوئی محفوظ ریکارڈ دستیاب نہیں۔ اور نہ ہی ملتا ہے۔ اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ غریب عیسائی اپنی جانوں کے خوف سے غاروں میں زندگی بسر کرتے یا چھپ چھپا کر اپنا وقت گزارتے بدقسمتی سے اس قسم کی ہر چیز کو جیسے کہ یہ کفن ہے یا جسے عیسائی مقدس اور متبرک سمجھتے تھے۔ حکام بلا تاخیر اور بے دردی سے تلف کروا دیتے۔ حضرت مسیح کے صلیب پر دیئے جانے سے لے کر ۶۴ء تک یہی طرز عمل رہا۔ اور علوم انجیل کے بارے میں جن ماخذوں پر ہم انحصار کرتے ہیں وہ چوتھی صدی عیسوی سے شروع ہوتے ہیں۔ اب تک تمام ماخذ جن سے جملہ حالات کا پتہ چلتا ہے۔ وہ چوتھی صدی سے قبل ملتے ہی نہیں۔ صحائف قمران جو وادی قمران سے ۱۹۴۷ء میں دستیاب ہوئے وہ پہلی دستاویزات ہیں جو ۵۰ء تک عہد نامہ قدیم کی بعض عبارتوں کی تصدیق کرتی ہیں۔

یہ مقدس رداءِ کفن اتنی ہی حقیقی ہے جتنی کہ انجیل مقدس۔ اس حقیقت کے اظہار کے لئے اگر میں غیر معمولی طور پر عام اور معروف باتوں پر زور دوں تو آپ اس پر زیادہ تعجب نہ کریں۔

ابتدائی چند صدیوں کے عیسائیوں کے بارے میں معین تاریخی شہادتوں کا فقدان

انجیل اور چادرِ کفن دونوں میں نمایاں نظر آتا ہے۔ چوتھی اور پانچویں صدی کے بعد آخر کار انجیل مقدس کی مزید تصدیق مل گئی ہے۔ اسی طرح رداءِ کفن کی بھی شہادت موجود ہے۔ جس کا تاریخی ثبوت بڑا دلچسپ ہے۔

ملکہ یوڈوزیہ نے ۴۳۸ء میں اس قسم کی ایک چادرِ کفن قسطنطنیہ بھجوائی جو اس زمانہ کا مشرقی روم سمجھا جاتا تھا۔ اس کے بعد حیرت انگیز واقعات پیش آئے۔

اب آپ تصویر ۲ ملاحظہ فرمائیں۔ اس میں حضرت مسیح کی پشت بھی نظر آ رہی ہے۔ اس تصویر میں آپ کی ایک ٹانگ دوسری ٹانگ سے چھوٹی معلوم ہوتی ہے۔ یہ دائیں ٹانگ ہے۔ اس سے یہ واضح طور پر ثابت ہے۔ کہ یہ ہی چادرِ کفن ہے جس کی ۴۳۰ء سے لے کر ۱۲۰۰ء تک نمائش ہوتی رہی اور یہ وہی چادرِ کفن ہے جو ملکہ یوڈوزیہ نے ۴۳۸ء میں یروشلم سے قسطنطنیہ بھجوائی تھی۔ یہ تبرکات ملکہ کو اس وقت ملے تھے۔ جب وہ زیارت کے لئے یروشلم گئی تھی۔ ۱۲۰۴ء تک تو یہ چادر قسطنطنیہ رہی۔ جبکہ نواب آتو ڈی لاروش Otto de la Roche اسے بیسانسوں لے۔

خاندان شارنی کے سربراہان نے یہاں اس چادر کی نمائش کا اہتمام کیا۔ اور اس سے ان کی ناموری میں بڑا اضافہ ہوا۔ مالی منفعت بھی خوب حاصل ہوئی۔ لیکن ساتھ ہی کلیسا سے تنازعات اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس کی اصلیت کے بارہ میں شکوک وشبہات۔ الزامات اور جوابی الزامات کا طومار کھڑا ہوگیا۔ جو قریباً دو صدیوں تک جاری رہا۔ اس زمانہ میں ایک شخص نے

خود ہی یہ اعلان کر دیا کہ یہ جعل سازی اس کی ہے۔ اور یہ شاخسانہ اسی کا کھڑا کیا ہوا ہے۔ چادرِ کفن کا فریب تو اسی کی ایجاد ہے۔ یہ اعلان بعض لوگوں کے تو حسبِ حال تھا۔ لیکن وہ شخص خود اس بارہ میں جعل ساز معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں نے اس کی طرف توجہ نہیں کی تاریخوں میں اس کا نام تک نہیں ملتا۔ اور اس کا دعوے محض ایک مذاق یا طفلانہ کھیل معلوم ہوتا ہے۔ اور پوپ پائس یازدہم کے اس ارشاد کی روشنی میں اس کی ساری قلعی کھل جاتی ہے۔

"یہ (ردائِ کفن) دستِ انسانی کی صناعی نہیں"۔

یہ بحث و تکرار اس وقت ختم ہوئی جبکہ یہ چادر اطالیہ کے شاہی خاندان سیوائے کے قبضہ میں آئی۔ اور ۱۵۷۸ء سے اب تک یہ کلیسائے تورین میں محفوظ چلا آرہا ہے۔ جس کے لئے ۱۶۶۴ء میں قربان گاہ کے اوپر ایک خاص جگہ بنوائی گئی جس میں آج تک رکھا چلا آرہا ہے۔ یہ ہے وجہ تسمیہ جس کی وجہ سے اسے "حضرت مسیح کا کفن تورین کہا جاتا ہے۔

اب آپ ٹانگ کے چھوٹا ہونے کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔ کفن پہ چھوٹی ٹانگ کی تفصیل بالکل نمایاں ہے۔ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے۔ کہ جب آپ کے پاؤں کو صلیب پر میخوں سے چھیدا گیا۔ تو ایک ٹانگ دوسری کے اوپر رکھی گئی۔ اور جب آپ کو صلیب سے اتار کر چادر میں رکھا گیا تو لازمی طور پر آپ کا ایک گھٹنا دوسرے گھٹنے سے کچھ ہلکے طور پر کٹڑے

سے لگا جس وجہ سے اس ٹانگ کی تصویر جو دائیں معلوم ہوتی ہے چھوٹی نظر آتی ہے۔ اب یہ جو میں نے دائیں ٹانگ کہا تھا۔ یہ دانستہ کہا تھا۔ دراصل یہ بائیں ٹانگ ہے۔ کیونکہ تصویر میں دایاں حصہ بایاں اور بایاں حصہ دایاں بن جاتا ہے اور پہلے لوگوں نے جنہوں نے اسے اوّل اوّل دیکھا تو اس بات کو محسوس نہ کیا اور ان لوگوں نے حضرت مسیح کی اس تصویر کا معجزہ تصور کیا جو آپ اپنی اذیتوں اور تکلیفوں کے ثبوت کے طور پر ہمارے لئے چھوڑ گئے۔ لیکن آج یہ ثابت ہو گیا ہے کہ یہ عمل اور ردّ عمل کا کیس ہے۔

پروفیسر ہرٹ نے چیکوسلواکیہ کے ایک سائنسدان ڈاکٹر ہائی نیک Dr. Hynek کی ایک تحریر پیش کی جس سے ثابت ہوتا تھا کہ اس چادر کا قدامت پسند کلیسا پر کتنا گہرا اثر تھا۔ اور کلیسائے مغرب کے راہنما اپنے ایک مذہبی تہوار کے موقعہ پر ایک عَلَم دکھاتے جس پر حضرت مسیح کی شبیہ مبارک اسی طرح کی بنائی ہوتی۔ جیسے کہ آپ کو قبر میں رکھا گیا تھا۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ اس عَلَم پر جو تصویر بنائی گئی ہے۔ وہ اسی کفن پر سے لی گئی ہے۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس کفن کا علم نصرانی دنیا کو صدیوں سے تھا۔

غرض پروفیسر ہرٹ نے اپنا بیان یوں ختم کیا کہ قدامت پسندوں کی صلیب اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ "یہ تورین کا کفن مسیح" ۴۳۸ء سے لے کر ۱۲۰۴ء تک قسطنطنیہ میں محفوظ تھا اور ان مخلصین نے جنہوں نے اس کی تاریخ اور اصلیت کے بارہ میں شہادتیں فراہم کیں۔ وہ واقعی قابلِ فخر لوگ ہیں۔

نیلبیر کی کہانی

حاضرین میں سلیمان کا مصوّر دوست بیچ میں بول پڑا کہ جناب پروفیسر صاحب میں آرٹسٹ ہوں، مصور ہوں اور فن کی باریکیوں کو خوب سمجھتا ہوں۔ جناب! آپ نے فرمایا کہ چادر فوٹو گرافی کی منفی پلیٹ بن گئی۔ اور میں یہ خوب اچھی طرح جانتا ہوں اور سمجھتا ہوں کہ ایک مصور منفی تصویر بنا ہی نہیں سکتا۔ یہ اس کے احاطہ اقتدار میں ہی نہیں کہ وہ حقیقی منفی تصویر بنا سکے۔ انیسویں صدی سے قبل تو کیمرے ہی موجود نہ تھے۔ اس لئے اس زمانہ کے لوگوں کو منفی اور مثبت کا شعور ہی نہ تھا۔ آپ ذرا اس بات کی وضاحت فرمائیں کہ یہ چادر منفی کیسے ہے تو میرے لئے یہ تسلیم کرنا سہل ہو جائے گا کہ یہ چادر حقیقی رداءِ کفن ہی ہے۔

پروفیسر صاحب نے جھٹ بلا تکلف جواب دیا کہ یہ کونسی مشکل ہے لیکن یہ دلچسپ بات سن لیں۔ کہ اس چادر پر ۱۸۹۸ء میں دراصل تحقیق شروع ہوئی جبکہ اٹلی کے شہر تورین میں اس کی نمائش ہو رہی تھی۔ ہر ۳۲ سال کے بعد اس کی نمائش کی جاتی ہے۔ اس وقت ایک اطالوی وکیل جو شوقیہ فوٹو گرافی کرتا تھا۔ اس نے اس چادر کی کیمرے سے تصاویر اتاریں۔ اس شخص کا نام سیکونڈ پیا تھا۔ اس نے تصویر اتار کر جب پلیٹ کو دیکھا تو اس نے اس پر ایک انسانی تصویر دیکھی۔ اور وہ تو اسے دیکھ کر بھونچکا رہ گیا۔ اور دہشت میں شیشے کی پلیٹ گرتے گرتے بچی۔ انیس سو برس سے کسی نے یہ تصویر نہ دیکھی تھی۔ اس عجوبۂ روزگار

کی تحقیق کا یہ نقطۂ آغاز تھا۔

۱۹۳۳ء میں یعنی ۳۲ برس بعد اس چادر کی پھر نمائش ہوئی تو ایک ماہر فوٹوگرافر نے اس کی تصاویر اتاریں۔ اور اس مرتبہ یہ تصاویر سرکاری اور معتدد مذہبی شخصیات کی موجودگی میں اتاری گئیں۔ اس پیشہ ور ماہر فوٹوگرافر کا نام جیورپ انری Giuseppe Enri تھا اور ان تصاویر نے پیا کی تصاویر کی تصدیق کردی۔ ماہرین فن نے اس بات کی شہادت دی کہ یہ تصویریں حقیقی ہیں۔ انہیں Retouch ہرگز نہیں کیا گیا۔ نہ منفی تصاویر کو اور نہ مثبت تصاویر کو۔ اور یہ تنقید سے بالا ہیں۔

اب بزرگ کی تصویر دیکھیں اس میں چہرہ کی تصویر نظر آرہی ہے اور یہ تصویر انیس سو برس سے اس چادر پر ثبت ہے۔ فوٹو میں تفصیلات نمایاں ہوجاتی ہیں اس لئے یہ تصویر بہت واضح ہے۔ اور انتہائی حیران کن ہے۔ اس تصویر میں صاحب تصویر کے خدوخال کس قدر حقیقی اور قدرتی ہیں اور یہ بالکل وہی ہیں کہ جو انیس سو برس گزرے چادر کفن پر مرتسم ہو چکے تھے۔ اور ۱۸۹۸ء یا ۱۹۲۱ء تک انسان کی نگاہ ان خدوخال پر نہ پڑی تھی۔ یہ تھا ہمارے مقدس یسوع کا چہرہ مبارک جو آج ہمارے زمانہ تک کے لئے محفوظ کر دیا گیا۔

اب یہ فوٹوگرافک منفی ان خدوخال کو بالکل قدرتی طریق پر بطور مثبت واضح کر رہا ہے۔ اور جو اس فنی عمل کو اچھی طرح جانتا ہے اسے معلوم ہوجائیگا۔ کہ اس کفن پر کسی زمانہ میں بھی ہرگز جعلسازی نہیں کی گئی اور یہی بات اس کفن کو حقیقی ثابت کر رہی ہے۔

اب پروفیسر صاحب دس منٹ کے لئے چلے گئے اور کہہ گئے کہ اس کے بعد میں آپ کو سب سے زیادہ حیران کن بات بتاؤں گا۔ جس کے لئے آپ کو ہمہ تن گوش ہونا ہوگا۔ دس منٹ کے بعد جب پروفیسر صاحب واپس آئے تو سائنس کی دنیا سے الگ ہو کر عمل اور ردِ عمل۔ تجربات۔ ٹھوس اور مادی اشیاء۔ فوٹو گرافی اور مشینی تجربات سے بالا ہو کر گفتگو کرنے لگے۔ جو روحانی عالم سے تعلق رکھتی تھیں۔ جن کا ثبوت اس مادی دنیا میں نہیں ہوتا جب تک کہ اصل واقعہ ظہور پذیر نہ ہو جائے۔

یہاں تک تو پروفیسر ہرٹ صاحب اپنے سامعین کو ردائے کفن کی تفاصیل سمجھا رہے تھے۔ لیکن اب جو بات انہوں نے شروع کی اسکی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے جو ہم کر رہے ہیں۔

ایک روحانی انسان جب دنیا کو اپنے ماوراء کے تجربات بیان کرتا ہے تو اکثر لوگ اسے مجذوب سمجھتے ہیں۔ کچھ مداری کا کھیل سمجھتے ہیں۔ اور کچھ شعبدہ بازی سمجھتے ہیں۔ لیکن روحانی لوگ کچھ اس سے الگ ہی ہوتے انہیں اس دنیا سے کچھ کام نہیں ہوتا۔

یہ لوگ خدا تعالےٰ سے اپنا پیوند جوڑتے ہیں۔ ان کا ناطہ اس وراء الوراء ہستی سے ہوتا ہے جو اس دنیا کی خالق اور مالک ہے۔ وہی ہستی اپنے بندے سے پیار کرتی ہے مشکلات کے موقعہ پر اس کے لئے سینہ سپر ہوتی ہے۔ دشمنوں کے سب منصوبے خاک میں ملتے ہیں۔ وہی ہستی ان کے لئے غمخوار ہوتی ہے۔ اور انسانوں میں سے ان کے لئے ایسے جاں نثار

پیدا کرتی ہے جو اس کے گرد پروانہ وار گھومتے ہیں۔ زندہ خدا ان لوگوں کو غیب کی خبریں بھی دیتا ہے اور اس کثرت سے دیتا ہے کہ یہ بات دنیا کے لئے باعث حیرت ہوتی ہے۔ چونکہ یہ ایک بارش کا سا سماں ہوتا ہے اس لئے ان ایام میں اللہ تعالےٰ اس نعمت سے دوسروں کو بھی حصّہ دیتا ہے۔ تا وہ بھی اس لذت سے آشنا ہوں اور انہیں اللہ کے اس بندے کی صداقت کا شعور ہو جائے۔ اس مضمون کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تفصیل کے ساتھ اپنی کتب میں بیان فرمایا ہے اور حقیقۃ الوحی جو آپ کی معرکۃ الآراء کتاب ہے اس میں تو اس مضمون کی باریکیوں کو بھی بیان فرمایا ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت اقدس کا مختصر بیان ملاحظہ فرمائیں تو آپ کو اس کا اندازہ ہو جائیگا۔ کہ اس کا کیا مطلب اور کیا مفہوم ہے۔

" واضح ہو کہ چونکہ انسان اس مطلب کے لئے پیدا کیا گیا ہے کہ اپنے پیدا کرنے والے کو شناخت کرے اور اس کی ذات اور صفات پر ایمان لانے کے لئے یقین کے درجہ تک پہنچ سکے۔ اس لئے خدا تعالےٰ نے انسانی دماغ کی بناوٹ کچھ ایسی رکھی ہے کہ ایک طرف تو معقولی طور پر ایسی قوتیں اس کو عطا کی گئی ہیں جن کے ذریعہ سے انسان مصنوعاتِ باری تعالےٰ پر نظر کر کے اور ذرہ ذرہ عالم میں جو جو حکمتِ کاملہ حضرت باری عزّ اسمہٗ کے نقوش لطیفہ موجود ہیں اور جو کچھ ترکیب ابلغ اور محکم نظام عالم میں پائی جاتی ہے۔ اس کی تہہ تک پہنچ کر پوری بصیرت سے اس بات کو سمجھ لیتا ہے کہ یہ اتنا بڑا کارخانہ زمین و آسمان کا بغیر صانع کے خود بخود موجود نہیں ہو سکتا بلکہ ضرور ہے کہ اس کا کوئی صانع

ہو اور پھر دوسری طرف روحانی حواس اور روحانی قوتیں بھی اس کو عطا کی گئی ہیں۔ تا وہ قصور اور کمی جو خدا تعالےٰ کی معرفت میں معنوی قوتوں سے رہ جاتی ہے روحانی قوتیں اس کو پورا کر دیں۔ کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ محض معنوی قوتوں کے ذریعہ سے خدا تعالےٰ کی شناخت کلی طور پر نہیں ہو سکتی۔ وجہ یہ کہ معقولی قوتیں جو انسان کو دی گئی ہیں۔ ان کا تو صرف اس حد تک کام ہے کہ زمین و آسمان کے فرد فرد یا ان کی ترکیب محکم اور ابلغ پر نظر کر کے یہ حکم دیں کہ فی الحقیقت وہ صانع موجود بھی ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ بغیر اس کے انسان کی معرفت اس حد تک پہنچ جائے کہ درحقیقت وہ صانع موجود ہے۔ صرف ضرورت صانع کو محسوس کرنا کامل معرفت نہیں کہلا سکتی۔ کیونکہ یہ قول کہ ان مصنوعات کا کوئی صانع ہونا چاہیئے اس قول سے ہرگز برابر نہیں ہو سکتا کہ وہ صانع جس کی ضرورت تسلیم کی گئی ہے فی الحقیقت موجود بھی ہے۔ لہذا حق کے طالبوں کو اپنا سلوک تمام کرنے کے لئے اور اس فطرتی تقاضا کو پورا کرنے کے لئے جو معرفت کاملہ کے لئے ان طبائع میں مرکوز ہے اس بات کی ضرورت ہوئی کہ علاوہ معقولی قوتوں کے روحانی قوے بھی ان کو عطا ہوں۔ تا اگر روحانی قوتوں سے پورے طور پر کام لیا جائے۔ اور درمیان میں کوئی حجاب نہ ہو تو وہ اس محبوب حقیقی کا چہرہ ایسے صاف طور پر دکھلا سکیں۔ جس طور سے صرف عقلی قوتیں اس چہرہ کو دکھلا نہیں سکتیں۔ پس وہ خدا جو رحیم و کریم ہے جیسا کہ اس نے انسانی فطرت کو اپنی کامل معرفت کی بھوک اور پیاس لگا دی ہے۔ ایسا ہی اس نے اس معرفت کاملہ تک پہنچانے کے لئے انسانی فطرت کو دو قسم کے قوے عنایت فرمائے ہیں۔ ایک معقولی قوتیں

جن کا منبع دماغ ہے اور ایک روحانی قوتیں جن کا منبع دل ہے۔ اور جن کی صفائی دل کی صفائی پر موقوف ہے۔ اور جن باتوں کو معقولی قوتیں کامل طور پر دریافت نہیں کر سکتیں۔ روحانی قوتیں ان کی حقیقت تک پہنچ جاتی ہیں اور روحانی طاقتیں صرف انفعالی طاقت اپنے اندر رکھتی ہیں یعنی ایسی صفائی پیدا کرنا کہ مبدءِ فیض کے فیوض ان میں منعکس ہو سکیں۔ سو ان کے لئے یہ لازمی شرط ہے کہ حصول فیض کے لئے مستعد ہوں اور حجاب اور روک درمیان میں نہ ہو تا خدا تعالےٰ سے معرفت کاملہ کا فیض پا سکیں۔ اور صرف اس حد تک ان کی شناخت محدود نہ ہو کہ اس عالم پُر حکمت کا کوئی صانع ہونا چاہیئے۔ بلکہ اس صانع سے شرف مکالمہ مخاطبہ کامل طور پر پا کر اور بلا واسطہ اس کے بزرگ نشان دیکھ کر اس کا چہرہ دیکھ لیں اور یقین کی آنکھ سے مشاہدہ کر لیں کہ فی الحقیقت وہ صانع موجود ہے۔ لیکن چونکہ اکثر انسانی فطرتیں حجاب سے خالی نہیں اور دنیا کی محبت اور دنیا کا لالچ اور تکبر اور نخوت اور عُجب اور ریاکاری اور نفس پرستی اور دوسرے اخلاقی رذائل اور حقوق اللہ اور حقوق عباد کی بجا آوری میں عمداً قصور اور تساہل اور شرائط صدق و ثبات اور دقائق محبت اور وفا سے عمداً انحراف اور خدا تعالےٰ سے عمداً قطع تعلق اکثر طبائع میں پایا جاتا ہے۔ اس لئے وہ طبیعتیں بباعث طرح طرح کے حجابوں اور پردوں اور روکوں کے اور نفسانی خواہشوں اور شہوات کے اس لائق نہیں کہ قابل قدر فیضان مکالمہ اور مخاطبہ الٰہیہ

کا ان پر نازل ہو۔ جس میں قبولیتِ انوار کا کوئی حصّہ ہو۔ ہاں عنایت ازلی نے جو انسانی فطرت کو ضائع کرنا نہیں چاہتی تخم ریزی کے طور پر اکثر انسانی افراد میں یہ عادت اپنی جاری کر رکھی ہے کہ کبھی کبھی سچی خوابیں یا سچے الہام ہو جاتے ہیں تا وہ معلوم کر سکیں کہ ان کے آگے قدم رکھنے کے لئے ایک راہ کھلی ہے۔ لیکن ان خوابوں اور الہاموں میں خدا کی قبولیت اور محبّت اور فضل کے کچھ آثار نہیں ہوتے اور نہ ایسے لوگ نفسانی نجاستوں سے پاک ہوتے ہیں۔ اور خوابیں محض اس لئے آتی ہیں کہ تا ان پر خدا کے پاک نبیوں پر ایمان لانے کے لئے ایک حجّت ہو۔ کیونکہ اگر وہ سچی خوابوں اور سچّے الہامات کی حقیقت سمجھنے سے قطعاً محروم ہوں اور اس بارہ کوئی ایسا علم جس کو علم الیقین کہنا چاہیئے ان کو حاصل نہ ہو تو خدا تعالےٰ کے سامنے ان کا عذر ہو سکتا ہے۔ کہ وہ نبوت کی حقیقت کو سمجھ نہیں سکتے تھے۔ کیونکہ اس کوچہ سے بالکل ناآشنا تھے۔ اور وہ کہہ سکتے

ہیں کہ نبوت کی حقیقت سے ہم محض بے خبر تھے۔ اور اس کے سمجھنے
کے لیئے ہماری فطرت کو کوئی نمونہ نہیں دیا گیا تھا پس ہم اس مخفی
حقیقت کو کیونکر سمجھ سکتے۔ اس لئے سنت اللہ اور قدیم سے اور جب
سے دنیا کی بنا ڈالی گئی اس طرح پر جاری ہے کہ نمونہ کے طور پر
عام لوگوں کو قطع نظر اس کے کہ وہ نیک ہوں یا بد ہوں اور صالح
ہوں یا فاسق ہوں اور مذہب میں سچے ہوں یا جھوٹا مذہب رکھتے
ہوں کسی قدر سچی خوابیں دکھلائی جاتی ہیں یا سچے الہام بھی دیئے جاتے
ہیں تا ان کا قیاس اور گمان جو محض نقل اور سماع سے حاصل ہے۔
علم الیقین تک پہنچ جائے۔ اور تا روحانی ترقی کے لئے ان کے ہاتھ
میں کوئی نمونہ ہو۔ اور حکیم مطلق نے اس مدعا کو پورا کرنے کے لئے
انسانی دماغ کی بناوٹ ہی ایسی رکھی ہے۔ اور روحانی قوے اس کو
دیئے ہیں کہ وہ بعض سچی خوابیں دیکھ سکتا ہے۔ اور بعض سچے الہام پا سکتا
ہے۔ مگر وہ سچی خوابیں اور سچے الہام کسی وجاہت اور بزرگی پر دلالت

نہیں کرتے بلکہ وہ محض نمونہ کے طور پر ترقی کے لئے ایک راہیں ہوتی ہیں اور اگر ایسی خوابوں اور الہاموں کو کسی بات پر کچھ دلالت ہے تو صرف اس بات پر کہ ایسے انسان کی فطرت صحیح ہے۔ بشرطیکہ جذبات نفسانیہ کی وجہ سے انجام بد نہ ہو۔ اور ایسی فطرت سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ اگر درمیان میں روکیں اور حجاب پیش نہ آئیں تو وہ ترقی کر سکتا ہے۔ جیسے مثلاً ایک زمین ہے کہ جس کی نسبت بعض علامات سے ہمیں معلوم ہو گیا۔ کہ اس کے نیچے پانی ہے۔ مگر وہ پانی زمین کی کئی تہوں کے نیچے دبا ہوا ہے اور کئی قسم کا کیچڑ اس کے ساتھ ملا ہوا ہے اور جب تک ایک پوری مشقت سے کام نہ لیا جائے۔ اور زمین کو بہت دنوں تک کھودا نہ جائے۔ تب تک وہ پانی جو شیریں اور قابل استعمال ہے نکل نہیں سکتا۔ پس یہ کمال شقوت اور نادانی اور بدبختی ہے کہ یہ سمجھ لیا جائے کہ انسانی کمال بس اسی پر ختم ہے کہ کسی کو کوئی سچی خواب آجائے یا سچا الہام ہو جائے۔ بلکہ انسانی کمال کے لئے اور بہت سے لوازم اور شرائط ہیں اور جب تک وہ مستحق نہ ہوں تب تک یہ خوابیں اور الہام بھی مکر اللہ میں داخل ہیں۔ خدا ان کے شر سے ہر ایک سالک کو محفوظ رکھے۔"

(حقیقۃ الوحی صد ۵ تا صد ۹۔ بحوالہ روحانی خزائن جلد ۲۲ صد ۷ تا ۱۱)

پھر اسی کتاب کے صد ۶ پر حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ جب آسمان سے مقرر ہو کر ایک نبی یا رسول آتا ہے تو اس نبی کی برکت سے عام طور سے ایک نور حسب مراتب استعدادات آسمان سے نازل ہوتا ہے۔

اور انتشارِ روحانیت ظہور میں آتا ہے۔ تب ہر ایک شخص خوابوں کے دیکھنے میں ترقی کرتا ہے اور الہام کی استعداد رکھنے والے الہام پاتے ہیں اور روحانی امور میں عقلیں بھی تیز ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ جیسا کہ جب بارش ہوتی ہے۔ تو ہر ایک زمین کچھ نہ کچھ اس سے حصہ لیتی ہے۔ ایسا ہی اس وقت ہوتا ہے۔ جب رسول کے بھیجنے سے بہار کا زمانہ آتا ہے۔ تب ان ساری برکتوں کا موجب دراصل وہ رسول ہوتا ہے اور جس قدر لوگوں کو خوابیں یا الہام ہوتے ہیں دراصل ان کے کھلنے کا دروازہ وہ رسول ہی ہوتا ہے کیونکہ اس کے ساتھ دنیا میں ایک تبدیلی واقع ہوتی ہے اور آسمان سے عام طور پر ایک روشنی اترتی ہے۔ جس سے ہر ایک شخص حسب استعداد حصہ لیتا ہے۔ وہی روشنی خواب اور الہام کا موجب ہوتی ہے۔ اور نادان خیال کرتا ہے کہ میرے ہنر سے ایسا ہوا ہے مگر وہ چشمہ الہام اور خواب کا صرف اس نبی کا دنیا پر کھولا جاتا ہے اور اس کا زمانہ ایک لیلۃ القدر کا زمانہ ہوتا ہے۔ جس میں فرشتے اترتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ تنزّل الملٰئکۃ والروح فیھا باذن ربھم من کل امرٍ سلام جب سے خدا نے دنیا پیدا کی ہے۔ یہی قانونِ قدرت ہے۔"

(حقیقۃ الوحی بحوالہ روحانی خزائن جلد ۲۲ ص۱۹ حاشیہ)

اپنے مضمون کی طرف لوٹتے ہوئے اب ہم پروفیسر صاحب کے ایک واقعہ سے اپنا بیان شروع کرتے ہیں اور یہ بات سچی ہے یا نہیں۔ اس پر بحث نہیں کرتے۔ لیکن پروفیسر صاحب نے بیان فرمایا کہ ۱۹۵۵ء میں جناب پوپ نے اپنا ایک رویا بیان کیا۔ جس میں انہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کو دیکھا اور اخباروں میں بھی اس کا چرچا ہوا۔ یہ خبریں اس لئے قابلِ اعتبار سمجھی گئیں۔ کیونکہ جناب پوپ قابلِ اعتبار شخصیت ہیں۔ جناب پوپ اپنی رویا کا ٹھوس ثبوت تو پیش نہیں کر سکے۔ کیونکہ اس دنیا میں ان امور کا کوئی مادی اور ٹھوس ثبوت تو دیا نہیں جا سکتا اور نہ ہی دیا جاتا ہے۔ انہیں ثابت بھی کیسے کیا جائے۔ خواہ جناب پوپ ہوں یا ایک عام آدمی۔ ان آسمانی اور روحانی باتوں کو دنیاوی اور مادی اشیاء ثابت کرنے کے قابل نہیں۔

پروفیسر صاحب نے بڑے زور سے یہ فرمایا کہ اب میں اس یعنی "واقعہ مسیح" کا حتمی ثبوت دینے کو تیار ہوں جو اس دنیا میں پہلی مرتبہ ظہور پذیر ہوا ہے۔ اس کی تفصیل بھی انہوں نے بتائی۔ جناب پوپ کے رؤیے سات برس پہلے یعنی ۱۶ اور ۲۳ فروری کی درمیانی تاریخوں میں ایک ۲۵ سالہ کیتھولک نوجوان نے ایسی ہی رویا دیکھی۔ جو جناب پوپ نے سات برس کے بعد دیکھی۔ اس کا نام ہینس نیبر Hans Naber تھا۔ اس نے بتایا کہ حضرت مسیح اس سے ملے ہیں۔ اس سے باتیں کی ہیں اور اپنی بادشاہت کے بارہ میں تمام مسیحیوں کو ایک پیغام دیا ہے۔

اب پروفیسر صاحب نے حاضرین سے دریافت کیا کہ اس سائنسی دنیا میں

کیا آپ اس شخص کو مخبوط الحواس کہیں گے یا صاحب عقل و دانش۔ لیکن بغیر ثبوت کے کیا کہا جا سکتا ہے۔

اس نوجوان کے لئے بڑی مشکل کا سامنا تھا۔ وہ کرتا تو کیا کرتا۔ آخر اس نے ارباب کلیسا کو پیغام سنا ہی دیا۔ اور یہ بات دوسرے حلقوں میں بھی پہنچا دی گئی۔ اور اس پیغام میں ایک مرکزی نقطہ تھا۔ اور حضرت مسیح نے اسے ایک راز سے آگاہ کیا تھا۔ اور راز بھی وہ راز جو صرف حضرت مسیح کو ہی علم تھا۔ اور اپنی انیس سو سالہ قبل ارضی زندگی سے لے کر ۲۳ فروری ۱۹۴۷ء تک یہ راز کسی کو نہ بتایا تھا۔ وہ راز کیا تھا وہ پیغام کیا تھا۔ یہ راز حضرت مسیح کا اپنا راز تھا۔ آپ نے اس نوجوان کو فرمایا

"سنو غور سے سنو! میں نے صلیب پر جان نہیں دی۔"

پروفیسر صاحب کے اس بیان کو یہاں پر چھوڑتے ہوئے ہم اس بات کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں کہ دیکھیں کس طرح اللہ تعالیٰ انتشار (بنت) زدہ کے انتظام فرماتا ہے۔ کیسے کیسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے الہام سے مشرف فرمایا۔ اور اپنے رازوں سے آگاہ کیا۔ حضرت مسیح علیہ السلام صلیب پر فوت نہیں ہوئے۔ آپ صلیب پر سے زندہ بچ گئے۔ عیسائی دنیا کے لئے یہ ایک راز ہی تھا۔ پروفیسر صاحب کا یہ کہنا کہ راز صرف حضرت مسیح کو ہی علم تھا جو آپ نے صرف اس نوجوان کو ہی بتایا۔ یہ ان کی غلط فہمی ہے۔ انہیں یہ کتنی بڑی غلطی لگی کہ ۲۳ فروری ۱۹۴۷ء تک حضرت مسیح نے یہ راز کسی کو نہ بتایا تھا۔ اور اسے اس نوجوان کے سوا اور کوئی نہ جانتا تھا۔ حالانکہ اگر پروفیسر صاحب یورپ میں کسی

بھی احمدی سے ملاقات کرتے تو وہ انہیں تفصیل بتاتا کہ حضرت مسیح کی اپنی انیس سو سالہ قبل پیشگوئیوں کے ماتحت حضرت مسیح دوبارہ دنیا میں تشریف لا چکے ہیں اور وہ اس بات کا ایک بار نہیں ہزار بار اعلان کر چکے ہیں کہ حضرت مسیح صلیب پر فوت نہیں ہوئے۔ یہودی انہیں قتل نہ کر سکے۔ اور وہ یہودی قانون کے تحت لعنتی بھی نہ ہوئے۔ ان کی باغ والی دعا ان کے خدا نے سنی اور انہیں لعنتی موت سے بچا لیا۔ یہ اعلان آپ نے ۱۸۹۲ء میں ہی فرما دیا تھا۔ اور اس کے بعد مسلسل اور متواتر دسیوں نہیں بیسیوں کتابیں اس موضوع پر لکھیں۔ یہاں تک کہ دنیا کی طاقتور ترین عیسائی ملکہ کو بھی یہ پیغام پہنچا دیا۔ اس کے بعد آپ کے جانشین خلفاء نے اس الٰہی پیغام کو دنیا کے کناروں تک پہنچایا۔ ۱۹۴۷ء میں اس وقت جماعت احمدیہ کا لنڈن تو کیا سارے یورپ میں مشنوں کا جال بچھ چکا تھا۔ لاکھوں سعید روحیں اس عقیدے پر ایمان لا چکی تھیں کہ حضرت مسیح صلیب پر فوت نہیں ہوئے بلکہ زندہ بچ گئے اور لعنتی موت نہیں مرے اور اپنی پیشگوئی کے ماتحت اپنی گمشدہ بھیڑوں کے پاس کشمیر آئے۔ اور ایک سو بیس سال کی طبعی عمر پا کر طبعی موت سے فوت ہوئے۔

خدا کی کس قدر عجیب حکمتیں ہیں ان کو کون پا سکتا ہے۔ اس نوجوان نے جو رویا دیکھی اگر یہ حقیقت ہے تو واقعی عجیب ہے۔ ایک عیسائی اور وہ بھی کیتھولک وہ نظارہ دیکھتا ہے کہ جس سے عیسائیت کی بنیادیں ہل جائیں گی۔ اور جو اس نے دیکھا اگر اسے نصرانی دنیا قبول کر لے تو صفحۂ ہستی سے عیسائیت کی صف لپیٹ دی جائے گی۔ اسے ہرگز اس بات کا علم نہیں تھا۔ کہ حضرت مسیح

دوبارہ اپنی پیشگوئیوں کے ماتحت دنیا میں تشریف لا چکے ہیں۔ اور آپ کے حواری اور مرید اور رجال نثار سارے یورپ میں آپ کی آمد کی منادی کر رہے ہیں۔ لیکن پندرہ برس کے بعد جب وہ اپنی اس تحقیق میں پوری طرح مصروف تھا تو اسے جرمنی اور سوئٹزرلینڈ میں مسیح ثانی کے مبشرین سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ لیکن وہ اپنی تحقیق میں اس طرح غرق تھا کہ اسے احمدی لٹریچر اور عقائد کا پوری طرح مطالعہ کرنے کا موقعہ نہ ملا۔ لیکن بعد میں جب اس نے خالی الذہن ہو کر غور کیا تو اس پر حقیقت حال کھل گئی۔ وہ حضرت مسیح ثانی حضرت میرزا غلام احمد قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کا قائل ہو گیا۔ اور یہ کتنا حیرت انگیز انقلاب ہے۔ ہم یہ بات لکھنے میں انتہائی مسرت محسوس کر رہے ہیں کہ ابھی چند دن ہوئے کہ اس نوجوان کا ہمیں ایک خط ملا جس پر اس کے دو جگہ دستخط ہیں جس میں نے برملا اظہار کیا کہ وہ تسلیم کرتا ہے کہ حضرت مرزا غلام احمد اللہ تعالیٰ کے سچے رسول تھے۔ آپ کی پیش خبریاں اسی طرح سچی ثابت ہو رہی ہیں۔ جیسا کہ انہوں نے بیان فرمائی تھیں۔ ذیل میں آپ اس کے خط کے چند فقرات ملاحظہ فرمائیں۔

How I could see in many facts in the last twenty years Hazrat Mirza Ghulam Ahmad is a real messenger of God like a Prophet, because much of his teaching do prove true.

Please see me right I am a professional author and the first discoverer of the Holy Shroud, that Jesus did not die on the cross (the first, because others rised up), and naturally, in 1958 I was reading in Zurich that Mirza Ghulam Ahmad had propagated—'Jesus-did-not-die on the Cross and his body is buried in Srinagar, Kashmir'.

پروفیسر ہرٹ کے نزدیک یہ وہ راز تھا جو سوائے حضرت مسیح کے کسی کو علم نہ تھا آپ کا کوئی حواری بھی اس راز سے واقف نہ تھا۔ اور نہ ہی کسی اور متنفس کو اس سے آگاہی تھی۔ یہاں تک کہ روح القدس بھی اس بارہ میں خاموش ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک اصولی طور پر یہ بات ناقابلِ فہم ہے کہ روح القدس وہ راز افشا کر دے۔ جسے حضرت مسیح راز رکھنا چاہیں۔ حالانکہ انجیل میں صاف لکھا ہے کہ حضرت مسیح اماؤس جاتے ہوئے راستہ میں اپنے حواریوں سے ملے۔ انہیں جب اپنے آقا کو دیکھ کر تعجب ہوا تو انہوں نے ان کی ڈھارس بندھائی۔ انہیں اپنے زخم دکھا کر یقین دلایا کہ آپ وہی مسیح ہیں جو چند گھنٹے پہلے صلیب دیئے گئے تھے۔ اور یہ زخم صلیب کے ہی زخم ہیں۔ پھر مزید یقین دہانی کے لئے ان سے مچھلی لے کر کھائی۔ تا انہیں ان کی ارضی زندگی کا یقین آجائے۔ لیکن مصلحتِ وقت یہی تھی کہ اس کا چرچا نہ کیا جاتا۔ ورنہ خوف تھا کہ یہودی اپنے شکار کو یوں آسانی سے نہ جانے دیتے۔ وہ انہیں دوبارہ پکڑتے اور صلیب پہ کھینچتے۔ اس لئے اس کو عام لوگوں اور عمّالِ حکومت سے مخفی رکھا گیا۔ اور بہانے کئے گئے تا یہ بات عوام تک نہ پہنچ جائے۔ یہاں تک کہ کہانی مشہور کر دی گئی کہ تین دن کے بعد آپ مُردوں میں سے جی اٹھے۔ اور آسمان پر چڑھ گئے۔ اب زمین پر سے تو کسی ملزم کو تلاش کرنا آسان ہے۔ پولیس کے ذریعہ یا فوج کے ذریعہ کسی بھی مفرور کو گھیرا اور پکڑا جا سکتا ہے۔ لیکن آسمان سے پکڑ کر کون لا سکتا ہے۔ یہ بات تو ظاہر ہو چکی تھی کہ آپ کو جس قبر میں رکھا گیا تھا وہ خالی تھی۔ اور

اس خوف سے کہ سرکاری گماشتے اور اہلکار اور دوسرے یہودی آپ کو پکڑنے کی کوئی سبیل نہ کریں یہی کہانی مشہور کرنا مناسب خیال کیا گیا کہ آپ آسمان پر چڑھ گئے۔ اب آسمان سے اتار کر لانے کی کس کو طاقت حاصل ہے۔ اس لئے بیچارے یہودی اور حکام بے بس ہو کر بیٹھ گئے ہوں گے۔

عیسائی دنیا آج تک اس گمان میں رہی کہ حضرت مسیح آسمان پر تشریف لے گئے۔ لیکن اس زمانہ میں اس رداءِ کفن نے یہ پردہ اٹھایا کہ حضرت مسیح فوت نہیں ہوئے تھے۔ بلکہ زندہ ہی اس میں لپیٹے گئے تھے۔ آپ کو صلیب جان سے نہ مار سکی۔ آپ لعنتی موت نہ مرے۔ اور عیسائیوں کے لئے کفارہ بھی نہ ہوئے۔ یہ چادر کفن ہی ہے جس نے اس بات کا ناقابلِ تردید ثبوت مہیا کیا ہے کہ حضرت مسیح نے صلیب پر جان نہیں دی اور اللہ تعالٰے نے اپنے پیارے نبی اور مسیح کی دعاؤں کو شرفِ قبولیت بخشا اور ان کی آہ و زاری کو سنا۔ یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ خدا کا ایک پیارا اپنے مولےٰ کے حضور ساری رات چلّاتا اور روتا ہے اور گڑگڑاتا ہے اور اس کے سارے آنسو۔ ساری آہیں اور ساری مناجاتیں رائیگاں جائیں۔ یہ سنت اللہ کے ہی خلاف ہے۔ پس آپ صلیب سے بچائے گئے۔ آپکو صلیب پر سے زندہ اتارا گیا۔ یہودیوں کی آنکھوں پر پردہ پڑ گیا۔ رومن گورنر جنرل کی عقل پر پتھر پڑ گئے۔ تا خدا کی بات پوری ہو۔ خدا کے لاڈلے اس کے پیارے ہی رہیں۔ لعنتیں ان سے دور رہیں۔ اور ان کے قریب بھی نہ پھٹکیں وہ پاک رہیں اور صاف رہیں۔ ان کے درجات بلند ہوں۔ وہ دنیا میں بھی معزز ہوں اور آخرت میں بھی وہ وجیھًا فی الدنیا ہوں اور وجیھًا فی الآخرۃ

بھی ہوں۔ یہ تو اس زمانہ کے غریب عیسائیوں نے محض حکومت اور مخالف یہودیوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لئے ڈھونگ رچایا کہ ان کا مرشد آسمان پر چلا گیا اور بعد میں پولوس نے اپنی دکان چمکانے کے لئے اس عقیدہ کو بنیاد بنالیا جو آج تک عیسائی دنیا کی گمراہی کا باعث بنا ہوا ہے۔ اور یہ قوم آج تک اسی غلط خیال میں مبتلا چلی آرہی ہے کہ حضرت مسیح صلیب پر فوت ہو گئے۔ تیسرے دن جی اٹھے۔ اور پھر اسی جسد عنصری کے ساتھ آسمان پر تشریف لے گئے۔ اور آخری زمانہ میں فرشتوں کے کندھوں پہ ہاتھ رکھے اس دنیا میں ظاہر ہوں گے عیسائیوں کی اصلاح کرینگے اور ساتھ ہی مسلمانوں کی بھی اصلاح فرمائیں گے۔ مسلمانوں کی اصلاح کیوں فرمائیں گے۔ مسلمان ایک اسرائیلی نبی کو جو صرف بنی اسرائیل کیلئے مبعوث ہوا ایمان لے آئیں گے، امت محمدیہ جو خیر امت ہے۔ امتِ وسطیٰ ہے خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم کی نام لیوا ہے جو اس عالمگیر نبی کی قوم ہے۔ جو سارے عالم کے لئے مبعوث ہوا۔ کیا ایک علاقائی نبی اس قوم کی اصلاح کرے گا۔ یہ ایک مستقل موضوع ہے جو اس وقت خارج از بحث ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے۔ آپ کے خلفاء نے۔ آپ کے سینکڑوں جاں نثاروں نے اس پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ آج یہ پامال مسئلہ ہے۔ جماعت احمدیہ کا فتح مندانہ نشان ہے۔ کہ آج اس مسئلہ پر کوئی بحث کے لئے تیار ہی نہیں ہوتا۔ یہ کہہ کر بحث ہی ختم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ مسیح مر گیا یا زندہ ہے اس سے کسی کو کیا سروکار۔ حالانکہ یہ وہ مسئلہ ہے کہ اگر آج مسیح زندہ ہے تو عیسائیت زندہ ہے۔ اور اسلام اور مسلمانوں کے لئے ابتلاء۔ عیسائی مبلغین نے ہزاروں نہیں لاکھوں مسلمان

محض اس مسئلہ کے بل بوتے پر نصرانی بنا لئے۔ لیکن اگر حضرت مسیح کا صلیب پر سے زندہ اترنا تسلیم کر لیا جائے۔ اور آپ کی طبعی موت تسلیم کی جائے جیسے کہ دنیا کے دوسرے بشر قانون قدرت کے تحت فوت ہوتے ہیں تو یہ صلیبی دین کی موت کا اعلان ہے۔ ان کا کفارہ کہاں جائے گا۔ ان کی نجات کیسے ہوگی۔ ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں کتابیں جو گزشتہ دو ہزار برس میں اس موضوع پر لکھی گئیں۔ ان کا کیا حشر ہوگا۔ پس مسیح کو صلیب پر سے زندہ اترنے دو۔ اور اسے طبعی موت ہی مرنے دو اسی سے حق زندہ ہوگا اور باطل کو موت آجائیگی۔

قانونِ موسوی اور صلیب

یہ نوجوان کون ہے جس نے یہ رویا دیکھی جس کا تذکرہ آپ گزشتہ باب میں پڑھ چکے ہیں۔ اس کے مختصر حالات یہ ہیں کہ اس کا اصل نام ہنس نیبر Hans Naber ہے۔ اور کرٹ برنا Kurt Berna اور جان ریبان John Reban کے نام سے بھی مشہور ہے۔

جان ریبان اس کا قلمی نام ہے۔ یہ شخص ۱۹۲۱ء میں پیدا ہوا اور ابھی زندہ ہے اور عیسائی دنیا کے لئے اپنے اس عقیدہ کی وجہ سے دردِ سر بنا ہے۔ اس نے اپنے دعوے کے ثبوت میں متعدد کتب لکھی ہیں۔ اور یہ واقعہ جو اس وقت ہم لکھ رہے ہیں۔ یہ اس نے اپنی کتاب Jesus did not Perish on the Cross میں لکھا ہے۔ بعض دوسرے مصنفین نے اس کے بارہ میں جو تفصیلات دی ہیں وہ یہ ہیں کہ اس شخص کا اصل نام تو ہنس نیبر ہے۔ اور یہ دوسرے دو نام بھی استعمال کرتا ہے۔

۱۹۳۶ء میں یعنی پندرہ برس کی عمر میں اس نے سکول کو خیر باد کہا اور ہوٹلوں میں کام سیکھنا شروع کیا۔ کہا جاتا ہے کہ ایک بار لنڈن کے ایک ہوٹل میں مسٹر چرچل کی بھی خدمت کی۔ لیکن قبل اس کے کہ یہ اس پیشہ میں ترقی کرتا جنگ عظیم دوم شروع ہو گئی اور اسے فوج میں بھرتی ہو کر فرانس جانا پڑا۔ جہاں نارمنڈی کے محاذ پر جنگ میں حصہ لیا۔ جرمن فوجوں کو جب شکستوں کا سامنا کرنا

پڑا تو یہ فوج سے بھاگ لیا اور بھیس بدل کر اپنے آبائی شہر سٹٹ گارٹ آگیا۔ جرمن قوم کی تباہ کن شکست کے بعد ان کے لئے بڑی آزمائشوں کا دور آیا۔ اور کرٹ برنا بھی اس سے مستثنیٰ نہ تھا۔ اس نے بلیک مارکیٹ شروع کر دی۔ اور ۱۹۴۷ء تک یہی شغل رہا۔ یہاں تک کہ اسے رویا میں حضرت مسیح کی زیارت ہوئی ۱۶ر فروری کی شدید سرد رات تھی کہ صبح ۴ بجے اپنے والدین ہی کے گھر میں اپنی خواب گاہ میں گویا یہ رنگین فلم دیوار پر چلتی ہوئی دیکھی۔ حضرت مسیح کو کس طرح صلیب سے قبل کوڑوں سے ادھیڑا گیا اور آپ پر کس طرح مقدمہ چلایا گیا۔ آپ کا صلیب پر لٹکنا قبر میں رکھے جانا اور پھر جی اٹھنا۔ یہ سب اس شخص نے رویا میں دیکھے۔ اور بعد میں ایک رسالہ کو بیان دیتے ہوئے اس نے بتایا کہ یہ اس قدر واضح تھا کہ گویا ہر چیز اس کے سامنے ہو رہی ہے۔ اور یہ سات دن برابر جاری رہا۔ نہ کچھ کھا سکتا تھا اور نہ پی سکتا تھا صرف پانی پر گزارہ تھا۔ اور یہاں تک کہ وہ اپنے بستر سے بھی باہر نہ نکل سکا۔

پھر نیبر بیان کرتا ہے کہ ایک اور نادرِ روزگار واقعہ ہوا۔ وہ لکھتا ہے کہ کمرہ کی دیوار پر تیز روشنی نمودار ہوئی اور سارے کمرے میں یکایک پھیل گئی۔ اس میں حضرت مسیح نمودار ہوئے طویل القامت دراز گیسو۔ خوبصورت ڈاڑھی اور مونچھیں۔ اس روشنی کے سیلاب میں آپ کا چہرہ مبارک کس قدر پُر نور تھا۔ لمبی عبا آپ نے زیب تن کی ہوئی تھی۔ اور آپ پر زخموں کا کوئی نشان نہ تھا۔ آپ نے ایک پیغام نیبر کو لکھوایا اور وہ اس قدر مسحور تھا کہ بلا چون وچرا قلم اٹھا لکھنا شروع کیا۔ گویا کوئی خارجی طاقت اسے لکھوا رہی ہے۔ اور وہ پیغام یہ تھا:۔

"میں صلیب پر فوت نہیں ہوا۔ میرے ہاتھوں اور پاؤں کے زخموں نے میری طاقت سلب کر لی تھی اور بدن کا روّاں روّاں جل رہا تھا۔ وحشیوں نے میری پسلی چھید ڈالی تھی نیچے سے مجھے بھالا مارا گیا تھا۔ مگر میرے دل کو کوئی گزند نہ پہنچی۔ میرے پہلو سے خون بہنے لگا۔ میں بے جان ہو گیا۔ لیکن مرا نہیں۔ مرا دل چل رہا تھا۔ میرے زخموں پر مرہم لگائی گئی۔ یوسف آرمیتیہ نے مجھے چٹان والی قبر میں رکھا تا میرے جسم کو آرام مل سکے۔ اسی آرام سے میرے قلب کو تقویت ملی۔ اور پھر میں ہوش میں آ گیا۔"

حضرت مسیح نیبر سے گفتگو فرما رہے تھے۔ اور وہ کاغذ پر یہ پیغام نوٹ کر رہا تھا تو اسے یہ خوب یاد ہے کہ یہ سارا نظارہ بہت صاف۔ واضح اور روشن تھا۔ اور حضرت مسیح کے آخری الفاظ یہ تھے :-

"میں وہ مسیح ہوں جسے لوگوں نے صلیب دیا۔ ہنیس تم نے دیکھ لیا کہ میں نے صلیب پر جان نہیں دی اور تم اس حقیقت کے گواہ رہنا۔"

اس عظیم واقعہ کے بعد نیبر تین دن تک سویا کیا۔ بلیک مارکیٹ کو خیرباد کہا اور اس صداقت کو جسے اس نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا تھا۔ اعلان کرنا شروع کر دیا۔ امریکن فوج کے اخبار Nenenzeitung نے جو وہ جرمن لوگوں کے لئے شائع کرتے تھے نیبر کا انٹرویو شائع کیا۔ اکثر لوگوں نے اس قصہ پر توجہ ہی نہ کی۔ مگر بعض لوگ اس کلمۂ کفر پر بھڑک اٹھے کہ یہ وہ شخص ہے جو حضرت مسیح

کی صلیبی موت کا انکار کرتا ہے۔

یہ تو نیبہ کا رویا تھا لیکن اسے اس کے لئے ثبوت بھی تو درکار تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد اس نے تورین کی رداءِ کفن کے بارہ میں سنا۔ جس کا اسے آج تک علم نہ تھا بعد ازاں اسے ایک پادری دوست نے اسے ایک چیکوسلواکین ڈاکٹر ہائی نیاک کی ایک کتاب اس موضوع پر دی۔ جس میں اس نے وہ تمام امور درج کئے تھے۔ جس سے ثابت ہوتا تھا کہ حضرت مسیح صلیب پر فوت ہو گئے۔ یہ امر اس کے لئے پریشانی کا باعث بن گیا۔ اگر اس کفن میں مردہ لاش تھی تو پھر اس کا رویا غلط ہے۔ پھر تو اسے تسلیم کرنا ہوگا کہ یہ اس کی رویا نہ تھی محض تصور تھا بلکہ اضغاث واحلام ہی تھی اسنے وہ سب کتابیں فراہم کیں جو اسے اس موضوع پر مل سکیں۔ ازیں کی کھچی ہوئی تصویریں بھی منگوائیں۔

۱۹۴۲ء کا واقعہ ہے کہ دوران جنگ ان کی کمپنی کا ایک شخص موٹر کے حادثہ میں مر گیا اور چونکہ نیبہ کمپنی کا رپورٹر تھا۔ اس لئے اسے پوسٹ مارٹم والے کمرہ میں رپورٹ لکھنے کے لئے جانا پڑا۔ ڈاکٹر نے مردے کو چاقو سے چیرا۔ تو اس میں سے کوئی خون نہ نکلا جس سے اسے حیرانی ہوئی۔ ڈاکٹر سے اس کی وجہ پوچھی تو اس نے جواب دیا۔ "لاش میں سے خون نہیں نکلا کرتا۔ معمولی سا خون یا چند قطرے تو نکل سکتے ہیں۔ لیکن بڑی مقدار میں خون نہیں نکل سکتا۔"

جب اس نے کفن کی ان تصاویر پر خون کے بے شمار دھبے دیکھے تو اسے ڈاکٹر کا وہ قول یاد آیا۔ کہ "لاش میں سے خون نہیں نکلتا۔" تو اسے رویا کا ثبوت مل گیا کفن میں جو جسم لپیٹا گیا تھا وہ تو خون سے بھرا ہوا تھا اور لاش میں سے تو خون نکلتا

ہی نہیں. پس یہ جسم لاش نہیں تھی۔ یہ زندہ انسان تھا جو اس چادر میں لپیٹا گیا۔ اگر مردہ ہوتا تو اس چادر پر اس قدر لہو کیسے لگ سکتا تھا۔" لاش میں سے خون نہیں نکلتا۔" پس حضرت مسیح کا دل اس وقت کام کر رہا تھا جبکہ آپ کو اس چادر میں لپیٹا گیا۔

اس کے بعد ایک اور ڈاکٹر ڈبلیو۔بی پرم روز Dr. W B. Primrose نے شہادت مہیا کر دی جو اس نے اپنے ایک مضمون میں شائع کی۔ یہ ڈاکٹر سکاٹ لینڈ کے شہر گلاسگو کے ایک ہسپتال میں کام کرتا تھا۔ اس نے لکھا کہ اگر آپ فوت ہو چکے تھے اور کپڑے پر آپ کا جسم لگنے کے وقت خون ابھی بہت گیلا تھا۔ تو یہ چادر ہر طرف بے ہنگم طریق سے کپڑے کے دھاگوں پر لگنا چاہیئے تھا۔ اور اگر یہ بہت گیلا نہیں تھا تو محض کپڑے پر ایک بھدا سا داغ لگ جاتا۔ لیکن کفن پر جو واضح داغ نظر آتے ہیں۔ یہ مُردے کے خون کے داغ اور دھبے نہیں ہیں۔

نیبر نے پھر اپنے رویا پر غور کیا۔ اسے ایک اور عجیب بات سوجھی وہ یہ کہ وہ بھالا جو حضرت مسیح کی پسلی میں مارا گیا تھا وہ آپ کی دائیں طرف پانچویں اور چھٹی پسلی کے درمیان مارا گیا۔ جو بائیں طرف اس نشان سے ۲۹ درجے پر سے گزر گیا۔ جب نیبر نے نقشہ پر خط کھینچ کر دیکھا تو وہ سمجھ گیا کہ اس کے اندازہ کے مطابق بھالا آپ کے دل میں بالکل نہیں لگا۔ بلکہ ہٹ کر گزر گیا۔ مزید تجربہ کرنے کے لئے آپ ایک ہسپتال پہنچے ایک بھالا اپنے سینہ پر انہی پسلیوں کے درمیان ۲۹ درجے کا زاویہ بنا کر رکھا اور ایکسرے کی تصویر لی۔ اس سے بھی یہی ثابت ہوا کہ بھالے کی گزرگاہ دل سے اوپر ہوتی ہوئی پسلی اور پھیپھڑے کو چیر گئی۔ لیکن دل بچ گیا۔ نیبر کے نزدیک بھالا دل سے تین انچ اوپر رہا۔

اب اسے اپنی رویا پر پختہ یقین ہوگیا۔ کہ یہ بالکل صحیح تھی۔ اب اس نے اس بارہ میں تورات کو دیکھنا شروع کیا کہ اس میں کوئی شہادت مل سکے۔ یہاں پر بھی اس نے دیکھا کہ "حضرت مسیح فوت ہو جائیں گے" یا "آپ کو مرنا پڑے گا" اس امر کا کسی صحیفہ میں ذکر نہ تھا۔ اور جب نئے عہد نامہ کو دیکھا وہاں پر بھی یہی تھا کہ حضرت مسیح ہرگز مرنا نہ چاہتے تھے۔ اور اس ضمن میں اس نے متی باب ۲۶ کی ۳۹ ویں آیت کو دیکھا تو وہ یہ تھی :۔

"پھر ذرا آگے بڑھا اور منہ کے بل گر کر یوں دعا کی کہ اے میرے باپ اگر ہو سکے تو یہ پیالہ مجھ سے ٹل جائے"۔

اگر موت کی تمنا ہی تھی تو پھر موت سے اس قدر خوف کیوں۔ آپ یہ بات بخوبی جانتے تھے کہ خدا کی راہ میں مصیبتیں آتی ہیں۔ تکلیفیں اٹھانی پڑتی ہیں۔ لیکن یہ بات کس قدر عیاں اور واضح ہے کہ آپ اس لعنت کی لکڑی پر مرنا نہیں چاہتے تھے۔ اور آپ اس صلیب اور پھانسی سے بہرحال بچنا چاہتے تھے۔ ایک شخص جو خوشی خوشی جان قربان کرنے کو تیار ہو۔ وہ اس طرح گڑگڑا کر اور رو رو کر۔ درد سے اور تڑپ سے موت کا پیالہ ٹل جانے کی دعا ہرگز نہیں کرے گا۔ حضرت مسیح جانتے تھے کہ یہ راہ کتنی کٹھن ہے۔ رومیوں کے طریق عقوبت بڑے آزمودہ تھے۔ وہ ان طریقوں میں ماہر فن تھے۔ جن سے کسی ملزم کی زندگی کو ختم کیا جاتا تھا۔

حضرت مسیح کو صحف مقدسہ اور خدا کی پیشگوئیوں اور تقدیر الٰہی کے سامنے سر خم کرنا تھا مرقس کے چودھویں باب کی آیت ۳۶ آپ کی اس خواہش کا کس وضاحت سے ذکر کرتی ہے اور موت سے فرار کس قدر واضح ہے۔

"اور کہا اے ابّا! اے باپ۔ تجھ سے سب کچھ ہو سکتا ہے۔
اس پیالہ کو میرے پاس سے ہٹا لے۔ تو جو بھی میں چاہتا ہوں
وہ نہیں بلکہ جو تو چاہتا ہے وہی ہو۔" (مرقس ۱۴: ۳۷)

اس دردناک فقرہ سے کس قدر عیاں ہے کہ آپ اپنے مولیٰ کی رضا پر چلنے کے لئے کس قدر تیار تھے۔ لیکن وہ اس لعنتی موت سے ضرور بچنا چاہتے تھے۔ ذرا اس فقرہ کو پھر غور سے پڑھیں۔

"اس پیالہ کو میرے پاس سے ہٹا لے۔"

پس واضح صاف اور سیدھا نتیجہ ان آیات سے یہی نکلتا ہے کہ آپ صلیب پر ہرگز مرنا نہیں چاہتے تھے۔ اور آج ہم سائنس کی اس دنیا میں بلا خوف تردید یہ کہہ سکتے ہیں کہ خدا نے اپنے پیارے مسیح کی دعاؤں کو شرف قبولیت بخشا۔ اور موت کا یہ پیالہ مخفی در مخفی حکمتوں کے تحت ٹال دیا گیا۔ اور حضرت مسیح علیہ السلام کی ردائے کفن پکار پکار کر شہادت دے رہی ہے۔

لیکن اس بات پر بھی غور کریں کہ اس زمانہ میں سردار کاہن کو اختیار تھا کہ اگر تختہ دار پر بھی کوئی مرتد یا کافر اپنے بدعقائد سے توبہ کر لیتا تو اسے معافی مل سکتی تھی اور اس کی جان بخشی ہو سکتی تھی۔ لیکن اگر وہ توبہ نہ کرے۔ تو خدا کسی معجزہ کے ذریعہ اسے بچا لے تو بچا لے ورنہ اس کی موت یقینی ہوتی تھی۔ موسوی قانون کے مطابق اگر اسے صلیب پر چڑھا دیا گیا۔ اور مر گیا تو قصہ ختم ہو گیا۔ صنہدریم خدا کے نام پر فیصلے کیا کرتی تھی اور یہ اس بات کا ثبوت ہوتا تھا کہ خدا تعالےٰ نے پھانسی پانے والے کو رد کر چکا ہے۔

یہودیوں نے اسی وقت یہ نعرہ لگایا اور متی کے ۲۷ ویں باب کی ۴۰ ویں آیت میں لکھا ہے کہ

"اے مقدس کے ڈھانے والے اور تین دن میں بنانے والے اپنے تئیں بچا۔ اگر تو خدا کا بیٹا ہے تو صلیب پر سے اُتر آ۔ اسی طرح سردار کاہن بھی فقیہوں بزرگوں کے ساتھ مل کر ٹھٹھے سے کہتے تھے اس نے اوروں کو بچایا اپنے تئیں نہیں بچا سکتا۔ یہ تو اسرائیل کا بادشاہ ہے اب صلیب پر سے اُتر آئے۔ تو ہم اس پر ایمان لے آئیں۔ اس نے خدا پر بھروسہ کیا ہے۔ اگر وہ اسے چاہتا ہے تو اب اسے چھڑا لے۔ کیونکہ اس نے کہا تھا کہ میں خدا کا بیٹا ہوں"

یہودیوں کے نزدیک یہ حضرت مسیح کا امتحان تھا۔ کہ اگر وہ خدا کے پیارے ہیں تو صلیب سے اتر آئیں۔ لیکن اگر صلیب پر فوت ہو گئے تو یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ خداوند قدیر نے انہیں مردود قرار دے دیا۔ کیونکہ شریعت موسوی کے تحت جو کاٹھ پر لٹکایا گیا سو لعنتی ہؤا۔

یہودیوں کا آج تک یہ دعوٰے ہے کہ حضرت مسیح امتحان میں ناکام ہوئے خدا نے انہیں ہرگز نہیں بچایا اور عیسائی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ آپ نے صلیب پر وفات پائی لیکن آسمان پہ چلے جانے سے یہودیوں کے نزدیک صورت حال میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ وہ اسے ڈھکوسلا سمجھتے ہیں۔ اگر یہ بات واقعی صحیح تھی۔ تو مرنے کے بعد تو ہر شخص کو نئی زندگی ملتی ہے۔ اور ہر شخص کی روح

آسمان پر ہی جاتی ہے۔ حضرت مسیح کے ساتھ نئی بات کیا ہوئی۔ اگر یہ کہا جائے کہ حضرت مسیح کی روح آسمان پر نہیں گئی بلکہ وہ بجسد عنصری آسمان پر تشریف لے گئے تو یہودی اسے تسلیم کرنے کے لئے ہرگز تیار نہیں۔ عیسائی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت مسیح کاٹھ پر مارے گئے اور ملعون ہو گئے۔ اور یہی تو یہود کا مقصد تھا جو انہیں حاصل ہو گیا۔ عدالت اور رہائی کونسل یعنی صنہدریم نے حضرت مسیح کی ارضی زندگی ختم کرنے کا فیصلہ سنایا تھا۔ ان کے قوانین اس زندگی پر حاوی نہ تھے۔ جو مرنے کے بعد انسان کو ملتی ہے۔ یہود علماء نے حضرت مسیح کے آسمان پر چڑھ جانے کو کبھی کوئی وقعت نہیں دی۔ ان کے نزدیک حضرت مسیح کا نئی زندگی لے کر آسمان پر جانا خدا تعالےٰ کے اس فیصلہ کو تبدیل نہیں کر سکا کہ وہ ملعون ہو گئے۔ اور یہود کا حضرت مسیح کو صلیب دینے کا یہی مقصد تھا۔ اگر خدا تعالےٰ کا مقصد حضرت مسیح کو عظمت دینا تھا تو وہ انہیں اس صلیب سے ضرور بچا لیتا۔ جیسے موسےٰ نے لعنت کی لکڑی کہا تھا۔

حضرت مسیح کو خود امید تھی کہ پیشگوئیوں کے تحت وہ صلیبی موت سے بچ جائیں گے۔ لیکن جوں جوں صلیب پر وقت گزرتا جاتا تھا۔ اور آخری لمحہ قریب آتا جاتا تھا۔ حضرت مسیح کو بھی کچھ شبہ سا ہونا شروع ہو گیا تو شائد کچھ مایوسی بھی ہوئی جیسا کہ آپ نے کہا

"ایلی ایلی لما سبقتنی"

اے میرے خدا اے میرے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا

اور حضرت مسیح سے زیادہ موسوی قانون کو اور کون سمجھتا تھا وہ جانتے

تھے کہ اگر صلیب پر ان کی جان نکل گئی۔ تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ خدا نے واقعی انہیں چھوڑ دیا۔ یہود قانونی طور پر یہ کہنے میں حق بجانب تھے کہ خدا نے انہیں رد کر دیا۔ کیونکہ وہ صلیب پر فوت ہو گئے اور لعنت کی موت مرے اور اسی وجہ سے وہ نہ سچے نبی یا رسول تھے۔ اور خدا کا بیٹا ہونا تو بہت دُور کی بات ہے۔

تاریخ یہود سے یہ بخوبی پتہ چلتا ہے کہ اگر کوئی صلیب پر جان دے دیتا تو اس کا قصہ وہیں ختم ہو جاتا۔ وہ یہودی قانون کے مطابق لعنتی تھا۔ خدا کی درگاہ میں مردود تھا۔ مقہور تھا۔ حضرت مسیح کو پیشگوئیوں کی رو سے یہ تو علم تھا کہ انہیں صلیب کی اذیت ضرور اٹھانی ہے اور تورات کی پیشگوئیوں کے ماتحت آپ سمجھتے تھے کہ آپ کو خدا کے اس فیصلہ کو برضا و رغبت قبول کر لینا چاہیئے اور یہود بھی یہ سمجھتے تھے کہ اگر مسیح خدا کے بیٹے ہیں (یعنی خدا کے سچے نبی ہیں۔) تو وہ اس موت سے محفوظ رہیں گے۔ اب یہودی علماء کو یہ بخوبی علم ہے کہ حضرت مسیح صلیب پر فوت ہو گئے۔ اس بارہ میں نہ عیسائی منکر ہیں اور نہ یہودی اور یہی وجہ ہے کہ یہود نے گزشتہ دو ہزار برس سے عیسائیت قبول نہ کی نہ طاقت سے اور نہ ترغیب و تحریص سے۔ وہ اس عقیدہ پر بڑی سختی سے قائم ہیں کہ خدا تعالےٰ اپنے باوفا بندوں کو اس لعنت کی لکڑی پر ہرگز موت نہیں دے گا۔ جو بدترین ذلت کا موجب ہے۔ اور آج بیسویں صدی میں بھی ان کے اس عقیدہ میں شمہ بھر بھی تبدیلی نہیں ہوئی۔ اور یہودی ایسا کرنے میں بالکل حق بجانب ہیں۔

اب انجیل کی اس آیت پر پھر غور کریں۔

"اس نے خدا پر بھروسہ کیا ہے۔ اگر وہ اسے چاہتا ہے تو اسے
چھڑا لے۔ کیونکہ اس نے کہا تھا کہ میں خدا کا بیٹا ہوں"

اس آیت کے پیش نظر علماء یہود یہ تسلیم کر چکے ہیں کہ یہ خدا کا فیصلہ ہے اور اگر "اس نے خدا پر بھروسہ کیا ہے۔ اگر وہ اسے چاہتا ہے تو اسے چھڑا لے"۔ اگر یہ بچ جائے تو پھر یہ سچا ہے۔ پس خدا نے مسیح کو بچا لیا اور صلیب پر ہرگز مرنے نہ دیا۔ اور تورات کی پیشگوئیاں پوری ہوئیں جیسا کہ علماء یہود کا اعتقاد تھا۔ کہ اگر وہ خدا کا بیٹا ہے تو خدا اسے چھڑا لے گا۔ اور خدا نے اسے واقعی صلیب کی لعنتی موت سے بچا لیا۔ اور رداءِ کفن اس امر کی گواہ بن گئی ہے۔

یہود الٰہی قانون کے تحت حضرت مسیح پر ایمان لانے کے لئے ہرگز تیار نہیں۔ جب تک انہیں یقین ہے کہ انہوں نے جائز طور پر مسیح کو صلیب دیا اور چونکہ وہ خدا کے مقربین میں سے نہ تھے۔ اس لئے لعنتی موت سے ہمکنار ہوئے۔

لیکن اگر یہ بات ثابت ہو جائے کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے وعدوں کے مطابق آپ کو صلیب کی لعنتی موت سے بچا لیا۔ اور آپ زندہ ہی صلیب سے اتر آئے اور ان کی صنہدریم کے فیصلہ کو رد کر دیا تو پھر حالات کا رخ پلٹ سکتا ہے اور ہمارے خیال میں یہود اس بات پر غور کرنے کے لئے تیار ہو جائیں گے کہ حضرت مسیح بھی اللہ تعالےٰ کے سچے رسول یا اس کے مقرب ہو سکتے ہیں۔

خدشات

ہنس نیبر یا کرٹ برنا کون ہے۔ اس کی رویا کی تفصیل جو اس نے خود بیان کی آپ نے ملاحظہ فرمائی۔ جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا زمانہ روحانی بہار کا زمانہ ہے۔ اللہ تعالےٰ اپنے فضل سے ایسے لوگوں کو بھی الہام کی نعمت سے نوازتا ہے۔ جو اس کے اہل نہیں ہوتے۔ تا انہیں سچے مرسل کے الہامات و کشوف اور رویا کا کچھ اندازہ ہو سکے۔ نیبر کو جو رویا دکھایا گیا۔ اس بارہ میں اس نے سچ کہا ہے یا جھوٹ۔ لیکن اس نے عیسائی دنیا کے مسلمہ عقائد کے خلاف بیان دے کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ رویا اسے حقیقتاً خدا نے دکھائی ہے۔ اور وہ اپنے اس یقین پر آج تک پختگی سے قائم ہے۔ اور وہ کوئی موقعہ نہیں جانے دیتا۔ کہ اس سے پورا فائدہ نہ اٹھائے اور اپنے اس عقیدہ کی ترویج و اشاعت کے لئے متعدد کتب لکھی ہیں۔ جن میں اس نے بڑے وزنی دلائل سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ کہ حضرت مسیح اس کپڑے میں لپیٹے جانے کے وقت زندہ تھے۔ آپ کا دل حرکت کر رہا تھا۔ آپ کے زخموں سے زندہ خون رِس رہا تھا اور اس خون کے داغ رداءِ کفن پر ثبت ہیں۔ جو آپ کی زندگی پر شاہد ناطق بن گئے ہیں۔

سنہ ۱۹۶۹ء میں نیبر نے اخبارات میں یہ سنسنی خیز خبر شائع کروائی

کہ ارباب ویٹی کان اس مقدس تبرک کو ضائع کرنے کا منصوبہ بنا رہے ہیں۔ اور یہ خبر رائٹر اور یونائیٹڈ پریس انٹرنیشنل کے ذریعہ ساری دنیا کے اخبارات کو مہیا کر دی گئی۔ اور اس خبر کی اشاعت سے کافی ہل چل مچ گئی۔

ہینس نیبر نے پوری تفصیل کے ساتھ اس احتمال کو شائع کیا جو مختصراً یوں تھا کہ ۱۹۶۸ء میں پوپ پال نے مخفی اور رازدارانہ طور پر اس کپڑے کی سائنٹیفک تحقیقات کا حکم دیا۔ لیکن اس کی اطلاع نہ ہی بیرونی دنیا کو دی گئی اور نہ ہی پریس کو یہ خبر بھجوائی گئی۔ ۲۵ مارچ ۱۹۶۹ء کو کارڈینل پیلیگرینو نے ہدایات جاری کیں اور کمیشن کے ممبران مقرر کر دیئے۔ اس کمیشن نے ۱۶ سے ۱۸ جون تک اس کا معائنہ کیا اور پوری تحقیق کرنے کی کوشش کی۔ لیکن اس تحقیقات کا کسی کو علم نہ ہو سکا۔ اور نہ ہی کسی کو اس کی تفصیلات بتائی گئیں۔ ۶ جنوری ۱۹۷۳ء تک اس کمیشن کا کسی کو پتہ نہیں چل سکا۔ اور جن ذرائع سے یہ راز افشا ہوا وہ یوں ہے کہ اس معائنہ سے ۲ ہفتے قبل ہینس نیبر کی فاؤنڈیشن کو ایک اہم شخصیت نے خبر دی کہ اس چادر کفن کے بارہ میں ایک اہم اقدام متوقع ہے۔ اور یہ بات بالکل قرین قیاس ہے کہ اگر اس ذریعہ سے یہ خبر نہ ملتی تو یقیناً یہ راز راز ہی رہتا۔ کیونکہ اربابِ کلیساءِ تورین نے اور نہ ہی پوپ نے اس خبر کو شائع کیا۔ بلکہ اس تاریخی حقیقت کو چھپانے کی کوشش کی گئی کہ اس چادر کی تحقیقات کا کوئی ارادہ ہے۔ اور یہ بھی کہ اس چادر سے

یہ بات بھی عیاں ہے کہ حضرت مسیح صلیب پر فوت نہیں ہوئے۔

اس سلسلہ میں بعض اور دلچسپ واقعات بھی قابلِ ذکر ہیں۔ ۱۶ جون ۱۹۶۹ء کو روم اور تورین میں ہنس نیبر کی فاؤنڈیشن نے اطالوی زبان میں اشتہارات تقسیم کروا دیئے۔

جس اہم شخصیت کا اوپر ذکر آیا ہے اس کی دی ہوئی خبر کی تصدیق یوں بھی ہو گئی کہ ۶ جنوری ۱۹۷۰ء کو ارباب کلیساءِ تورین نے یہ سرکاری اعلان جاری کیا کہ کفن کا صندوقچہ کھولا گیا۔ اور ۱۶ سے ۱۸ جون ۱۹۶۹ء تک اس چادر کا معائنہ و معائنہ کیا گیا۔ اور اس کی رنگین تصاویر بھی لی گئیں۔

اس سے قبل ۲ جون ۱۹۶۹ء کو ویٹی کان نے عالمی پریس کو سرکاری طور پر اطلاع دی کہ ہنس نیبر کے شائع شدہ اشتہارات کی خبریں سب بے بنیاد ہیں۔ پوپ صاحب کے انڈر سیکرٹری بگنینی Bugnini نے یہ مزید اطلاع شائع کروائی کہ رداءِ کفن کا سوال اٹھانے کا ہمارا کوئی ارادہ نہیں۔ حالانکہ اس اعلان سے صرف چار دن قبل صندوقچہ کھولا گیا۔ اور تین دن تک معائنہ کیا گیا۔ اور لطف کی بات یہ ہے کہ گزشتہ ۳۶ برس میں یہ مقدس چادر ایک مرتبہ بھی منظرِ عام پر نہیں آئی۔ اس ضمن میں یہ امر مزید غور طلب ہے کہ ویٹی کان نے اس مسئلہ پر عرصہ دراز سے غور اور فکر شروع کر رکھا تھا کیونکہ یہ مقدس صندوقچہ پوپ کی اجازت کے بغیر کبھی کھولا ہی نہیں جا سکتا۔

پریس کو یہ خبریں نیبر کی فاؤنڈیشن پہنچا رہی تھی اور فاؤنڈیشن اس

اہم شخصیت پر انحصار کر رہی تھی جو یہ خبریں پہنچا رہی تھی۔

اس اہم شخصیت نے دسمبر ۱۹۶۹ء میں یہ خبر دی کہ پوپ نے ایک بار پھر اس معاملہ میں دخل دیا ہے۔ اور کلیساء کی ایک بہت بڑی اتھارٹی نے یہاں تک کہا ہے کہ کلیسا یہ بات ہرگز تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں کہ حضرت مسیح صلیب پر فوت نہیں ہوئے اور ہمارے گناہوں کا کفارہ بھی نہیں ہوئے۔ اور یہ کسی صورت میں بھی قبول نہیں کیا جا سکتا۔ کہ اس رداءِ کفن میں ایک جیتا جاگتا جسم لپیٹا گیا۔ ہمیں اس مسئلہ کا بنیادی حل تلاش کرنا ہوگا۔

اس اطلاع کی بنیاد پر فاؤنڈیشن نے پھر رائٹر کو اطلاع دی کہ ویٹی کان کی وہ پارٹی جو اس تبرک کو ضائع کرنے کی حامی ہے وہ سر اٹھا رہی ہے۔ ورنہ اس مسئلہ کے "بنیادی حل" سے سوائے اس کے اور کیا سمجھا جا سکتا ہے کہ اس تبرک کو برباد کر دیا جائے۔ اور رائٹر نے یہ خبر ساری دنیا میں نشر کر دی۔

اس خبر کا ردِ عمل شدید ہوا اور ویٹی کان کی ایک اہم شخصیت پادری رگی کو یہ اعلان کرنا پڑا کہ یہ ردائے کفن عقوبت مسیح کا مقدس ترین تبرک ہے اور آئندہ رہے گا۔ یہ وہ اعلان تھا جو برسوں سے کبھی سنا نہ گیا تھا۔ یہ واقعہ ۵ جنوری ۱۹۷۰ء کا ہے۔ اگلے ہی دن یعنی ۶ جنوری ۱۹۷۰ء کو مختلف خبر رساں ایجنسیوں کے ذریعہ منظرِ عام پر آ گئی کہ ۱۶ سے ۱۸ جون ۱۹۶۹ء تک اس کفن کا مطالعہ و معائنہ کیا گیا اور یہاں تک کہا گیا کہ ۲۵ مارچ ۱۹۶۹ء کو اس سلسلہ میں ایک کمیشن قائم کیا گیا۔ جس نے ۱۶ سے ۱۸ جون تک اس کا معائنہ کیا۔ اس موقعہ پر کارڈینل صاحب خود تشریف لائے۔ اور یہ مطالعہ بہترین ٹکنیکی آلات کے

ذریعہ کیا گیا۔ رنگین تصاویر لی گئیں۔ اور ممبرانِ کمیشن نے اسے محفوظ کرنے کے لئے ٹھوس تجاویز پیش کیں۔

فاؤنڈیشن نے اس اعلان کو اپنی عظیم کامیابی قرار دیا کہ کلیسا ان کے دباؤ کی وجہ سے یہ تسلیم کرنے کے لئے تیار ہو گیا۔ کہ رداءِ کفن کا معائنہ کروایا گیا۔ اور دنیاء پریس کو یہ تسلیم کرنا پڑا کہ اسے دھوکہ میں رکھا گیا۔ اور اگر فاؤنڈیشن شور نہ مچاتی تو دنیا اس خبر سے کبھی آگاہ نہ ہوتی۔ اس سلسلہ میں ٹیبر نے کلیسا کے لئے نامناسب الفاظ بھی استعمال کئے ہیں جو کلیسا کی شان کے منافی ہیں۔ وہ کہتا ہے۔ کہ "کلیسا رات کو چوروں کی طرح کیوں ایسا کرتا ہے"۔

زخموں کا خون

اب ہم پھر پروفیسر ہرٹ کی تفصیل شروع کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنے حاضرین کو تصویر ۲ دکھائی۔ یہ حضرت مسیح کے سر کے پچھلے حصّہ کی تصویر ہے بسر کے اس حصہ پر کیا ہو رہا تھا۔ یہ اس تصویر سے عیاں ہے۔ حضرت مسیح کے بال لمبے تھے۔ اور کندھوں تک آتے تھے۔ اب یہ بات محض ڈاکٹروں کو ہی معلوم نہیں بلکہ یہ تو عام آدمی بھی جانتا ہے کہ اگر سر سے خون بہہ رہا ہو۔ تو بالوں میں تیزی سے جذب ہوتا چلا جاتا ہے۔ اور اس طرح بال اور خون آپس میں جُڑ کر سخت گُچھا سا بن جاتا ہے۔ اور اس کے نشان تو کپڑے پر آ نہیں سکتے۔ یہ نشان جو کپڑے پر پڑ گئے ہیں یہ اس خون سے پڑ سکتے ہیں جو ان زخموں سے بہہ رہا ہو اور جاری ہو۔ خون مُردہ لاش سے نہیں نکل سکتا۔ یہ ان زخموں کا خون ہے جو آپ کے سر پر کانٹوں کا تاج رکھنے سے پیدا ہوئے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو کانٹوں کی ایک ٹوپی پہنائی گئی۔ جس نے سارا سر زخمی کر دیا۔ اور لمبے لمبے کانٹے آپ کے سر میں چبھ کر سارے سر پر زخم بن گئے تھے جن سے یہ خون بہتا رہا۔ یہ محض ایک خاردار ٹہنی ہی نہ تھی جو آپ کی پیشانی سے باندھ دی گئی تھی۔ جس کی عام طور پر مصوروں نے تصویر کشی کی ہے۔

پروفیسر ہرٹ کے اس بیان کے بعد ہم انجیل کے ایک فقرہ کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں۔ مرقس باب ۱۵ آیت ۳۷ میں لکھا ہے

"پھر یسوع نے بڑی آواز سے چلا کر دم دے دیا۔"

اسی طرح لوقا باب ۲۳ آیت ۴۶ میں لکھا ہے کہ

"اے باپ! میں اپنی روح تیرے ہاتھ میں سونپتا ہوں۔ اور یہ کہہ کر دم دے دیا۔"

اب ان دونوں انجیلوں میں یہ الفاظ درج ہیں کہ یسوع نے "دم دے دیا" انگریزی کی انجیلوں میں یہ الفاظ درج ہیں کہ

gave up the ghost

یہ الفاظ بڑے معنی خیز ہیں اللہ تعالےٰ انبیاء کی صحبت سے فیض پانے والوں کو بڑی عقل سمجھ اور بصیرت عطا فرماتا ہے۔ حضرت مسیح کے ان دو حواریوں نے یہ الفاظ ہرگز استعمال نہیں کئے کہ حضرت مسیح فوت ہو گئے یا مر گئے بلکہ لکھا ہے کہ "دم دے دیا۔" اس فقرے سے یہ نتیجہ بھی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ حضرت مسیح فوت نہیں ہوئے بلکہ زندہ ہیں اور محض دم گھُٹ گیا ہے۔ اور دشمنوں کو دھوکہ دینے کے لئے ایسے الفاظ استعمال کئے گئے جو ذو معنی تھے۔ یعنی وہ یہ دھوکا کھا جائیں کہ ان کا ملزم فوت ہو گیا۔ کیونکہ ان پر یہی اظہار کرنا مناسب تھا کہ آپ کی جان نکل گئی ہے۔ لیکن آپ کے مریدوں محبت کرنے والوں اور آپ کے ماننے والوں کو یہ علم ہو جائے کہ محض دم دے دیا یعنی آپ کا سانس آنا بند ہو گیا تھا یا آپ کا دم گھُٹ گیا تھا۔ اور سمجھنے والے سمجھ جائیں کہ آپ ابھی حقیقی طور پر فوت نہیں بلکہ ابھی زندہ تھے۔ محض دم گھُٹا تھا۔ لیکن دل چل رہا تھا جو زندگی کی علامت ہے۔

اس بات میں کیا شبہ ہے کہ "دم دے دیا" مر جانے کے معنوں میں بھی آتا ہے۔ حضرت مسیح کا زمانہ وہ زمانہ ہے کہ جب ڈاکٹری کا علم اس قدر ترقی یافتہ نہ

تھا جتنا کہ آج کل ہے۔ ان دنوں اگر کسی شخص کا سانس آنا بند ہو جاتا تھا تو اسے مردہ ہی تصور کیا جاتا تھا۔ لیکن آج یہ صورت حال نہیں ہے۔ سانس کا بند ہو جانا موت کی علامت نہیں۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ پانی میں ڈوب جانے والے کا سانس بند ہو جاتا ہے۔ ریت میں دب جانے کی وجہ سے سانس بند ہو جاتا ہے۔ دھوئیں میں دم گھٹ جانے کی وجہ سے سانس بند ہو جاتا ہے۔ لیکن مصنوعی تنفس سے سانس جاری بھی ہو جاتا ہے۔ آج ڈاکٹری علم کی رو سے موت اس وقت واقع ہوتی ہے۔ جب دل کا عمل ختم ہو جاتا ہے۔ بلکہ اب تو یہاں تک تجربات کئے جا رہے ہیں کہ دل کا عمل اگر ختم ہو گیا ہے اور دماغ کا عمل جاری ہے تو اس انسان کا دل چلا کر اسے زندہ رکھنے کی کوشش جاری ہے۔ یعنی دل اور دماغ دونوں جب تک اپنا عمل نہ چھوڑ دیں ایک انسان کو مردہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ لیکن ان دنوں محض سانس کا بند ہو جانا ہی موت کی علامت قرار دیا جاتا تھا۔ "دم دے دیا" کے الفاظ اسی بات کو ظاہر کرتے ہیں کہ آپ کا صرف دم یعنی سانس آنا بند ہو گیا تھا۔ لیکن آپ حقیقی طور پر فوت نہیں ہوئے تھے۔ کیونکہ آپ کا دل کام کر رہا تھا۔ اور یہی آپ کی زندگی کی علامت تھا۔ اور مرقس اور لوقا کے یہ ذومعنی الفاظ ہمارے نزدیک اس بات کا اظہار کر رہے ہیں کہ سمجھنے والے سمجھ جائیں کہ آپ ابھی زندہ ہیں اور جنہیں مغالطہ میں ڈالنا ہے وہ اس مغالطہ میں رہیں کہ آپ فوت ہو گئے۔

پروفیسر ہرٹ نے اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے کہا کہ جونہی انسان فوت ہو جاتا ہے۔ اور دل کا عمل ختم ہو جاتا ہے۔ تو وہ خون جو کہ جلد کے قریب ہوتا ہے۔ فوراً دل کی طرف واپس ہو جاتا ہے۔ اور اسی وجہ سے جلد سفیدی مائل ہو جاتی ہے۔ لیکن

اگر دل کا عمل جاری ہو اور انسان درحقیقت زندہ ہو تو پھر کیا ہوتا ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ یہ ننھے ننھے زخم خون سے بھر جاتے ہیں۔ اور یہ وجہ ہے کہ حضرت مسیح کا خون سر سے نکل کر بالوں میں بہتا رہا اور چونکہ بہنے کا یہ عمل جاری رہا۔ اس لئے یہ خون بہہ بہہ کر کفن کو لگتا چلا گیا۔ جیسا کہ کفن کی اس تصویر سے ظاہر ہے۔ اور یہ بات ثابت کرتی ہے کہ اس چادر میں لاش نہیں زندہ جسم تھا اور اس بات کا ثبوت انیس سو برس کے بعد کیمرے اور اس تصویر نے مہیا کر دیا ہے۔

اس کے بعد پروفیسر ہرٹ نے کچھ اور گفتگو کی جو ہمارے اس موضوع سے براہِ راست متعلق نہیں اس لئے اسے چھوڑتے ہوئے آگے چلتے ہیں اب قریباً بارہ بج چکے تھے۔ اس لئے دوپہر کے کھانے کے لئے نشست دو گھنٹے کے لئے برخاست کر دی گئی۔ اور دو بجے ملنے کا وقت مقرر ہوا۔

سب لوگ دو بجے جمع ہو گئے۔ پروفیسر صاحب نے اب انہیں تصویر ۳ دکھائی۔ یہ تصویر دراصل حضرت مسیح کے پورے جسم کے سامنے والے حصہ کی تصویر ہے جو کہ ردا یا کفن پر سے لی گئی ہے۔ اور یہ منفی یعنی negative تصویر ہے۔ جو فلم پر مثبت یعنی positive بن گئی ہے۔ اس پر حضرت مسیح کی تصویر بالکل صاف اور واضح ہے۔ اور ایسا محسوس ہوتا ہے گویا حضرت مسیح آپ کے سامنے کھڑے ہیں۔ اس تصویر میں ایک خصوصیت نمایاں ہے۔ یعنی حضرت مسیح کی تصویر تو مثبت نظر آرہی ہے۔ لیکن خون کے دھبے سفید یعنی منفی نظر آرہے ہیں۔ اور یہ منفی ہی نظر آنے چاہئیں کیونکہ یہ دھبے منفی نہیں کہ فلم پر ان کی مثبت تصویر آجائے۔

جب حضرت مسیح کو صلیب پر سے اتارا گیا ہو گا۔ تو آپ دہرے بھی ہوئے ہونگے۔ آپ کو کھینچا گیا ہو گا۔ اور آپ کو جھٹکا بھی دیا گیا ہو گا اور اس کھینچا تانی میں آپ کے زخم پھر تازہ ہو کر کھل گئے ہوں گے۔ اور اگر آپ میں زندگی تھی اور دل چل رہا تھا تو خون بہنے بھی لگا ہو گا۔ اب آپ حضرت مسیح کی پیشانی ملاحظہ فرمائیں۔ اس پر ۳ کے ہندسے کا نشان ہے۔ یہ اس خون کا نشان ہے جو اس وقت بہا جبکہ آپ کے سر سے کانٹوں کا تاج یعنی ٹوپی اتاری گئی۔ جونہی جلد میں سے کانٹے نکلے۔ ننھے ننھے زخموں سے خون رسنے لگا۔ اور بہہ کر ماتھے پر یہ نشان بن گیا۔ اگر آپ کا دل کام نہیں کر رہا تھا تو یہ خون آپ کی پیشانی کی جلد میں سے کیونکر نکل آیا۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ آپ فوت نہیں ہوئے تھے۔ ابھی زندہ تھے۔ دل کی حرکت جاری تھی۔ تبھی تو اس پمپ کی وجہ سے یہ خون باہر آگیا۔ اور یہی زندگی کی علامت ہے۔

پھر آپ کے سوجھے ہوئے دائیں رخسار کو دیکھیں جو معلوم ہوتا ہے کہ کسی سپاہی کے گھونسہ لگنے سے سوجھ گیا ہے۔ اس کے بعد آپ پہلو کا زخم دیکھیں جو بغل کے بالکل نیچے ہے اور پانچویں اور چھٹی پسلی کے درمیان نظر آرہا ہے۔ یہ زخم ڈھائی انچ لمبا اور نصف انچ چوڑا ہے۔

پھر آپ بائیں جانب پسلی میں ایک اور زخم دیکھیں۔ یہ وہ زخم ہے جو بھالے کا ہی زخم ہے۔ کہ جو سپاہی نے دائیں طرف مارا تھا اور بائیں طرف نکل گیا تھا۔ اب آپ حضرت مسیح کے ہاتھ دیکھیں۔ اس میں لہو ۳ سمتوں میں بہا نظر آتا ہے۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں ہاتھ میں کیل گاڑی گئی تھی۔

اس کے بعد آپ جسم پر دوسرے نشانات دیکھیں یہ کوڑوں کے نشان ہیں۔ جو آپ کو صلیب سے قبل لگائے گئے۔ اور رومن طریق یہی تھا کہ وہ ملزم کے ننگے بدن پر کوڑے لگایا کرتے تھے۔ اور یہی وجہ ہے کہ یہ نشانات اس قدر نمایاں ہیں۔ اب دائیں پاؤں کا پنجہ ملاحظہ فرمائیں۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں آپ کا پاؤں کیل سے چھیدا گیا۔ اور یہاں بھی خون کے بہاؤ کے واضح نشانات موجود ہیں۔

اس جگہ ایک اور بات بھی قابلِ ذکر معلوم ہوتی ہے۔ جو ایک تاریخی حقیقت کو نمایاں کرتی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ حضرت مسیح کے ہاتھوں میں کیل کس جگہ گاڑے گئے تھے۔ یہ بات بھی ایک دلچسپ حقیقت ہے کہ ابتدائی ایام میں جب غریب عیسائی غاروں میں چھپ چھپ کر زندگی گزار رہے تھے۔ تو تصویر میں حضرت مسیح کو صلیب پر لٹکتے ہوئے دکھانا ان کے لئے بہت ہی ناگوار ہوا کرتا تھا۔ اور دشمنانِ عیسائیت محض عیسائیوں کو چڑانے یا دکھ دینے کے لئے اس قسم کی تصویریں بنا لیا کرتے تھے۔ ان دنوں عیسائیوں کا مقدس نشان مچھلی تھا۔ شہنشاہ کانسٹنٹائن کے زمانہ میں جب عیسائیت کو شاہی مذہب کا درجہ ملا۔ تو صلیب کے ذریعہ پھانسی کی سزا کو ختم کیا گیا۔ اس کے بھی خاصے لمبے عرصہ کے بعد صلیب عیسائیت کا مقدس نشان قرار پائی۔ اور حضرت مسیح کا اس پر لٹکتے ہوئے دکھانا تو بہت بعد کی بات ہے۔ اس لئے لوگوں کو یہ یاد بھی نہ رہا کہ مجرموں کو صلیب کیسے دی جاتی تھی اور ہاتھوں میں کیل کس جگہ گاڑے جاتے تھے۔

عام طور پر خیال کیا جاتا تھا کہ یہ کیل ہتھیلی کے درمیان ٹھونکے جاتے تھے لیکن اس ردائے کفن کی تصویر سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کیل درمیان میں نہیں بلکہ یہ ہاتھ اور

کلائی کے درمیان جوڑ میں ٹھونکے گئے تھے یا یہ ہاتھ کے زیادہ موٹے حصے میں ٹھونکے گئے تھے۔ اس پر بڑی بحث ہوئی ہے اور تجربات کئے گئے ہیں۔ کہ ہاتھ کے درمیان کیوں نہیں ٹھونکے گئے۔ رومن لوگ تو ایذارسانی میں ماہر تھے۔ وہ ایسا طریق اختیار ہی نہیں کرتے تھے جو ناقص ہوتا تھا۔ ہتھیلی کے درمیان کیل ٹھونکنے کے بعد اگر ڈیڑھ دو من کے ایک انسان کو صلیب پر لٹکا دیا جائے۔ تو یہ گوشت چر جائے گا اور سارا ہاتھ پھٹ کر رہ جائے گا۔ اور ملزم صلیب پر سے گر پڑے گا۔ اس لئے یہ کیلیں ذرا اوپر کرکے یا پھر ہاتھ اور کلائی کے درمیان والے جوڑ پر لگائی جاتی تھیں۔ تاکہ مجرم بآسانی لٹکا رہ سکے۔ تصویریں اگرچہ دیکھنے میں یہی بھلا معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہاتھ کے درمیان میں کیلیں ٹھکی ہوئی ہوں اور پرانے مصوروں نے حضرت مسیح کی جو تصویریں بنائی ہیں۔ ان میں ہاتھ کے درمیان میں ہی کیلیں ٹھکی ہوئی دکھائی ہیں۔ لیکن یہ حقیقت نہ تھی۔ جو اب ردائے کفن نے ظاہر کر دی ہے۔

مذہبی روایات کو ترک کرنا بڑا کٹھن ہوتا ہے۔ جب ماہرین جراحی نے اس نکتہ کی طرف مذہبی رہنماؤں کو توجہ دلائی تو نہ صرف یہ کہ ان کی بات کی طرف توجہ نہ دی گئی بلکہ ان کا مذاق بھی اڑایا گیا۔ اور کلیسا نے نہ صرف یہ کہ ان روشن خیالوں کی حوصلہ شکنی کی بلکہ ان کے خیالات کو رد کرنے کی بھی کوشش کی۔ مگر یہ لوگ آخر سائنس دان تھے ان کے ساتھ ان کی تحقیقات کے سلسلہ میں دکھائی یا بے اعتنائی کچھ اچھا رنگ نہ لائی۔ یہ لوگ بڑے وسیع اثر اور رسوخ کے مالک تھے۔ اور سینکڑوں نہیں ہزاروں شاگردوں کے یہ استاد تھے نتیجہ

یہ ہوا کہ اس قسم کے لوگوں نے حضرت مسیح کے واقعات کو سرے سے ہی افسانہ قرار دینا شروع کر دیا۔ بلکہ یہاں تک کہہ دیا کہ یہ تو محض الف لیلیٰ کی ایک کہانی ہے اور کچھ نہیں۔ یہ تو بیسویں صدی کے چوتھے دہاکے میں کلیسا نے اس قسم کے حالات دیکھ کر اپنے روّیہ میں تبدیلی پیدا کی اور اس امر کو تسلیم کرنا شروع کیا کہ آپ کے کیل ہتھیلی کے درمیان میں نہیں بلکہ کلائی میں یا کلائی کے قریب ٹھونکے گئے تھے۔ اور اس کی وجہ صرف یہی تھی کہ رداءِ کفن کی تصویر نے یہ بالکل نمایاں کر کے رکھ دیا تھا۔

اب آپ بائیں کلائی کے زخم کے نشان کو ملاحظہ فرمائیں۔ یہاں پر لہو کے بہتے ہوئے تین نشان بالکل نمایاں ہیں۔ ذرا صلیب کی پوزیشن کا تصور تو کریں۔ آپ کے بازو آپ کے دل کے اوپر تھے۔ اگر دل کا عمل ختم ہو چکا تھا دل نے خون پمپ کرنا بند کر دیا تھا۔ تو یہ خون اوپر کی طرف کس طرح بہنے لگا۔ یہ قانونِ قدرت کے بالکل خلاف ہے۔ یہ تو عام آدمی بھی جانتا ہے کہ پانی ڈھلوان کی طرف بہتا ہے۔ اونچائی کی طرف نہیں بہتا۔ آپ نے ہمیشہ پہاڑ پر پانی اوپر سے نیچے کی طرف بہتا ہوا دیکھا ہوگا۔ ایسا نظارہ کبھی بھی نہ دیکھا ہوگا کہ پانی نیچے سے اوپر کی طرف بہہ رہا ہے۔ اسی طرح انسانی جسم کا بھی یہی حال ہے کہ خون یا پانی اوپر سے نیچے کی طرف ہی بہے گا۔ لیکن اگر دل چل رہا ہے۔ دل خون پمپ کر رہا ہے۔ تو پھر وہ نیچے سے اوپر کی طرف بھی جا سکے گا۔ اور یہی عمل حضرت مسیح کے ساتھ ہوا کہ چونکہ دل چل رہا تھا۔ اور پمپ کر رہا تھا اس لئے دباؤ کی وجہ سے یہ خون اوپر بھی جا رہا تھا۔ اور یہی وجہ ہے کہ یہاں خون کے

داغ عین نمایاں ہیں۔ اگر یہ لہو آپ کے صلیب سے اتارنے کے بعد بہا تو یہ اس بات کا مزید ثبوت ہے کہ آپ ابھی زندہ تھے۔ آپ کا دل حرکت کر رہا تھا۔ اور سارے جسم کو خون مہیا کر رہا تھا۔ اور آپ کا جسم ایک زندہ جسم تھا، لاش نہ تھی۔ خون زندہ جسم ہی سے بہتا ہے، لاش میں سے خون بہا نہیں کرتا۔ انسانی جسم یا جلد پر خون تقریباً نصف گھنٹے میں بالکل جم جاتا ہے۔ اور حضرت مسیح تو بقول مسیحیوں کے "دم دینے" کے تقریباً گھنٹہ بھر بعد بھی صلیب پر لٹکے رہے اور اگر یہ بات صحیح ہے تو پھر آپ کی کلائی پر لہو کیسے بہتا رہا۔ جس کی لکیریں ردائے کفن پر ثبت ہو گئیں۔ خون کا بہنا ہی زندگی کی علامت ہے۔

اس کے بعد آپ کے دائیں بازو پر لہو کے داغوں کو ملاحظہ فرمائیں۔ یہ آپ کی کلائی پر نظر آ رہے ہیں۔ یہ کونسے لہو کے داغ ہیں۔ یہ زخم آپ کو اس وقت آئے جبکہ آپ کو صلیب دینے سے قبل کوڑوں سے ادھیڑا گیا جب آپ کو صلیب پر لٹکایا گیا تو یہ زخم اس لکڑی کے ساتھ چپک گئے۔ جب آپ کو صلیب پر سے اتارا گیا ہوگا۔ تو لازمی طور پر آپ کا یہ بازو صلیب کی لکڑی پر چپک گیا ہوگا۔ اور انہیں اتارتے وقت کھینچنے کی وجہ سے یہ زخم پھر ہرے ہو گئے۔ اگر حضرت مسیح کا جسم مردہ تھا تو پھر خون کے بہنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ لاش سے خون کب بہتا ہے۔ حضرت مسیح کے کوڑوں کے یہ زخم کب کے خشک ہو چکے ہوتے اور آپ کے بازو کو لکڑی پر سے اتارنے کے بعد ان زخموں سے کبھی لہو نہ بہتا۔ لکڑی پر سے آپ کے زخموں کا اتارنا وہی معنے رکھتا ہے۔ جیسے کہ کسی زخم پر سے پٹی کھینچ کر اتار دی

جائے اور ان زخموں سے خون بہنے لگ جاتا ہے۔ اسی طرح حضرت مسیح کے بازوؤں کے ان تازہ زخموں سے بھی خون کا بہاؤ شروع ہو گیا۔ اور یہی نشان ردائے کفن پر نمایاں ہو گئے۔ اور یہ اس بات کا ناقابل تردید ثبوت ہے کہ آپ کا دل حرکت کر رہا تھا۔ آپ زندہ تھے آپ کے زخموں سے دل کا پہنچایا ہوا خون بہہ رہا تھا۔ لیکن اگر دل ساکن ہوتا تو خون کی سپلائی بند ہو چکی ہوتی۔ بہاؤ رک چکا ہوتا۔ تمام خون بجائے اس کے باہر یعنی جلد کی طرف آتا واپس دل کی طرف جا کر ختم ہو چکا ہوتا۔ اور آپ کو صلیب پر سے اتارنے کے بعد چادر کفن پر آپ کے لہو کا کوئی بھی داغ اس طرح نمایاں نہ ہوتا۔ اور یہ چادر بالکل بے داغ ہوتی۔ یہ سب نشان پکار پکار کر اس بات کی گواہی دے رہے ہیں کہ حضرت مسیح اس چادر میں رکھے جانے کے وقت ابھی فوت نہیں ہوئے تھے۔ زندہ تھے۔ آپ کا جسم ایک لاش نہ تھا۔ اور اگر ایسا نہ ہوتا تو آج کی سائنس موجودہ کیمرے اور ایجادات آپ کی زندگی کی گواہی نہ دیتے۔ بلکہ آپ کی موت کے گواہوں میں سے ہوتے۔

اب آپ ایک اور تصویر ملاحظہ فرمائیں۔ یہ تصویر ۵ ہے۔ یہ تصویر مشہور مصور ریمبرانٹ کی ہی تصویر ہے۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ ردائے کفن پر لہو کے داغوں کی تصویریں اس تصویر کے مطابق نظر آتی ہیں۔ اس تصویر میں آپ دیکھیں گے کہ حضرت مسیح کو صلیب سے اتارا جا رہا ہے۔ اور آپ کا دایاں ہاتھ لٹک رہا ہے، بائیں ہاتھ کو سہارا دے کر تھاما ہوا ہے۔ اور اسی لئے دائیں ہاتھ پر خون کے داغوں کے بہاؤ کی سمت نیچے کی

طرف ہے اس لئے کہ ہاتھ لٹک رہا ہے۔ اور خون نیچے کی طرف ہی بہے گا بایاں بازو تھاما ہوا ہے۔ اور اس کے خون کے بہاؤ کی سمت الٹ گئی ہے۔ اور یہ بات کفن کی تصویر پر بالکل نمایاں ہے۔ اگر حضرت مسیح فوت ہو چکے تھے تو یہ بہاؤ کیسے نمایاں ہو سکتا ہے۔ خون تو زندہ انسان کا بہا کرتا ہے، مردہ انسان میں تو خون ختم ہو جاتا ہے۔ شریانوں میں جم جاتا ہے۔ اور اگر ایک شخص زخمی ہو جائے اور پٹیاں باندھ دی جائیں۔ لیکن اگر اسی حالت میں فوت ہو جائے۔ اور جب اس کی پٹیاں اتاری جائیں گی تو خون ہرگز نہیں بہے گا۔ لیکن حضرت مسیح کے ساتھ ایسا نہیں ہوا۔ جونہی آپ کے بازو صلیب کی لکڑی سے علیحدہ کیئے گئے۔ تو وہ زخم جو لکڑی کے ساتھ دو تین گھنٹے لگے رہنے کی وجہ سے چپک گئے تھے وہ پھر ہرے ہو گئے۔ اور اسی کے نشانات رداءِ کفن پر نمایاں نظر آ رہے ہیں اور خون کا بہنا ہی تو حضرت مسیح کی زندگی کا ثبوت ہے۔

یہاں ایک اور بات بھی تو قابلِ ذکر ہے کہ بائیں کلائی پر زخموں کے بہاؤ کے جو نشان ہیں وہ اس طریق پر ہیں کہ دو نشان تو وہ ہیں جو بازو کے اوپر کی طرف بہنے کے نشان ہیں۔ یہ اس لئے کہ جب آپ کو صلیب سے اتارا جا رہا تھا۔ تو آپ کے بازو کا رُخ اوپر کی جانب تھا۔ اور یوں خون کا بہاؤ اسی جانب ہو گیا۔ اور یہی رداءِ کفن پر نظر آ رہا ہے۔ یعنی یہ دو نشان اس خون کے ہیں جب کہ آپ کا بازو صلیب پر اوپر کی جانب تھا۔ لیکن جب آپ کو اتار کر کفن میں رکھ دیا گیا۔ تو اس

وقت خون کے بہاؤ کا رخ نیچے کی طرف ہوگیا۔ اور یہی قدرتی عمل تھا۔ کیونکہ خون کا تیسرا نشان اس سے مختلف ہے۔ اور یہ نیچے کی طرف ہاتھ کی جانب ہے۔ اگر دل چل ہی نہیں رہا تھا۔ بدن کو خون مہیا نہیں کر رہا تھا تو کفن پر ان نشانات کا پڑ جانا ممکن ہی نہیں۔ ذرا غور کریں کہ کلائی پر خون کندھوں کے اوپر سے ہو کر جاتا ہے۔ اور یہ جگہ دل سے اوپر ہے۔ اور خون مائع ہے۔ پانی اور دیگر مائع جات اوپر سے نیچے کو بہتے ہیں۔ نیچے سے اوپر کو ہرگز نہیں بہتے۔۔ یہ قانون قدرت کے ہی خلاف ہے۔ اس لئے خون کے یہ تین نشانات جو کفن پر مختلف سمتوں کی طرف بہتے نظر آتے ہیں دل کے چلنے کی واضح علامت ہے۔ اور دل کا حرکت کرنا ہی تو زندگی کا نشان ہے۔ دل ساکن ہو جائے تو انسان مر جاتا ہے۔ لیکن اگر دل حرکت میں ہوا، کام کر رہا ہو۔ اور اپنا فرض ادا کر رہا ہو۔ یعنی جسم کو خون مہیا کر رہا ہو تو یہ زندگی کی علامات ہیں۔ ایسے انسان کو مردہ نہیں کہا جا سکتا پس یہ نشان بھی حضرت مسیح علیہ السلام کی زندگی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ کاش کہ کوئی اس نکتہ کو سمجھے۔

لہو کا سب سے بڑا داغ

اس باب میں ہم ردائے کفن پر داغوں میں سب سے بڑے اور نمایاں داغ کا ذکر کریں گے جو آپ کی پسلی میں سپاہی کے بھالا مارنے سے خون نکلنے پر اس مقدس کفن پر لگا اور اس بات سے کسی کو انکار نہیں کہ یہ بہتے ہوئے خون کا داغ ہے۔ اور ہمارے خیال میں حضرت مسیح علیہ السلام کی زندگی کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔

یوحنا کی انجیل کے انیسویں باب کی ۳۲ سے ۳۵ تک آیات یوں ہیں۔

"پس سپاہیوں نے آکر پہلے اور دوسرے شخص کی ٹانگیں توڑیں جو اس کے ساتھ مصلوب ہوئے تھے۔ لیکن جب انہوں نے یسوع کے پاس آکر دیکھا کہ وہ مرچکا ہے تو اسکی ٹانگیں نہ توڑیں مگر ان میں سے ایک سپاہی نے بھالے سے اس کی پسلی چھیدی اور فی الفور اس سے خون اور پانی بہہ نکلا۔"

ان آیات میں اس زمانہ کی صلیب کے بارہ میں ایک بڑا پختہ اصول بیان کیا گیا ہے اور وہ یہ کہ مجرم جو صلیب دیئے جاتے تھے صلیب سے اتارنے کے بعد اس کی ہڈیاں توڑی جاتی تھیں تاکہ ان کی موت یقینی ہو جائے اور اس غرض سے دونوں چوروں کی جنہیں حضرت مسیح کے ساتھ ہی صلیب دیا گیا تھا ہڈیاں توڑ دی گئیں۔ وہ دو چور جو حضرت مسیح کے ساتھ مصلوب

ہوئے وہ تو صلیب پر چڑھنے سے مر نہ سکے اور ان کی ہڈیاں توڑنا پڑیں۔ اور یہ کس قدر حیرت انگیز ہے کہ ان تینوں آدمیوں میں سے کیا محض مسیح ہی ایسے تھے جو فوت ہو گئے۔ اور ان کی ہڈیاں توڑنے کی ضرورت نہ پڑی۔ یوحنا اس بات کا ہرگز ذکر نہیں کرتے کہ دونوں چور زندہ تھے اس لئے ان کی ہڈیاں توڑی گئیں۔ بلکہ صلیب دیئے جانے والوں کے لئے یہ عام اصول تھا کہ صلیب سے اتارنے کے بعد ان کی ہڈیاں توڑی جاتی تھیں۔ اور اسی کے تحت ان چوروں کی ہڈیاں توڑی گئیں۔ ان چوروں کی زندگی کا کوئی ٹسٹ نہیں لیا گیا تھا کہ چونکہ وہ زندہ ہیں اس لئے ان کی ہڈیاں توڑی جانی ضروری تھیں لیکن حضرت مسیح کی زندگی معلوم کرنے کا امتحان بھی کیا گیا۔ یعنی یہ کہ آپ کی پسلی میں بھالا مارا گیا۔ اور زندگی کی واضح علامت بھی نمودار ہوئی یعنی آپ کو بھالا مارنے کے بعد فی الفور خون اور پانی نکل آیا۔ اور ان کی ہڈیاں توڑنا تو اور بھی ضروری تھا۔ لیکن دراصل بات یہ نہیں بلکہ خدا تعالےٰ اپنی بار بار در بار یک حکمتوں سے حضرت مسیح علیہ السلام کو صلیبی موت سے بچانا چاہتا تھا تاکہ آپ اس ذلت کی موت سے بچ جائیں جو یہودی شریعت کی رو سے لعنتی ہوتی ہے۔ اور جس کی رو سے آپ حتمی طور پر جھوٹے ثابت ہو جاتے ہیں کیونکہ ایک لعنت کا مارا ہوا انسان اللہ تعالےٰ کا سچا نبی ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اسی لیئے اللہ تعالےٰ نے ان سپاہیوں اور صوبیدار کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا اور وہ غلطی سے یہ سمجھ بیٹھے کہ آپ فوت ہو گئے ہیں۔ اور آپ کی ہڈیاں توڑنے کی ضرورت نہ سمجھی۔ اور دوسرے چوروں کی طرح اگر آپ کی ہڈیاں بھی توڑ دی جاتیں

تو آپ کی موت یقینی ہو جاتی۔ لیکن بظاہر حالات میں آپ کی موت کی تصدیق ضروری تھی اس لئے رومی سپاہی نے آپ کے پہلو میں نیزہ مارا جس کے نتیجہ میں زخم سے خون اور پانی بہہ نکلا لیکن زندگی کی اس واضح علامت کے باوجود وہ یہ نہ سمجھ سکے کہ آپ ابھی زندہ ہیں۔ اور یہی تو خدا کی خدائی کا زندہ ثبوت ہے۔

عام حالات میں ایک فوت شدہ شخص کے جسم میں سے زخم لگنے یا لگانے سے خون نہیں نکلا کرتا۔ اور اس اصول کے تحت یہ خون اس بات کی علامت ہے کہ آپ ابھی زندہ تھے۔ اور جو پانی نکلا وہ پھیپھڑے اور اس جھلّی کے درمیان جو سیال مادہ تھا وہ نکلا۔

عیسائی حضرت مسیح کے جسم میں سے اس پانی کے نکلنے کو آپ کی موت کی علامت بھی سمجھتے ہیں۔ کیونکہ ایک انسان کے مرجانے کے کچھ عرصہ بعد اس کا خون پانی میں تبدیل ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ عیسائیوں کی غلط فہمی ہے۔ کیونکہ مرنے کے فوراً بعد خون پانی نہیں بنا کرتا۔ بلکہ اس عمل کے شروع ہونے کے لئے کم سے کم ۶ سے ۲۴ گھنٹے درکار ہوتے ہیں۔ لیکن حضرت مسیح کے "دم دینے" کے آدھ گھنٹہ کے بعد آپ کو صلیب سے اتار لیا گیا۔ اور اتارنے سے چند لمحے قبل آپ کی پسلی میں نیزہ مارا گیا تھا اس لئے یہ امکان ہرگز نہیں کہ آپ کا خون آدھ گھنٹے میں ہی پانی بننا شروع ہو گیا۔ اور یوں یہ موت کی علامت بن گئی۔

انجیل میں یہ ذکر تو ہے کہ

"ایک سپاہی نے بھالے سے اس کی پسلی چھیدی"۔

لیکن یہ کہیں بھی ذکر نہیں کہ اس بھالے سے دل چھیدا گیا یا زخمی ہو گیا۔ اگر یہ ذکر ہوتا تو پھر امکان تھا کہ آپ کی موت واقع ہو گئی ہو گی۔ لیکن اس قسم کا کوئی ذکر موجود نہیں۔ بس خون کا بہنا بھی زندگی کی ہی علامت ہے۔ اور یہ بات ثابت کرتی ہے۔ کہ آپ کا دل حرکت کر رہا تھا۔ جس کی وجہ سے خون نکلا اور پھیپھڑوں کی جھلی میں جو پانی جمع تھا۔ وہ اس بھالے کے چُبھنے کے ساتھ ہی نکل آیا اور جس زاویہ پر بھالا مارا گیا وہ اس بات کا ثبوت ہے کہ بھالا افقی طریق پر نہیں مارا گیا۔ اگر افقی صورت میں مارا گیا ہوتا تب بھی امکان تھا کہ بھالا دل میں جا لگتا اور دل زخمی ہو کر موت کا باعث بن جاتا۔ لیکن اگر رداءِ کفن پر لہو کے نشانات کو دیکھ کر غور کیا جائے تو یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ بھالا ترچھا مارا گیا۔ اور یہی قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کیونکہ حضرت مسیح اس سپاہی کے سامنے زمین پر نہیں کھڑے تھے بلکہ آپ کے پاؤں زمین سے تین بلکہ چار فٹ اونچے ہوں گے۔ کیونکہ آپ صلیب پر لٹکے ہوئے تھے۔ اور اس صورتِ حال کے پیشِ نظر بھالا افقی طور پر مارنا قریباً ناممکن ہے اور یہی وجہ ہے کہ بھالا ترچھا مارا گیا جس کی وجہ سے دل بچ گیا۔ مگر پھیپھڑے زخمی ہو گئے۔ اور اس کی جھلی میں جو پانی تھا وہ بہہ نکلا۔ اور دل چونکہ چل رہا تھا اس لئے لازمی طور پر زخم لگنے سے خون کا بہنا لازمی تھا۔ اور یہ حضرت مسیح کی زندگی کی علامت ہے نہ کہ موت کی۔

اس مقدس رداءِ کفن پر لہو کا یہ سب سے بڑا نشان ہے جس کا ہم اس

وقت ذکر کر رہے ہیں۔ اس نشان کے بارہ میں بھی ماہرین نے تحقیق کی ہے۔ ایک مشہور فرانسیسی ڈاکٹر جس کا نام باربٹ ہے۔ اس نے ۱۹۳۵ء میں ایک کتاب لکھی جس میں اس نے لکھا کہ رومی سپاہی کے بھالے سے حضرت مسیح کا دل زخمی ہو گیا۔ اور یہی زخم آپ کی موت کا باعث بن گیا۔ کیونکہ باربٹ کے خیال میں بھالا افقی سمت میں مارا گیا۔ جس سے دل زخمی ہو گیا۔

یہ اندازِ فکر اور یہ دلیل عیسائی ذہن اور اعتقاد کے عین مطابق تھی اور اسی وجہ سے اس کتاب کو زیادہ سے زیادہ شہرت بھی دی گئی۔ لیکن اگر آپ رداءِ کفن کے دائیں جانب لہو کا جو نشان ہے اسے دیکھیں تو اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بھالا پانچویں اور چھٹی پسلی کے درمیان مارا گیا۔ اور بائیں جانب یہی بھالا پستان سے قریباً دو اڑھائی انچ اوپر نکل گیا ہے اور ان دونوں نشانات کے درمیان اگر خط کھینچا جائے۔ اور ایک خط اس نشان اور دل کے سامنے رکھ کر کھینچا جائے۔ تو ۲۹ درجے کا زاویہ بنتا ہے۔ جس سے بالکل واضح ہے کہ یہ دل کے اوپر سے ہو کر گزر گیا۔ اور اسے گزند نہیں پہنچا۔ ڈاکٹر باربٹ کی تحقیق مفروضہ پر مبنی ہے کہ بھالا دل کو زخمی کر گیا۔ لیکن اگر بھالا جس جگہ سے داخل ہوا اور جس مقام سے یہ سینے کی دوسری جانب باہر آیا۔ اگر یہ دونوں مقام معلوم نہ ہوتے اور صرف ایک مقام ہی معلوم ہوتا۔ یعنی جس جگہ یہ بھالا جسم میں داخل ہوا تو پھر بھی اس مفروضہ کی گنجائش ہوتی۔ لیکن یہ دونوں مقام اب معلوم ہیں اس لئے پیمائش ممکن ہو گئی۔ اور یہ مفروضہ غلط ثابت ہو گیا ہے۔ اور یہ یقینی طور پر ثابت ہو گیا ہے کہ بھالا دل میں نہیں لگا بلکہ دل کے اوپر سے ہو کر گزر گیا اور محض پھیپھڑے

زخمی ہونے سے انسان کی موت یقینی نہیں ہوتی۔

ڈاکٹر باربٹ نے حضرت مسیح کی اس مقدس رداءِ کفن پر جو کتاب لکھی ہے۔ اس نے دنیاءِ عیسائیت میں بڑی شہرت پائی۔ اس کا نام " قلوری پر ایک ڈاکٹر" رکھا گیا۔ اس کتاب میں اس نے اس رداءِ کفن پر بڑی تحقیق کی ہے۔ ہر زخم پر علیحدہ علیحدہ باب باندھا ہے۔ لیکن مذہباً اور اعتقاداً چونکہ وہ ایک دیندار عیسائی ہے۔ اس لئے اس کا ذہنی پس منظر یہی ہے کہ حضرت مسیح فوت ہو چکے ہیں اور اسی وجہ سے اس نے ہر زخم کے بارہ میں یہی دلائل دیئے ہیں کہ یہ ایک مردہ کے خون کے داغ دھبے ہیں۔ اور یہ زندہ خون نہیں۔ اب چونکہ کفن پر پسلی کے خون کا داغ اتنا بڑا ہے۔ جس سے بالکل وضاحت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قدر خون مردہ میں سے نکل ہی نہیں سکتا۔ اس لئے اس نے اس پر ایک طویل باب لکھا ہے جس سے اس نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ بھالا براہ راست دل پر لگا۔ اور اس سے آپ کی موت وارد ہو گئی۔

یہاں ایک اور قابل غور نکتہ ہے اور وہ یہ کہ حضرت مسیح صلیب پر بھالا مارنے سے قبل فوت ہو گئے تھے تو پھر اس صورت میں آپ کی وفات صلیب کی اذیتوں کی وجہ سے نہ ہوئی بلکہ سپاہی کے بھالا مارنے سے ہوئی۔ لیکن ڈاکٹر باربٹ یہ بھی ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ کہ ایک مردہ کے جسم میں سے زندہ بہتا ہوا خون نکل سکتا ہے۔ اور دل ساکن ہو جانے کے بعد بھی وہ خون جو دل میں جمع ہوتا ہے وہ جم نہیں جاتا۔ بلکہ وہ اپنے اندر بہہ جانے کی خاصیت رکھتا ہے۔ اس لئے اس نے اپنے باب کا عنوان ہی یہ رکھا ہے۔ " دل میں زخم" کیونکہ

اس کا خیال ہے کہ یہ زخم پہلو میں نہیں بلکہ پہلو میں لگ کر دل میں لگا۔
ڈاکٹر بار بٹ صلیب کے سلسلہ میں یہ بیان کرتے ہیں کہ مصلوب شخص کی لاش اس وقت ورثاء کے حوالے کی جاتی تھی جبکہ جج اس امر کی اجازت دے دے لیکن جلاد اسے اس وقت تک ورثا کو نہیں دے سکتا تھا۔ جب تک کہ موت یقینی نہ ہو جائے۔ اور حضرت مسیح کے متعلق تو یہ یقین ہو چکا تھا کہ آپ صلیب پر جان دے چکے ہیں۔ اس لئے رومی سپاہی کا بھالا مارنا بھی عجیب معلوم دیتا ہے۔ اور یہ محض ایک قاعدہ یا قانون کی خانہ پُری ہی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن حضرت مسیح کی موت میں عیسائیوں کے لئے ہر بات عجیب ہے اور عجیب کیوں نہ ہو ایک زندہ انسان کو مردہ ثابت کرنے کی کوشش خود ایک عجیب سی بات ہے۔ اس کے لئے جس قدر کوششیں کی جائیں گی وہ سب عجیب معلوم ہوں گی۔ ایک ناممکن کو ممکن بنانے کی ہر تجویز مضحکہ خیز ہو گی۔ قدم قدم پہ حضرت مسیح کی زندگی کا ثبوت موجود ہے لیکن چونکہ ایک مرتبہ یہ وہم عیسائیوں نے دل میں بٹھا لیا ہے۔ اس لئے اب جس قدر ثبوت مہیا کئے جائیں گے۔ سب عجیب ہوں گے۔

خون اور پانی بہنا ابتداء عیسائیت سے ہی عیسائی مفسرین کے لئے بہت بڑا معمہ بنا رہا ہے۔ اس سلسلہ میں ایک شخص سیلسس Celsus نے اس پر طنز اور استہزاء کا طریق اختیار کیا تو ایک عیسائی فاضل نے جواباً لکھا کہ

"یہ بات تو میں بخوبی جانتا ہوں کہ مردہ لاش میں سے خون اور پانی نہیں بہا کرتا۔ لیکن یسوع کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ آپ کا معجزہ تھا۔"

اب چونکہ دلیل کوئی نہیں عقل وفہم رکھنے والے لوگوں سے حقیقت کیسے چھپائی جاسکتی ہے۔ خون کا بہنا اور پانی کا نکلنا تو زندگی کی کھلی کھلی علامت ہے۔ اس کی موجودگی میں حضرت مسیح کو مردہ کیسے کہا جاسکتا ہے۔ لیکن اس پر معجزہ کا پردہ ڈال کر عیسائی مخلصین کو مطمئن کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ حالانکہ حضرت مسیح اگر زندہ تھے تو معجزہ کی حقیقت سمجھ میں آسکتی ہے لیکن ایک لاش یا مردہ انسان معجزہ دکھانے کی کیا طاقت رکھتا ہے۔

موسیو پالیتو جو بولون کے لاٹ پادری یعنی آرچ بشپ ہیں اپنی کتاب "روداد کفن کی تفصیل" جو انہوں نے ۱۵۹۸ء میں لکھی تحریر فرماتے ہیں:۔

"ہمارے منجی کی چھاتی میں سے حقیقی خون اور حقیقی پانی نکلا۔ اور یہ بھی آپ کی وفات کے بعد۔ اور سینٹ امبروز بھی لکھتے ہیں کہ یہ ایک معجزہ تھا۔ اور بہت ہی قابل احترام معجزہ تھا کیونکہ موت کے بعد لاش میں خون اصولاً جم جایا کرتا ہے۔"

اور یہاں پر وہ سینٹ امبروز کی کتاب In Luc. — Capt. 23 کا حوالہ دیتے ہیں کہ

"لاش میں سے خون کا نکلنا محض معجزہ تھا اور یہ بات یقینی ہے کہ موت کے بعد خون ہمارے جسموں میں جم جاتا ہے۔"

اور جناب پالیتو کے نزدیک تو یہ اور بھی عظیم معجزہ تھا کہ خون اور پانی بیک وقت خارج ہوئے اور ایک دوسرے سے بالکل نمایاں تھے۔ حالانکہ یہ آپس میں ملے جلے ہونے چاہئیں تھے۔

فادر لاگران جو انجیل کے مشہور و معروف مفسر ہیں یوحنا کی انجیل کی تفسیر میں اپنی حیرت اور استعجاب کا یوں ذکر کرتے ہیں۔ ذرا ملاحظہ فرمائیں۔

"یوحنا کو یہ بات اچھی طرح معلوم تھی (کہ یہ معجزہ تھا) اور اسی وجہ سے ان کا اصرار تھا کہ اس کے عینی گواہ بھی موجود ہیں ہم اس کی مادی وضاحت تو نہیں کرتے جو بالکل حقیقت ہے۔ لیکن یوحنا اسے ضرور معجزہ سمجھتے تھے۔ اور وہ اس واقعہ کے عینی گواہ ہیں۔ اس لئے ہم محض اس کی علامتی قیمت نہیں لگاتے۔"

اب ایک اور مشہور و معروف مفسر یوحنا کی انجیل کے بارہ میں یہ لکھتے ہیں نہیں ہچکچاتا کہ یوحنا اسے معجزہ ہی سمجھتے تھے۔ لیکن اگر آپ انجیل کا بیان پڑھیں۔ تو آپ کو نظر آجائے گا۔ کہ یوحنا نے اس امر کا کہیں اظہار نہیں کیا کہ وہ اسے معجزہ سمجھتے ہیں۔ ہاں وہ اس بات پر متعجب ضرور ہیں لیکن ان کے کسی قول یا فقرہ سے یہ ہرگز ظاہر نہیں ہوتا کہ وہ اسے کوئی معجزہ سمجھتے ہیں۔ چنانچہ یوحنا کے اصل الفاظ یہ ہیں:۔

"مگر ان میں سے ایک سپاہی نے بھالے سے اس کی پسلی چھیدی۔ اور فی الفور خون اور پانی بہہ نکلا۔ جس نے یہ دیکھا ہے اس نے گواہی دی ہے۔ اور اس کی گواہی سچی ہے۔ اور وہ یہ جانتا ہے کہ سچ کہتا ہے تاکہ تم بھی ایمان لاؤ۔ یہ باتیں اس لئے ہوئیں کہ یہ نوشتہ پورا ہو کہ اس کی کوئی ہڈی نہ توڑی

جائے گی۔ اور پھر ایک اور نوشتہ کہتا ہے کہ جسے انہوں نے چھیدا اس پر نظر کریں گے۔"

(یوحنا باب ۱۹ آیات ۳۴۔۳۷)

اب ان آیات میں ایک بھی ایسا لفظ نہیں جس سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ یوحنا اس خون اور پانی کو معجزہ سمجھتے تھے۔ البتہ ذرا غور سے پڑھیں تو معلوم ہوجائے گا کہ وہ صحف سابقہ کی پیش خبریوں کے ماتحت یہ سمجھتے تھے کہ آپ کی ٹانگیں نہیں توڑی جائیں گی۔ حالانکہ اصولاً اور قانوناً مجرموں کی ہڈیاں توڑنا صلیب کا ایک لازمی حصہ تھا۔ جب انہوں نے نوشتہ کی تکمیل ہوتے اپنی آنکھوں سے دیکھ لی تو انہوں نے سمجھ لیا کہ پسلی چھیدی گئی۔ اور اس میں سے زندگی کی واضح علامت نظر آئی۔ خون بھی بہا اور پانی بھی بہا۔ اب ان کی خوشیوں کا کیا ٹھکانا تھا لیکن یہ وقت انتہائی رازداری کا تھا۔ کوئی لفظ کوئی فقرہ کوئی اشارہ یا کوئی کنایہ ایسا نہ ہوجائے جس سے یہودی یا رومی یہ سمجھ جائیں کہ حضرت مسیح میں ابھی زندگی کی کوئی رمق باقی ہے۔ بلکہ وہ تو بہانے بہانے اس بات کا اظہار کر رہے ہونگے کہ حضرت مسیح فوت ہوگئے تاکہ دشمن اسی دھوکہ میں رہے کہ آپ ختم ہوچکے ہیں

ردائے کفن کی تصویر کے بائیں جانب پسلیوں کے پاس خون کا ایک بہت بڑا داغ نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ یہ قریباً سوا دو انچ چوڑا ہے۔ اور لہراتا ہوا چھ انچ تک نیچے کی طرف بہتا ہے۔ دراصل یہ نشان دائیں طرف ہے۔ کیونکہ تصویر اگر سامنے سے دیکھی جائے۔ تو اس کی بائیں جانب اصل میں دائیں جانب ہوگی۔ ردائے کفن کی بھی یہی کیفیت ہے۔ یہ امر مدنظر رہے کہ یہ لہو کے داغوں کی

تصویر نہیں ہے بلکہ یہ حقیقی خون کے واضح نشان ہیں۔ جو رداءِ کفن پر حضرت مسیح کے جسم سے نکلے ہوئے خون سے پڑے تھے۔ اس نشان کا کچھ بیرونی حصہ چھپ بھی گیا ہے۔ جو خانقاہ شامیری کی مقدس راہبات کی اُس مرمت کی وجہ سے ہے۔ جو انہوں نے ۱۵۳۲ء میں اُس خوفناک آگ لگنے کے بعد کی جس میں یہ جھلس بھی گیا تھا۔ اور اس پر مرمت کے وقت کپڑا لگانا پڑا تھا اس داغ کے اندرونی حصہ پر عجیب و غریب طریق پر گول ٹکوں سے نشان بن گئے ہیں اور یہی نشان ڈاکٹر باربٹ کے لئے دردسری کا باعث بنے۔ اور وہ سمجھتا ہے کہ ایک عمودی جسم پر جو ایک بے جان لاش تھی اس قسم کے داغوں کا پڑ جانا حیرت انگیز ہے۔ ان داغوں کا پھیلاؤ یکساں تو ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ ان میں تو وقفے تک نمایاں ہیں۔ اس قسم کے بے ہنگم سے داغ رداءِ کفن پر بنانا ایک مصور کے ذہن کی اختراع تو ہرگز نہیں ہو سکتی۔ بلکہ سچ پوچھیں تو یہ قدرت کی اپنی صناعی ہے۔ اور یہ رداءِ کفن کے حقیقی ہونے کا بھی ایک ناقابلِ تردید ثبوت معلوم ہوتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کی تحقیق کے مطابق بھالا پانچویں اور چھٹی پسلی کے درمیان لگا۔ اب یہ بھالا جب اندر گیا تو پھیپھڑے کی جھلی کو چیرتا ہوا پھیپھڑے کے اندر چلا گیا۔ اور چونکہ حضرت مسیح فوت ہو چکے تھے اس لئے بھالا لگنے سے معمولی خون تو نکل سکتا تھا۔ لیکن پانی نکلنے کی کوئی وجہ نہیں۔ کیونکہ وہ مقام جہاں پھیپھڑوں میں پانی ہو سکتا ہے وہ نیچے اور پھیپھڑوں کے نیچے ہو سکتا ہے جہاں بھالے نے زخم نہیں لگایا اس لئے پانی کا بہنا ممکن نظر نہیں آتا۔

ڈاکٹر صاحب کے خیال میں حضرت مسیح کو hydrothorax

یا Dropsy of the Chest یعنی استسقاء صدری

تھی اور یہ پانی سکراتِ موت کی وجہ سے دل کی جھلی کے درمیان آگیا۔ اور دل میں ہی بھالا لگنے کی وجہ سے یہ پانی کی شکل میں باہر آیا۔ ڈاکٹر صاحب کے خیال میں چونکہ صلیب بہت اونچی نہ تھی۔ اس لیئے بھالا معمولی سا ترچھا مارا گیا۔ اگر تو یہ چھ فٹ اونچی تھی۔ پھر تو عام پیدل سپاہی سینہ میں بھالا مار ہی نہیں سکتا تھا اس کے لیئے گھڑ سوار سپاہی کا ہونا ضروری تھا۔ لیکن نہ تو سپاہیوں کے پاس کوئی گھوڑا تھا اور نہ ہی صوبیدار گھوڑے پر سوار تھا۔ اس لیے یہ نیزہ زمین پر کھڑے ہی مارا گیا۔

ڈاکٹر صاحب کی تحقیق کے مطابق دائیں جانب سے نیزہ مارنا ہمیشہ مہلک ہوتا تھا اور رومی فوجوں کی درسگاہوں میں اس طرف نیزہ مارنے کی پوری مشق کرائی جاتی ہوگی۔ کیونکہ بائیں جانب تلوار یا نیزہ کا وار روکنے کے لیئے ڈھال ہوا کرتی تھی۔ جب بھالا پھیپھڑے میں چلا گیا۔ تو تین انچ کے بعد دل کی دائیں دیوار تک پہنچ گیا۔ جس مقام پر یہ جھلی میں لپٹا ہوا ہے۔ ڈاکٹر صاحب اب ایک نہایت اہم نکتہ بیان فرماتے ہیں کہ دل کا یہ مقام جس کا جھکاؤ دائیں جانب ہے یہاں دایاں auricle ہے اور اس کے اوپر کی طرف Superior Vena Cava ہے اور نیچے کی جانب Inferior Vena Cava ہے اور یہ وہ مقامات ہیں جو لاش میں بھی بہنے والے خون سے لبریز ہوتے ہیں۔ اور اس مقام پر رومی سپاہی کا بھالا لگا اور خون

بہہ نکلا اور اگر یہ بائیں جانب سے مارا جاتا، تو یہ سیدھا Venentricle میں لگتا اور چونکہ اسس میں خون ہوتا ہی نہیں اس لئے خون نہ بہتا صرف پانی بہتا۔

اس کے بعد ڈاکٹر صاحب اپنے مخصوص اعتقادات کا برملا اظہار کرتے ہیں جن کا ذکر انہوں نے بار بار اپنی کتاب میں کیا ہے۔ اور ردائے کفن سے بھی یہی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ یعنی حضرت مسیح صلیب پر فوت ہو گئے۔ اور اس چادر میں لپٹے جانے والا شخص زندہ نہیں بلکہ مردہ تھا وہ یوحنا انجیل کے باب ۱۹ آیت ۳۵ کا حوالہ دیتے ہیں جو یوں ہے :۔

"جس نے یہ دیکھا ہے اس نے گواہی دی ہے اور اسی کی گواہی سچی ہے۔ اور **وہ** جانتا ہے کہ سچ کہتا ہے تاکہ تم بھی ایمان لاؤ۔"

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ انجیل میں لکھا ہے کہ حضرت مسیح بھالا لگنے کے وقت بالکل فوت ہو چکے تھے۔ اور یوحنا بھی اس امر کی اہمیت کو خوب سمجھتے تھے اور اس آیت میں "**وہ**" کی ضمیر حضرت مسیح کی جانب ہے اور اس کی تائید میں وہ ایک مشہور مسیحی عالم دین فادر لاگراں کا حوالہ بھی دیتے ہیں کہ "وہ" یعنی حضرت مسیح یہ جانتے ہیں کہ یوحنا سچ کہہ رہے ہیں۔

اگر آپ ان فقرات کو ذرا غور سے پڑھیں تو ڈاکٹر صاحب کے خالص مسیحی ذہن کو سمجھ جائیں گے۔ یہاں وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ حضرت مسیح کو علم ہے اور وہ جانتے ہیں کہ یوحنا نے سچ کہا کہ میں فوت ہو گیا

ہوں ۔ اب دیکھئے کہ یہ کس قدر مضحکہ خیز دلیل ہے کہ خود تسلیم ہے کہ حضرت مسیح فوت ہو گئے ہیں اور چند گھنٹوں کے لئے اس دنیا میں موجود بھی نہیں ۔ مگر یوحنا کی اس بات کا حضرت مسیح کو علم ہے کہ یوحنا سچ کہتا ہے کہ میں فوت ہو چکا ہوں ۔

مردے اپنی موت کی کب گواہی دیتے ہیں ۔ مردوں کو کیا علم ہے کہ کوئی سچ بول رہا ہے یا جھوٹ بول رہا ہے ۔ اور پھر زندوں کو کیا خبر کہ مردے کو کیا علم ہے اور کیا نہیں ۔ یہ سب مضحکہ خیزی محض اندھے اعتقاد کی وجہ سے پیدا ہوئی ۔ ایک غلط اعتقاد دوسرے غلط اعتقاد کو جنم دیتا ہے ۔ یہ کہنا کہ حضرت مسیح خدا کے بیٹے تھے ۔ کس قدر بے معنی عقیدہ ہے ۔ اور پھر یہ کہ خدا کے بیٹے کو پھانسی ہوئی ۔ اور خدا کا اکلوتا بیٹا نہ خود اپنے آپ کو بچا سکا ۔ اور نہ ہی باپ نے اسے بچایا ۔ اور باپ بھی وہ باپ جو ساری ہی قدرتوں کا مالک ہے ۔۔ پھر یہ کہ بیٹا پھانسی پر وفات پا گیا ۔ اور پھر یہ کہ وفات کے بعد وہ زندوں کی مانند یہ جانتا بھی ہے کہ یہ شخص جو کچھ کہہ رہا ہے سچ کہہ رہا ہے ۔ یعنی یہ کہ میں وفات پا چکا ہوں ۔ اور ازاں بعد یوحنا کو بھی یہ علم ہو گیا ۔ کہ میں نے حضرت مسیح کی وفات کی جو گواہی دی ہے ۔ اس کا حضرت مسیح کو علم ہو چکا ہے ۔

یوں غلط عقیدے بڑے بڑے عالموں اور فاضلوں کو بھی بے سر و پا بات کہنے پر مجبور کر دیتے ہیں ۔ یہ اس عقیدہ کا ہی کرشمہ تھا کہ ڈاکٹر بار بٹ اور فادر لاگراں سے یہ کہلوایا ۔ کہ یوحنا اس آیت میں "وہ" سے

مراد حضرت مسیح ہیں۔ حالانکہ یہ تو یوحنا کہہ رہے ہیں کہ جس نے یہ سارا واقعہ دیکھا اور وہ یہ گواہی دے رہا ہے کہ مَیں نے یہ واقعہ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور میں یہ جانتا ہوں اور حق الیقین سے یہ بات کہہ رہا ہوں اور یہ اس لئے کہہ رہا ہوں کہ تم لوگ بھی اس پر ایمان لے آؤ۔ یہاں پر "وہ" کی ضمیر حضرت مسیح کی طرف پھیرنا محض خوش اعتقادی کا ہی کرشمہ ہے۔ یوحنا کا اس واقعہ کو بیان کرکے اس کی اچھی طرح تصدیق کرنا معنی خیز ہے اور وہ یہ ہے کہ دیکھو تین شخص مصلوب ہوئے، ایک ہی وقت میں تینوں کو صلیب پر چڑھا گیا۔ اور ان میں سے دو[2] چور بھی تھے انہیں ختم کرنے کے لئے ان کی ہڈیاں توڑنا ضروری تھیں۔ اور ان کی ہڈیاں توڑی بھی گئیں۔ اسی طرح حضرت مسیح بھی جو اسی وقت صلیب پر لٹکائے گئے تھے ان کے متعلق یہ کس قدر بڑی غلط فہمی پیدا ہوگئی۔ کہ آپ فوت ہو چکے ہیں لیکن صلیب پر چڑھنے والوں کی ہڈیاں ضرور توڑی جاتی تھیں۔ لیکن حضرت مسیح کی نہیں توڑی گئیں۔ خدا کی قدرت دیکھو کہ چوروں کی ہڈیاں توڑی گئیں۔ خدا جانے وہ مُردہ تھے کہ زندہ لیکن نہیں توڑی گئیں۔ تو حضرت مسیح کی ہڈیاں نہیں توڑی گئیں۔ کیا اس میں خدا کی قدرت کا زبردست ہاتھ نمایاں طور پر کام کرتا ہوا نظر نہیں آتا۔ کیا اس سے یہ مراد نہیں کہ حضرت مسیح کی ہڈیاں نہ توڑنے کے پیچھے ایک بہت عظیم مقصد ہے۔ کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ خدا تعالےٰ اپنے خاص منشاء کے تحت اپنے پیارے مسیح کو اِس کاٹھ کی لعنتی موت سے بچانا چاہتا تھا۔ اور یوحنا اس کی گواہی دے رہے ہیں کہ دیکھو دونوں چوروں کی ہڈیاں توڑی گئیں اور حضرت مسیح اس سے بچائے گئے ہیں۔ وہ اشاروں اور کنایوں میں ہی اپنے

دینی بھائیوں کو بتلانا چاہتے ہیں کہ دیکھو اور سنو اور سمجھو کہ ہمارا پیر۔ ہمارا مرشد اور ہمارا آقا بچ گیا ہے۔ اور میں اس کی گواہی دیتا ہوں۔ اور میں تمہیں یہ اچھی طرح بتا دینا چاہتا ہوں کہ میری گواہی سچی ہے اور اسے جان لو۔ مگر دشمنوں کو یہ بات پتہ نہ چل جائے۔ وگرنہ اس کا ہولناک انجام ہو گا۔

ڈاکٹر صاحب اب ایک اور داغ کی تفصیل بیان کرتے ہیں۔ پہلو کے اس زخم سے ایک بڑی دھار چلتی ہے۔ اور پوری کمر تک دائیں سے بائیں جانب نکل جاتی ہے اور آخر پر آن کر چھوٹی چھوٹی شاخوں میں تقسیم ہو کر ختم ہو جاتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے دھار کا یہ نشان دن کی روشنی میں کفن پر دیکھا ہے۔ اور وہ لکھتے ہیں کہ یہ داغ سرخی مائل ہے۔ اور اب اس کی تفصیل بھی اپنے علم جراحی کے تجربہ کے پیش نظر بیان کرتے ہیں کہ اوپر سے نیچے تو خون کا بہنا سمجھ میں آ گیا۔ لیکن زخم کا یہ لہو ترچھی لکیر کیسے بنا گیا۔ حضرت مسیح علیہ السلام صلیب پر لٹکے ہوئے تھے۔ تو اوپر سے نیچے تو لہو کا بہاؤ سمجھ میں آتا ہے۔ کہ جہاں بھالا لگا وہاں سے خون بہہ نکلا۔ اور اگر اس مفروضہ پر عمل کیا جائے۔ کہ حضرت مسیح فوت ہو گئے تھے تو بھالا دل کی دائیں دیوار کو لگ کر دائیں auricle میں سوراخ کر گیا۔ اور اس کے اندر جس قدر خون تھا وہ بہہ کر دائیں جانب بہتا رہا۔ اور رداءِ کفن میں لپیٹے جانے کے وقت اس کے داغ کپڑے کو لگ گئے۔ حالانکہ یہ بالبداہت غلط معلوم ہوتا ہے کیونکہ جس وقت خون نکلا ہے اس کے آدھ پون گھنٹے کے بعد ہی آپ کو اس مقدس کپڑے میں لپیٹا گیا۔ اور اس وقت تک خون نکل کر جم چکا ہو گا اور خشک بھی ہو گیا ہو گا۔ اور اس طرح بہاؤ کے قدرتی نشانات کا پڑنا بظاہر ناممکن معلوم ہوتا ہے۔

اس کی ایک ہی توجیہہ کی جا سکتی ہے کہ آپ کو زندہ تسلیم کیا جائے۔ جب تک آپ کو صلیب پر سے اتار نہیں لیا گیا۔ تازہ خون آپ کے اندر سے بہتا رہا۔ اُو اسی تازہ خون سے یہ لمبائی والے نشانات کپڑے پر لگتے رہے۔ اب سوال اس خون کی دھار کا آتا ہے۔ جو آپ کے زخم سے ہوتی ہوئی آپ کی کمر پر عرضاً پھیلی ہوئی ہے۔ اور آخر پر جا کر متفرق شاخوں میں تقسیم ہو گئی ہے۔ ڈاکٹر باربیٹ کا مفروضہ وہی ہے جو ایک مخلص عیسائی کا ہو سکتا ہے۔ اور آپ کا ذہنی پس منظر بھی یہی ہے۔ کہ آپ فوت ہو چکے تھے۔ اب فوت ہونے والے کے جسم میں سے تازہ خون نکلنا قریباً ناممکن ہے۔ اس لئے اس قسم کی توجیہات کرتے ہیں۔ جو آپ نے گزشتہ صفحات میں ملاحظہ کیں۔

اب اس بڑے نشان کی توجیہہ تو کر لی کہ خون دل کے دائیں auricle میں سے نکل کر بہنے لگا۔ اور بالآخر کپڑے میں لپیٹے جانے کے وقت اس سے لگ گیا۔ اب اس کمر والے خون کی توجیہہ میں بڑی دقت پیش آئی۔ لیکن یہاں پر بھی انہوں نے ایک مفروضہ قائم کیا ہے۔ اور اسے بھی وہ ڈاکٹری علم کے مطابق ہی قرار دیتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ بڑا نشان جس کا ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں۔ اس کا خون تو دائیں auricle میں سے نکلا۔ اور یہ خانہ خالی ہو گیا۔ اب یہاں پر تو مزید خون تھا نہیں کہ بہتا ہی چلا جاتا۔ جب یوسف آرمینیہ گورنر جنرل پیلاطوس سے اجازت حاصل کر کے لاش لینے آیا تو پاؤں میں سے کیلیں نکالی گئی ہونگی۔ اور آڑی لکڑی جو عمودی شہتیر پر اٹکائی جاتی تھی۔ اس سے علیحدہ کیا گیا ہو گا۔ اور آپ کو حواری اس صورت میں لائے ہونگے کہ کسی نے

آپ کی ٹانگیں تھامی ہوں گی۔ اور کسی نے سر اور اوپر کے دھڑ کا حصہ۔ جیسا کہ عام طور پر زخمیوں کو لایا جاتا ہے۔ یعنی سر ایک جانب اور پاؤں دوسری جانب اور ایک لمبی قطار سے اس وقت لیٹنے کی پوزیشن میں تھے۔ اب Inferior Vena Cava کا خون بہہ کر دائیں auricle میں آ گیا ہوگا۔ اور اس میں سے اسی سوراخ میں سے بہتا ہوا باہر آ گیا جو بھالے کی وجہ سے بن چکا تھا اور چونکہ جسم عموداً نہ تھا بلکہ لیٹنے کی پوزیشن میں تھا اس لئے وہ زخم سے نکل کر بہنے لگا۔ اور عموداً یعنی اوپر سے نیچے کی طرف بہنے کی بجائے کمر کی طرف لگتا چلا گیا اور یوں یہ نشان کپڑے پر آ گیا۔

ڈاکٹر صاحب کس قدر دُور کی کوڑی لائے ہیں۔ کہ چھوٹی Vena Cava میں سے لہو نکل کر دائیں auricle میں آیا اور پھر یہ خون اس سوراخ میں سے ہوتا ہوا باہر نکل آیا۔ اور خون کی یہ آڑی لکیر کپڑے پر ثبت ہوئی۔ یہ محض اعتقاد کا کرشمہ ہے۔ اور یہ وہ آہنی دیوار ہے جو صحیح سوچ اور عقائد کے درمیان کھڑی ہے۔ اور خیالات کا رُخ صحیح ہونے ہی نہیں دیتی۔ یعنی خون بہنے کا جو قدرتی اور صحیح ذریعہ ہے اس تک پہنچنے ہی نہیں پاتی۔ وہ اس طرف اگر سوچ کا دھارا موڑ لیں کہ آپ تاحال زندہ تھے۔ دل کا عمل جاری تھا۔ اور وہ خون پمپ کر رہا تھا جس کی وجہ سے صلیب پر سے اترنے کے بعد بھی ہر زخم سے خون کا بہاؤ جاری تھا۔ تو سارے مسئلے سہل اور آسان ہو جاتے ہیں اور مفروضے قائم کرنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی۔

یہ تو تھے ڈاکٹر صاحب کے اپنے خیالات اور مفروضے جن سے آپ یہ

ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ باوجود فوت ہوجانے کے خون کیوں اور کیسے نکلا۔ حالانکہ دل ساکن تھا اور خون پمپ نہیں کر رہا تھا۔ اب وہ بعض اور ڈاکٹر دل کے مفروضے بھی ذکر کرتے ہیں۔ جن سے انہیں اتفاق نہیں۔

اوّل یہ کہ آپ کا دل انسان کے گناہوں کے غم سے از خود پھٹ گیا اور وہ خون اور پانی دل اور جھلی کے درمیان آگیا اور سپاہی کے بھالا مارنے سے باہر آگیا۔ اس کا تو مطلب ڈاکٹر صاحب یہ لیتے ہیں کہ حضرت مسیح دل کی کسی شدید مرض میں مبتلا تھے۔ مگر یہ انجیل کی کسی آیت سے ظاہر نہیں ہوتا۔ علاوہ ازیں آپ نے دو روز قبل ایک طویل سفر کیا تھا۔ کہ آپ گلیل سے یروشلم تشریف لائے تھے۔ اور اگر آپ دل کے مریض ہوتے۔ تو آپ کے لئے یہ سفر ناممکن ہوتا۔

ایک اور مفروضہ بھی پیش کیا جاتا ہے جو نہ صرف احمقانہ ہے بلکہ تحقیر آمیز بھی ہے۔ یہ مفروضہ ایک کتاب میں بیان کیا گیا ہے جس کا نام ہے "حضرت مسیح کی غلط کاری" Folly of Jesus ڈاکٹر باربرٹ اس کتاب کے مصنف کا نام تک بتانے کے لئے تیار نہیں۔ اس کتاب میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ حضرت مسیح سل اور دق کے مریض تھے۔ اور ساتھ ہی پاگل اور مجنون تھے۔ اور زخم سے نکلنے والا پانی مرضِ سل کا پانی تھا جو پھیپھڑوں سے خارج ہوا۔

اول تو انجیل میں اس قسم کے لغو بیان کا شائبہ تک نہیں ملتا۔ دوسرے یہ کہ آپ ویسے بھی اللہ تعالےٰ کے عظیم پیغام کے حامل تھے۔ آپ خدا تعالےٰ کے جلیل القدر نبی تھے۔ آپ کی زندگی کے حالات سے واضح ہے کہ آپ اپنے تبلیغی

سفروں میں وہ دور دور تک تشریف لے جاتے۔ بڑی محنت اور مشقت سے آسمانی پیغام مخلوقِ خدا کو پہنچاتے اور اس دوران آپ کو بھوک پیاس اور بڑی مشکلات کا سامنا بھی کرنا پڑتا اور کسی قسم کی بیماری یا روگ کا ذکر نہیں ملتا۔ اور اگر ایسا ہوتا۔ تو چاروں انجیل نویسوں میں سے کوئی تو اس جانب اشارہ کرتا۔ لیکن اس قسم کی بیماری یا مرض کا کوئی تذکرہ کہیں نہیں ملتا۔ اور اس سے یہی سمجھا پڑتا ہے کہ آپ خدا تعالےٰ کے فضل سے مضبوط جسم کے مالک تھے۔ قد آور تھے صحت مند تھے۔ صاحب عقل و دانش تھے۔ اور اگر ردائے کفن کی تصویر سے اندازہ کیا جائے۔ تو آپ چھ فٹ طویل القامت تھے۔ اور نہایت اعلیٰ صحت کے مالک تھے۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ آپ اللہ تعالےٰ کے جلیل القدر انبیاء میں سے تھے۔ جن کو اللہ تعالےٰ اپنے فضلوں سے ایسی خبیث امراض سے محفوظ رکھتا ہے۔

ڈاکٹر بار بٹ ایک مخلص عیسائی ہیں۔ حضرت مسیح کو اپنا نجات دہندہ سمجھتے ہیں۔ اور عیسائی عقائد کے سختی سے پابند ہیں۔ اسی وجہ سے قدم قدم پر باوجود ایک ماہر ڈاکٹر ہونے کے ٹھوکر کھاتے ہیں۔ اس زخم کی تفصیل اور اس داغ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ داغ باقی سب داغوں سے زیادہ نمایاں ہے۔ اور گہرا براؤن ہے۔ ہیں اور اسی مقام پر حضرت مسیح علیہ السلام کے جسد مبارک کا سب سے نمایاں داغ نظر آتا ہے۔ اسی مقام سے خون سب سے زیادہ نکلا ہوگا۔ اور کچھ تو زمین پر گر گیا ہوگا اور کچھ آپ کے جسم پر تہہ بہ تہہ جم گیا ہوگا۔ زخم کے قریب اوپر والے حصہ پر خون کا نشان بہت گہرا ہے۔ اور سب سے چوڑا بھی ہے۔ اور جب اس جگہ پر کپڑا لگا۔ تو اس کا نشان پڑ گیا۔ اب اسے اعتقاد کا کرشمہ سمجھئے یا ڈاکٹر صاحب کی سادہ

خود بڑی وضاحت سے یہ لکھتے ہیں کہ خون جسم سے نکل کر جم گیا۔ خون جب جم جاتا ہے۔ تو تیزی سے خشک بھی ہوتا ہے۔ اب جما ہوا خشک خون جب کپڑے پر لگتا تو اس قسم کے قدرتی بہاؤ کے نشان پڑجانا ہرگز ممکن نہیں۔ اگر یہ خون جما ہوا ہوتا تو بے ڈھنگے سے داغ تو بن سکتے تھے۔ لیکن اس قسم کے قدرتی بہاؤ کے نشانات کا بن جانا بالکل ناممکن ہے۔ یہ بہتے ہوئے خون کے داغ ہیں۔ اس سے واضح ہے کہ جب خدا کے پیارے مسیح کو اس ہولناک صلیب سے اتارا گیا تو آپ کا دل ابھی متحرک تھا۔ وہ خون پمپ کر رہا تھا۔ اور جب آپ کو اس ردائے کفن میں لپیٹا گیا تو اس زخم میں سے خون دھیرے دھیرے رستا رہا۔ اور کپڑے پر داغ بھی پڑتا رہا۔ اور خدا کے پیارے نبی کے لہو کا یہ قدرتی نشان آپ کی زندگی کا منہ بولتا ثبوت بن گیا۔ جس کی وجہ سے آج عیسائی دنیا حیران اور پریشان ہے۔ بلکہ جس جس صاحب عقل اور سمجھ رکھنے والے انسان نے اسے جس زمانہ میں بھی دیکھا وہ حیران رہا۔ غلط اعتقاد کی مہیب چٹان اس کے سامنے کھڑی تھی۔ عیسائی اسے حضرت مسیح کا معجزہ قرار دیتے رہے۔ لیکن یہ جرأت نہ کر سکے۔ اور یہ نہ کہہ سکے کہ سیدھی سی بات ہے کہ حضرت مسیح کو خدا نے اپنے رحم و کرم سے اس صلیبی موت کے خوفناک پنجے سے آزاد کر دیا تھا۔ آپ ابھی زندہ تھے۔ اور آپ کے جسم میں سے زندہ اور تازہ خون قدرتی عمل سے بہہ رہا تھا۔ اور زندگی کا یہی خون ردائے کفن پر لگتے لگتے اتنا بڑا اور قدرتی نشان بن گیا۔ جو ایک مصور کے تخیل سے بالا تھا۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اس کی وضاحت کے لئے مسیح کی آمد ثانی بھی ضروری

تھی جو اس سارے معمے کو خدائی الہامات کی روشنی میں حل کر دیتا۔ اور آج یہ اسی مسیح موعود کے کارناموں میں سے ایک عظیم کارنامہ ہے کہ حضرت مسیح کے فوت ہو جانے کے ایسے ناقابلِ تردید ثبوت مہیا ہوتے چلے جا رہے ہیں کہ جن کی تردید ناممکنات میں سے بن گئی ہے۔ اور اب اس سائنس اور ٹیکنالوجی اور تجربات کے زمانہ میں محض پرانے اور فرسودہ اور ناقابلِ یقین معتقدات کو خیرباد کہا جا رہا ہے۔ اور وہ وقت قریب ہے اور شاید بہت قریب ہے کہ عیسائی دنیا جو اس وقت علوم کی دوڑ میں پیش پیش ہے۔ اس حقیقت کو علی الاعلان تسلیم کر لے کہ حضرت مسیح اپنی اور سابقہ پیشگوئیوں اور دعاؤں کے مطابق خدا کے فضلوں اور رحمتوں کے ساتھ صلیب کی ہولناک موت سے بچائے گئے۔ اور آپ نے دوسرے عام انسانوں کی طرح ہی طبعی موت سے وفات پائی اور یہ وہ وقت ہو گا جبکہ قوموں کی تواریخ اور سیاحوں کے سفرناموں کو کھنگالا جائے گا۔ تا کہ یہ پتہ چل سکے کہ حضرت مسیح علیہ السلام اگر صلیب سے بچ گئے تو پھر آخر گئے کہاں۔ ہاں وہ وقت آتا ہے جبکہ حضرت مسیح ثانی علیہ السلام کی نادرِ روزگار تحقیق جو آپ نے بذریعہ الہام بیان فرمائی کہ آپ براستہ نصیبین۔ عراق اور افغانستان ہوتے ہوئے کشمیر تشریف لائے۔ اور اس علاقہ میں آباد اسرائیل کے گھرانہ کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کو اپنا آفاقی پیغام پہنچایا اور اپنا وہ مشن پورا کیا۔ کہ آپ بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے لئے مبعوث ہوئے ہیں۔ آپ یہاں پر مقبول و معروف ہوئے۔ آپ کی یہاں پر پذیرائی ہوئی۔ بادشاہوں نے بھی آپ کو قبول کیا۔ اور آپ نے یہاں پر

کامیاب زندگی گزاری۔ اور پھر آپ کی یہ پیشگوئی بھی پوری ہوئی کہ نبی اپنے گھر میں مقبول نہیں ہوتا۔ اور بھرپور اور کامیاب زندگی گزاری۔ جو کم و بیش ایک سو بیس برس کی ہوئی اور اس کے بعد کشمیر جنت نظیر کے شہر سرینگر کے محلہ خانیار میں اپنی طبعی اور پُرسکون موت کے بعد مدفون ہوئے۔ اور آپ کا مزار آج بھی موجود ہے۔ اور جو چاہے جاکر اسے دیکھ سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ہزار ہزار رحمتیں اور برکتیں خدا کے اس جلیل القدر نبی کی روح پر برسیں ؛

ہرات میں حضرت مسیح علیہ السّلام کے سچے پیرو

حضرت مسیح کی مقدس رداءِ کفن ایک حقیقت ہے۔ یہ کوئی تصوراتی شے نہیں جس پر محض مفروضے گھڑے جائیں۔ کپڑے کا یہ قریباً چودہ فٹ لمبا ٹکڑا آج بھی محفوظ ہے۔ اور ارباب کلیسا اس کی پوری حفاظت کرتے ہیں۔ اور یہ بات بالکل صحیح ہے کہ ہر کس و ناکس اسے جب چاہے دیکھ نہیں سکتا۔ بہت ہی خاص مواقع پر اس کی بڑے اہتمام سے نمائش کی جاتی ہے۔ اور اس وقت عوام اسے دیکھ کر برکت حاصل کرتے ہیں۔ گزشتہ ۴۵ برس سے اس کی کوئی نمائش نہیں کی گئی۔ اب کلیسا کے اعلان کے مطابق ۲۳ جون ۱۹۷۸ء کو اس کی نمائش ہونے والی تھی۔ لیکن بعض مصلحتوں کے پیش نظر چند ماہ کے لئے ملتوی کر دی گئی۔ وہ مصلحتیں کیا تھیں وہ منظرِ عام پر نہیں آئیں۔ لیکن انہی اعلانات کے پیش نظر دنیا کے نامور اخبارات نے اس مقدس چادر کے متعلق مضامین خبریں اور فیچر شائع کئے۔ جس سے عوام میں اب اس کا کافی چرچا ہو چکا ہے۔ بعض اخبارات کے اندازہ کے مطابق اس مرتبہ جو نمائش ہوگی اس موقعہ پر امید ہے کہ ساٹھ ستر لاکھ آدمی اس کی زیارت کے لئے دنیا کے کونے کونے سے آئیں گے۔ اور برکت حاصل کریں گے۔

گزشتہ صفحات میں ہم نے اس مقدس کپڑے کی مختصر تاریخ بیان کی ہے۔ اس پر جو نظریے قائم کئے گئے ہیں۔ ان کا ذکر کیا ہے۔ عیسائیوں میں ہی بعض بڑے مقتدر علماء نے اسے جعل سازی قرار دیا ہے۔ اور اس پر جو تصویر بنی ہے۔

اور اس پر خون کے جو داغ ہیں انہیں کسی مصوّر کے موئے قلم کا شاہکار قرار دیا ہے۔ یہ وہ علماء نہیں جنہیں ہمہ شما کہہ کر ٹال دیا جائے۔ ان میں سے بعض ایسے ہیں جو دنیا کے مسلّمہ تاریخ دانوں اور مذہبی راہ نماؤں میں شمار ہوتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے ٹھوس دلائل سے اس کپڑے کی ماہیت پر بحث کی ہے۔ تاریخ سے حوالے دیئے ہیں اس کے مذہبی تقدس کے ڈھول کا پول کھولا ہے۔ اس چادر کے حقیقی ہونے کا سب سے بڑا دشمن اس کی اپنی تاریخ ہے۔

چودھویں صدی عیسوی کے وسط سے تو اس کی تاریخ مسلسل ہے۔ اور اس کا رابطہ کہیں نہیں ٹوٹتا۔ لیکن اس سے پہلے کی تاریخ گمنامی کے پردے میں چھپی ہوئی ہے۔ رداءِ کفن کے علماء اور مورخین اسی کو اس کے خلاف سب سے بڑی دلیل بناتے ہیں۔ اور اگر کسی شے یا واقعہ کی تاریخ اس کے مرجع تک پہنچ ہی نہ سکے تو وہ کافی حد تک مشتبہ ہو جاتی ہے۔ ایک مرحلہ ایسا بھی آیا کہ اس کے متعلق یہ مشہور ہوا۔ کہ یہ مسلمانوں کے قبضہ میں ہے۔ اور عیسائیوں نے اس مسلمان حاکم پر حملہ کر کے دو سو مسلمانوں کو یرغمال بنا یا۔ اور ان قیمتی جانوں کی قیمت اس رداءِ کفن کی واپسی مقرر کی۔ لیکن مسلمانوں نے دو مرتبہ اسی قسم کا کپڑا بھجوا کر اصل کپڑا اپنے پاس رکھنے کی کوشش کی۔ لیکن چونکہ عیسائی اس کی حقیقت سے خوب واقف تھے۔ اس لئے انہوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اور حقیقی کپڑے پر اصرار کیا۔ جب مسلمان کمانڈر نے مسلمانوں کی جان خطرے میں دیکھی تو اس نے یہی مناسب جانا۔ کہ یہ کپڑا واپس کر دیا جائے۔ اس لئے یہ عیسائیوں کو دے دیا گیا۔ یوں مندیل تصویری پیدا ہوئی۔ لیکن ادیسہ کے شاہ عبغر پنجم کے بارہ میں بھی ایک روایت مشہور ہے کہ وہ بیمار ہوا تو اسے معلوم

ہوا کہ ایک بہت بڑا خدا رسیدہ بزرگ جسے مسیح کہتے ہیں۔ اس کی مملکت میں آیا ہوا ہے۔ اور نہ کمالات اور معجزات دکھانے کی طاقت رکھتا ہے۔ اس لئے اس نے اسے اپنے دربار میں آنے کی دعوت دی۔ لیکن حضرت مسیح نے اسے ایک رومال بھجوا دیا۔ جس پر اس کی شبیہہ ثبت تھی۔ مندیل تصویری کی یہ دوسری توجیہہ بیان کی جاتی ہے۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ شہر ادیسہ پر جب بھی حملہ ہوا۔ تو اسی ردائے کفن کو فصیل شہر پر لہرایا گیا تو اس کی برکت سے فتح نصیب ہوئی۔ اور دشمن کو شکست ہوئی۔ اسی قسم کی اور بھی شکستہ سی کڑیاں ہیں جنہیں جوڑنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ لیکن آج کا زمانہ محض تاریخ پر ہی انحصار نہیں کرتا۔ آج سائنس بھی اس مسئلہ کی چھان بین میں پوری طرح ممد و معاون ہے۔ اور یہ سائنس ہی کا کارنامہ ہے کہ یہ مقدس کپڑا ساری دنیا میں مشہور ہوا۔

انیسویں صدی کے آخر پر جبکہ کیمرہ ایجاد ہو چکا تھا۔ اس کپڑے کی تصاویر لی گئیں تو حیرت انگیز انکشاف ہوا جس نے دنیائے عیسائیت میں ایک غلغلہ مچا دیا۔ اس کپڑے پر حضرت مسیح کی تصویر کی منفی تصویر ثبت تھی۔ اور نصرانی لوگ ان نشانات سے سمجھتے تو تھے۔ کہ یہ ان کے منجی یسوع مسیح کی تصویر ہے۔ لیکن منفی تصویر کا تصور تو کیمرہ کی ایجاد کے بعد کی بات ہے۔ جب اس منفی تصویر کی منفی تصویر شیشہ کی فلم پر آئی۔ تو یہ مثبت بن کر صحیح اور سچی تصویر بن گئی۔ اور حیرت و انکشافات کا باب کھل گیا۔ اب اس پر سائنس دانوں نے اپنی کاوشوں اور کوششوں کی مشق شروع کی۔ جوں جوں تحقیق آگے بڑھتی گئی اس گتھی کی الجھنیں سلجھتی گئیں۔ انہوں نے یہ حتمی طور پر ثابت کر دیا کہ انسانی ہاتھ منفی تصویر بنانے پر قادر ہو ہی نہیں سکتا۔ اس لئے یہ تصویر بہرحال حقیقی ہے خواہ یہ حضرت مسیح کی ہے یا کسی اور کی۔ مگر یہ انسانی ہاتھ کا کارنامہ نہیں۔ اس لئے اسے بلا وجہ

جعلی قرار نہیں دیا جا سکتا۔

اب اس کے بعد اس کپڑے کی قدامت پر تحقیق کی سوجھی تو یہ بھی پتہ چل گیا۔ کہ اس ساخت اور اس قسم کی بناوٹ کے کپڑے آج سے انیس سو برس قبل استعمال کئے جاتے تھے۔ اس پر جو زر گل پڑا ہوا ہے۔ اسے خورد بینوں سے دیکھ کر یہ ثابت کیا گیا ہے کہ یہ فلسطین ترکی اور شام کے پودوں کا ہے۔ جہاں یہ کپڑا ایک لمبا عرصہ رہا۔ سائنسدانوں نے ایسے تجربات کر لئے ہیں۔ جن سے وہ یقینی طور پر یہ ثابت کرنے کے لئے تیار ہیں۔ کہ یہ کپڑا انیس سو برس ہی پرانا ہے۔ اس طریق کو کاربن چودہ کا طریق کہا جاتا ہے۔ لیکن اس طریق میں کپڑے کو جلا کر تجربہ کیا جاتا ہے۔ اور ارباب کلیسا اس چادر کا کوئی حصہ ضائع کرنے کے لئے کسی صورت میں بھی تیار نہیں۔ اس لئے فی الحال یہ تجربہ نہیں کیا جا سکا۔ کمپیوٹر کے ذریعہ اس کی تصویریں تیار کی گئیں۔ تو ان سے بھی سائنسدان یہی سمجھتے ہیں کہ کپڑے پر تصویر حقیقی ہے۔ اس کپڑے کے حقیقی ہونے کا ایک اور بہت بڑا ثبوت بھی تو اس پر موجود ہے۔ وہ حضرت مسیح کے مقدس لہو کے داغ ہیں۔ اس کپڑے پر ان داغوں کی تصویر نہیں۔ بلکہ یہ اصلی اور حقیقی بہتے ہوئے خون کے داغ ہیں۔ یہی داغ اصل میں نصرانی علماء کے لئے دردِ سر بن گئے ہیں۔ عیسائیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت مسیح نے صلیب پر جان دے دی۔ اور فوت ہو گئے۔ لیکن یہ امر حیرت انگیز ہے کہ اس چادر پر خون کے اٹھائیس داغ ہیں۔ اور قریباً ہر داغ سے یہ بات واضح ہے کہ یہ بہتے ہوئے خون کا داغ ہے۔ لیکن یہ تو ایک عام آدمی بھی جانتا ہے۔ کہ مردہ جسم میں سے خون بہا نہیں کرتا۔ اور جما ہوا خون اگر کپڑے کو لگ جائے تو ایک دھبہ تو پڑ سکتا ہے۔ لیکن بہتے ہوئے خون کا داغ نہیں ہو سکتا۔ مگر کپڑا تو بہتے ہوئے خون

کے داغوں سے بھرا ہؤا ہے۔ اور اسی بہتے ہوئے خون کے داغوں کی مختلف توجیہات کی جاتی ہیں۔ چونکہ عیسائی علماء کا ذہنی پس منظر یہی ہے کہ حضرت مسیح فوت ہو گئے اور یہ لہو زندہ جسم میں سے نہیں نکلا۔ اور اسی وجہ سے مختلف مفروضے قائم کئے جاتے ہیں۔ جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ یہ حضرت مسیح علیہ السلام کا معجزہ تھا۔

ان سب امور کے باوجود اب عیسائی ذہنوں میں یہ خلش ضرور پیدا ہو گئی ہے۔ کہ بہتا ہوا خون تو زندگی کی علامت ہے اس لئے اب ایسے مصنفین اور محققین کا وجود بھی منظر عام پر آنے لگ گیا ہے۔ جو حضرت مسیح کو صلیب پر فوت شدہ ماننے میں ہچکچا رہے ہیں۔ لیکن ابھی یہ مسئلہ زیر بحث ہے۔ اگر کسی وقت یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی تو اس کے بعد حضرت مسیح کی صلیب کے بعد کی زندگی کا بہت بڑا سوال سامنے آئے گا۔ یہ وہ وقت ہو گا جبکہ سیاحوں کے سفرناموں کی تحقیق شروع ہو گی۔ قریب قریب کے علاقوں کے مورخین کی تاریخوں کی چھان بین کی جائے گی۔ اور خدا معلوم اس وقت کن کن مسودات۔ تاریخوں اور مذہبی روایات کا مطالعہ کیا جائے گا۔ تاکہ حضرت مسیح کی بعد از صلیب کی زندگی کے حالات معلوم کئے جائیں۔ لیکن یہ امر کس قدر حیرت انگیز ہے کہ مسیح محمدی جو عیسےٰ بن مریم کے مثیل ہیں انہوں نے آج سے قریباً نوے سال قبل اس بات کا حتمی طور پر اعلان کیا۔ کہ حضرت عیسیٰ صلیب کی موت سے بچائے گئے۔ خدا کے نوشتے پورے ہوئے۔ آپ کی درد بھری دعائیں سنی گئیں۔ اور یہود اپنے مذموم ارادہ میں ناکام ہو گئے۔ اور یوں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے عیسائیوں کے عقیدۂ کفارہ کی بیخ کنی کی۔ اور حضرت مسیح کا انسان ہونا ثابت کیا اور خدائی ارادہ کا واضح اعلان یوں فرمایا:-

"پس اس جگہ ہم بجز اس کے کچھ نہیں کہہ سکتے۔ کہ یہ خدا کا ارادہ تھا کہ وہ چمکتا ہوا حربہ اور وہ حقیقت نما برہان کہ جو صلیبی اعتقاد کا خاتمہ کرے۔ اس کی نسبت ابتدا سے یہی مقدر تھا۔ کہ مسیح موعود کے ذریعہ سے دنیا میں ظاہر ہو۔ کیونکہ خدا کے پاک نبی نے یہ پیشگوئی کی تھی کہ صلیبی مذہب نہ گھٹے گا اور نہ اس کی ترقی میں فتور آئے گا۔ جب تک کہ مسیح موعود دنیا میں ظاہر نہ ہو اور وہی ہے جو کسرِ صلیب اس کے ہاتھ پر ہوگی"۔

(مسیح ہندوستان میں صہ ۶۵)

گزشتہ صفحات میں حضرت مسیح کی مقدس ردائے کفن کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ جس سے حضرت مسیح کا صلیب پر سے زندہ اترنا ثابت ہے۔ لیکن یہ تو محض ایک دلیل ہے۔ لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تو اس موضوع پر دلیلوں کا انبار لگا دیا ہے۔ انہی دلیلوں میں سے یہ بھی ہے کہ آپ جب صلیب سے بچ گئے تو اس خوف سے کہ یہودیا رومی آپ کو پکڑ کر دوبارہ صلیب پر نہ کھینچیں آپ اپنے ملک سے ہجرت کر کے مشرقی ممالک میں تشریف لے آئے۔ اور سفر کرتے کرتے کشمیر پہنچے۔ جہاں کہ بنی اسرائیل کے وہ دس فرقے آباد تھے۔ جن کو شالمندر شاہ اسور سامریہ سے سات سو اکیس برس پیشتر اسیر کر کے لے گیا تھا۔ جہاں وہ آکر ہندوستان میں متفرق مقامات میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ اور اس سلسلہ میں یہ امر بیان کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ مغربی افغانستان کے شہر ہرات کے گرد و نواح میں آج بھی ایسے لوگ آباد ہیں۔ جو اپنے آپ کو عیسیٰ بن مریم کے سچے پیرو سمجھتے ہیں۔ لیکن

ویسے مسلمان ہیں۔ ایک یورپین مصنف او۔ ایم۔ برک O. M. Burke
نے ان کے کچھ حالات اپنی کتاب 'Among the Dervishes'
میں لکھے ہیں. وہ یہ سمجھتا رہا کہ شاید یہ وہ لوگ ہیں جنہیں یورپین مبلغین نے
مشرقی ایران میں اپنی کوششوں کے ساتھ عیسائی بنایا تھا۔ یا یہ شائد ان
نستوری عیسائیوں میں سے بقیہ لوگ ہیں جو ان علاقوں میں آباد تھے۔ اور جنہیں
ساتویں یا آٹھویں صدی میں عرب مسلمانوں نے فتح کر لیا تھا۔ لیکن جب برک
خود ان سے جا کر ملا۔ تو اسے پتہ چلا۔ کہ ان کے حالات اور واقعات اس
سے بہت زیادہ قدیم ہیں۔ ان کی تعداد اندازاً ایک ہزار کے قریب ہے۔ ان
کے مرشد یا سربراہ کا نام آبا یحیٰ ہے۔ اور یہ شخص اپنے ساٹھ پیشرووں کے
نام گنواتا ہے اور یہ سلسلہ عیسیٰ ابن مریم ناصری ثم کشمیری سے جا ملتا ہے۔ ان
لوگوں کا علی الاعلان یہ عقیدہ ہے کہ حضرت مسیح صلیب پر سے بچ گئے تھے اور
اپنے دوستوں اور ہمدردوں کی مدد سے مخفی طور پر کشمیر کی طرف بھاگ آئے۔
اور یہیں پر آباد ہو گئے۔ اور یہاں پر آن کر آپ یوز آسف کے طور پر معروف
ہوئے۔ اسی زمانہ میں ان لوگوں نے آپ کا آسمانی پیغام سنا۔ آبا یحیٰ کے
عقائد ہرگز وہ عقائد نہیں۔ جو موجودہ عیسائیوں کے ہیں۔ یحیٰ کچھ زمین کے مالک
ہیں اپنے دوسرے "عیسائی" رفقا کی طرح یہ کہتے ہیں کہ ان کے استاد کا بھی
یہی فرمان تھا کہ ہر شخص کوئی نہ کوئی پیشہ ضرور اختیار کرے۔ عیسیٰ ابن مریم ان
کے نزدیک خود بڑھئی تھے۔ اور بھیڑیں بھی پالا کرتے تھے۔ آپ معجزات
دکھانے کی طاقت رکھتے تھے۔ اور آپ نے اپنی قوم کی خاطر جان بھی دی۔

وہ لوگ یہ "جان دینا" عام معنوں میں استعمال نہیں کرتے۔ بلکہ سمجھتے ہیں کہ آپ واقعی فوت ہو گئے۔ اور یہ واقعہ آپ کے مشن شروع کرنے سے بہت پہلے کا ہے۔ اور اس کے نتیجہ میں آپ کی ملاقات اللہ تعالےٰ سے ہوئی اور آپ دوبارہ انسانوں کی طرف مبعوث ہوئے تاکہ آپ انہیں حق و صداقت کی راہ دکھائیں اور اگر وہ باز نہ آئیں تو انہیں انجام بد سے آگاہ کریں۔

ان کی مقدس کتاب "احادیث مسیح" ہے۔ یہ لوگ عیسائیوں کے نئے عہد نامہ پر ایمان نہیں رکھتے۔ یا یوں سمجھ لیں کہ "احادیث مسیح" ان کا نیا عہد نامہ ہے۔ ان کا خیال ہے کہ نیا عہد نامہ جو عیسائیوں کی مقدس کتاب ہے۔ اس کا کچھ حصہ تو صحیح ہے مگر ان لوگوں نے لکھا تھا جو اپنے استاد کی تعلیمات کو صحیح طور پر سمجھ ہی نہ سکے۔

برک لکھتا ہے کہ ابا بچی ایک طویل القامت اور عالم فاضل بزرگ ہیں شخصیت اولیاء اللہ جیسی ہے۔ اپنی مقدس کتب کے علاوہ یہود کی کتب پر بھی عبور رکھتے ہیں۔ انہوں نے دوران گفتگو کہا کہ

"بیٹا یہ عیسائی لوگ تمہیں کہانی کا محض ایک حصہ سناتے ہیں۔ انہوں نے اس آسمانی پیغام کو سمجھا ہی نہیں۔ ہم نے اپنے استاد سے یہ پیغام سنا۔ اور سمجھا اور اس کے ذریعہ ہم نجات پائیں گے۔

وہ کتاب جسے تم انجیل کہتے ہو اس کا تو صرف ایک حصہ حقیقت ہے۔ باقی سب رطب و یابس ہے۔ جو ذخیرہ تمہارے پاس ہے یہ سب خیالی اور توہماتی ہے۔ جو کتاب تمہارے پاس موجود ہے عیسیٰ

تو اس سے تیس برس بعد بھی زندہ رہے۔ اور انہوں نے ہی
ہمیں حق اور صداقت کی اصل باتیں بتائیں۔"

برک کے خیال میں ان کے نزدیک حضرت عیسےٰ ابن اللہ تھے۔ اور یہ مقام انہوں نے اپنی قربانیوں اور ریاضتوں سے حاصل کیا تھا۔ اور اسی وجہ سے وہ ایک الٰہی وجود تھے۔ آپ حضرت یحیٰ کے بعد مبعوث ہوئے جو خود اپنے وقت کے بہت عظیم انسان تھے۔ یحیٰ پانی سے بپتسمہ دیتے تھے لیکن عیسےٰ روح اور آگ سے عقل و فہم کے یہی تین مدارج تھے۔ جس کی یہ عیسائی تبلیغ کرتے ہیں۔ ایا یحیٰ کی قوم کے لوگ بپتسمہ۔ روح القدس۔ اور خدا کی بادشاہت کو انسانی ترقی کے تین مدارج سمجھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ انہی کی پاسداری کلیسا کا فرضِ اولین ہے۔ اور انہی کی تعلیم اپنے متبعین کو دینی چاہیئے۔

ان کے ہاں ایک مذہبی کھانے کی بھی رسم ہے۔ جیسا کہ عیسائیوں کے ہاں فسح کی ہے۔ Last Supper یعنی یہ رسم ہر ہفتہ منائی جاتی ہے۔ جس میں روٹی اور شراب استعمال کی جاتی ہے۔ یہ بڑے پرہیزگار اپنے عقائد میں بڑے پختہ اور سادہ سے لوگ ہیں اور انہیں یہ یقین ہے۔ کہ وہ دن دور نہیں کہ جب حضرت عیسےٰ کے متعلق لوگوں کو اصل حقیقت کا علم ہوگا۔ اور یہ وہ وقت ہوگا کہ عیسےٰ کے ان متبعین کو ظاہر ہونا پڑے گا۔ اور لوگوں کو سچی تعلیم سے آشنا کرانا ہوگا۔ تاکہ وہ بھی خدا کی بادشاہی میں داخل ہوں۔

ابھی محض ہرات کے اردگرد رہنے والے ایک گروہ کا علم ہوا ہے۔ جو اپنے آپکو عیسےٰ بن مریم کے سچے پیرو بتاتے ہیں۔ اور اپنے مرشدین کا سلسلہ حضرت مسیح

سے ملاتے ہیں اور جب تحقیق کا یہ سلسلہ وسیع ہوا اور مختلف علوم و فنون کے نامور علماء اس طرف متوجہ ہوئے تو خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ کون کونسے حقائق منظرِ عام پر آئیں گے۔

ردائے کفن پر بہتے ہوئے لہو کے نشانات سے یہ بات بخوبی عیاں ہے کہ آپ صلیب پر فوت نہیں ہوئے۔ لیکن اس کے علاوہ انجیل میں خود ایسی شہادتیں موجود ہیں کہ جن سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت مسیح صلیب پر سے زندہ بچ گئے۔

متی باب ۱۲ آیت ۴۰ میں لکھا ہے کہ

"اس زمانہ کے بُرے اور زناکار لوگ نشان طلب کرتے ہیں۔
مگر یوناہ نبی کے نشان کے سوا کوئی اور نشان ان کو نہ دیا
جائے گا۔ کیونکہ جیسے یوناہ تین رات دن مچھلی کے پیٹ میں رہا
ویسے ہی ابن آدم تین رات دن زمین کے اندر رہے گا"

اب یہ بات کوئی ڈھکی چھپی نہیں کہ یوناہ نبی مچھلی کے پیٹ میں فوت نہیں ہوئے تھے۔ محض بے ہوشی تھی اور آپ وہاں سے زندہ ہی نکلے تھے۔ اور پھر آپ کی قوم نے آپ کو قبول کیا۔ اسی لئے حضرت مسیح کو چونکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے بعض اخبارِ غیبیہ دی گئی تھیں۔ اس کے پیش نظر آپ نے فرمایا کہ آپ بھی صلیب پر فوت نہیں ہونگے اور زمین کے اندر بے ہوشی کے عالم میں رہیں گے۔ اور زمین کے پیٹ میں سے نکل کر پھر قوم سے ملیں گے۔ اور یہ پیشگوئی پوری ہوئی۔ اور آپ زمین کے پیٹ سے نکل کر ان قوموں کی طرف تشریف لے گئے۔ جو کشمیر تبت اور افغانستان کے گرد و نواح میں رہتی تھیں۔ جو بنی اسرائیل کے دس فرقے ہی تھے جن کا گزشتہ

اوراق میں ذکر کیا گیا ہے۔

پھر یہ کہ توریت استثناء باب ۲۱ آیت ۲۳ میں لکھا ہے کہ

"جو کاٹھ پر لٹکایا گیا وہ لعنتی ہے"

حضرت مسیح خدا کے عظیم الشان اور پیارے نبی تھے۔ ان کو خدا سے محبت تھی۔ اور خدا ان سے پیار کرتا تھا۔ یہ انسانی تصور سے ہی بالا ہے کہ خدا اپنے پیاروں کو لعنت کے مفہوم سے یاد کرے۔ لعنت کا تعلق تو دل سے ہے۔ اگر حضرت مسیح واقعی صلیب پر فوت ہی ہو گئے تھے تو قانون یہود کی رو سے آپ لعنتی ٹھہرے یعنی آپ کا دل خدا تعالےٰ سے متنفر ہو گیا۔ اور خدا کو ان سے نفرت ہو گئی۔ آپ خدا تعالےٰ کی رحمت سے بے نصیب ہو گئے۔ اور خدا تعالےٰ کی محبت سے محروم ہو گئے۔ خدا کی معرفت سے آپ دور جا پڑے۔ اور آپ کا مہر و وفا کا جو تعلق تھا وہ قطع ہو گیا۔ گویا کہ آپ میں اور خدا کے درمیان بغض اور نفرت پیدا ہو گئی۔ بلکہ یوں کہنا زیادہ درست ہو گا کہ خدا آپ کا دشمن اور آپ خدا کے دشمن ہو گئے۔ لیکن حضرت مسیح جیسے پیارے وجود کے متعلق تو ایک لمحہ کے لئے بھی یہ گمان نہیں کیا جا سکتا کہ اُن پر ان میں سے کوئی بھی حالت طاری ہوئی۔ آپ سراسر خدا کی محبت سے معمور رہے۔ اور خدا تعالےٰ آپ سے ہمیشہ راضی رہا۔ خدا کی برکات اور رحمتیں ہمیشہ آپ پر برستی رہیں۔ آپ خدا کے محبوب رہے۔ اور ایک لمحہ کے لئے بھی آپ کا دل خدا کی محبت سے خالی نہ رہا۔ اس لئے یہ ضروری تھا کہ آپ اس لعنت کی لکڑی سے زندہ اترتے۔ تا آپ پر ان غلیظ الفاظ میں سے کوئی بھی اطلاق نہ پا سکے۔ اور آپ ہمیشہ ہی خدا تعالےٰ کے پیارے اور محبوب ہی کہلائیں۔

متی ۲۶ آیت ۳۲ میں لکھا ہے کہ

"میں اپنے جی اٹھنے کے بعد تم سے پہلے گلیل کو جاؤں گا"۔

دیکھو یہاں پر یہ نہیں لکھا کہ میں آسمان پر جاؤں گا۔ اور اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ آپ قبر سے نکلنے کے بعد گلیل کی طرف سفر فرمائینگے۔ اور یہ جو لکھا ہے کہ "جی اٹھنے کے بعد" اس کا یہی مطلب ہے کہ آپ کی حالت اس وقت بالکل مُردوں جیسی ہی ہوگی۔ لیکن آپ حقیقت میں مردہ نہیں ہوں گے۔ ہم عام روزمرہ کے محاوروں میں بھی یہ بات کہتے ہیں کہ فلاں شخص تو قبر میں سے واپس آیا ہے۔ یا وہ تو مردہ ہی تھا۔ خدا تعالےٰ نے اسے دوبارہ زندگی عطا فرمائی ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا۔ کہ حقیقتاً وہ شخص فوت ہو چکا تھا بلکہ یہ کہ وہ قریب المرگ تھا۔ اسی طرح حضرت مسیح پر بھی ایسی ہی بے ہوشی طاری تھی۔ کہ بادی النظر میں یہودیوں نے آپ کو فوت شدہ ہی سمجھ لیا۔ حالانکہ آپ ابھی زندہ تھے۔ آپ کا دل کام کر رہا تھا۔ اس لئے آپ کو جب قبر میں اُس ہولناک عقوبت کے اثرات کم ہونے پر ہوش آئی تو آپ اٹھے اور اپنی پیشگوئی کے تحت گلیل کی طرف تشریف لے گئے۔ اور یہ آپ کی زندگی کا کھلا کھلا نشان ہے۔ اور آپ کی پیشگوئی پوری ہونے کی بیّن دلیل ہے۔ اور رداء کفن پر لہو کے بہتے ہوئے اٹھائیس نشان اس کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

اس سلسلہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عیسےٰ ابن مریم کی شانِ نبوت اور رسالت بیان فرماتے ہوئے "مسیح ہندوستان میں" کے صفحہ ۱۹ پر لکھا ہے:۔

"یہ بھی یاد رہے کہ ایسا خیال صرف حضرت مسیح علیہ السلام کی شان

نبوت اور مرتبۂ رسالت کے ہی مخالف نہیں بلکہ ان کے اس دعویٔ کمال اور پاکیزگی اور محبت اور معرفت کے بھی مخالف ہے۔ جو انہوں نے جابجا انجیل میں ظاہر کیا ہے۔ انجیل کو پڑھ کر دیکھو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صاف دعوے کرتے ہیں کہ میں جہان کا نور ہوں میں ہادی ہوں اور میں خدا سے اعلےٰ درجہ کی محبت کا تعلق رکھتا ہوں اور میں نے اس سے پاک پیدائش پائی ہے اور میں خدا کا پیارا بیٹا ہوں۔ پھر باوجود ان غیر منفک اور پاک تعلقات کے لعنت کا ناپاک مفہوم کیونکر مسیح کے دل پر صادق آسکتا تھا۔ ہرگز نہیں۔ پس بلاشبہ یہ بات ثابت ہے کہ مسیح مصلوب نہیں ہوا۔ یعنی صلیب پر نہیں مرا۔ کیونکہ اس کی ذات صلیب کے نتیجہ سے پاک ہے۔ اور جبکہ مصلوب نہیں ہوا تو لعنت کی ناپاک کیفیت سے بے شک اس کے دل کو بچایا گیا۔"

متی کی یہ آیت جس میں لکھا ہے کہ میں جی اٹھنے کے بعد گلیل کو جاؤں گا۔ یہ پیشگوئی پوری بھی ہوئی اور مرقس کی انجیل باب ۱۶ آیت ۱۴-۱۵ میں لکھا ہے کہ

"پھر وہ ان گیارہ کو بھی جب کھانا کھانے بیٹھے تھے دکھائی دیا۔ اور اس نے ان کی بے اعتقادی اور سخت دلی پر ان کو ملامت کی۔ کیونکہ جنہوں نے اس کے جی اٹھنے کے بعد اسے دیکھا

تھا انہوں نے ان کا یقین نہ کیا تھا۔"

پھر اسی سلسلہ میں مرقس کی انجیل باب ۲۴ آیت ۳۶ تا ۴۳ میں لکھا ہے

"وہ یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ یسوع ان کے بیچ میں آکر کھڑا ہوا۔ اور ان سے کہا تمہاری سلامتی ہو۔ مگر انہوں نے گھبرا کر اور خوف کھا کر یہ سمجھا کہ کسی روح کو دیکھتے ہیں اس نے ان سے کہا تم کیوں گھبراتے ہو اور کس واسطے تمہارے دل میں شک پیدا ہوتے ہیں۔ میرے ہاتھ اور میرے پاؤں دیکھو کہ میں ہی ہوں۔ مجھے چھو کر دیکھو کیونکہ روح کے گوشت اور ہڈی نہیں ہوتی۔ جیسا مجھ میں دیکھتے ہو اور یہ کہہ کر اس نے انہیں اپنے ہاتھ اور پاؤں دکھائے۔ جب مارے خوشی کے انکو یقین نہ آیا اور تعجب کرتے تھے تو اس نے ان سے کہا کیا یہاں تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے! انہوں نے اسے بھنی ہوئی مچھلی کا قتلہ دیا اس نے لے کر ان کے روبرو کھایا۔"

مرقس کی ان آیات کا ایک ایک لفظ اس امر کا اعلان کر رہا ہے کہ حضرت مسیح صلیب پر فوت نہیں ہوئے، آپ اپنے شاگردوں کو ان مادی آنکھوں کے ذریعہ نظر آئے۔ یہ کوئی کشف نہ تھا جو ان شاگردوں نے دیکھا پھر یہ کہ حضرت مسیح اپنے شاگردوں کی گھبراہٹ کو سمجھ گئے۔ اور انہیں تسلی اور یقین دلانے کے لئے کہا کہ "میں ہی ہوں" یعنی میں گوشت اور پوست والا پہلا مسیح ہوں۔ پھر فرمایا کہ مجھے چھو کر دیکھو کیونکہ اگر میں روح ہوتا تو تم مجھے چھو کر نہ دیکھ سکتے۔ اور یہ

اطمینان دلانے کے لئے کہ میں روح نہیں فرمایا کہ

"روح کے گوشت اور ہڈی نہیں ہوتی جیسا کہ مجھ میں دیکھتے ہو
اور یہ کہہ کر اس نے انہیں اپنے ہاتھ اور پاؤں دکھائے۔"

جب انہوں نے یہ سب کچھ دیکھا تو مارے خوشی کے پھر بھی یقین نہ آیا۔ کیونکہ وہ تو حضرت مسیح کو اپنی آنکھوں سے صلیب پر چڑھا ہوا دیکھ کر آئے تھے۔ اس پر حضرت مسیح نے انہیں اپنی زندگی کا سب سے بڑا ثبوت دیا اور فرمایا کہ

"یہاں تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے تو انہوں نے اسے بھنی ہوئی
مچھلی کا قتلہ دیا۔ اس نے لے کر ان کے روبرو کھایا۔"

یہ مادی زندگی کا کتنا بڑا ثبوت ہے کہ آپ اپنے حواریوں کو بتاتے ہیں کہ دیکھو میں زندہ ہوں۔ میں روح نہیں ہوں۔ روح کے گوشت پوست اور ہڈی نہیں ہوتی۔ پھر یہ کہ روحیں مچھلی نہیں کھایا کرتیں۔ ان کے سامنے اپنی اسی زندگی کا واضح ثبوت دیا۔ کہ مچھلی کا قتلہ لیا اور کھا کر دکھایا۔ تاکہ انہیں یہ یقین ہو جائے کہ آپ روح نہیں۔ اور یہ کوئی خواب یا کشف نہیں۔ آپ اسی مادی جسم کے ساتھ ان کے سامنے ہیں۔ اور وہ دوسرے انسانوں کی طرح جسم رکھتے ہیں۔ اور کھانے اور پینے کے محتاج ہیں۔ اور مچھلی کا قتلہ کھا کر یہ ثابت کر دیا۔ کہ آپ صلیب پر فوت نہیں ہوئے بلکہ آپ زندہ ہی تھے کہ آپ کو اتار لیا گیا۔ اور اب آپ اپنے شاگردوں کو اس کا اطمینان کروا رہے ہیں۔

اس کے بعد آپ کے ایک اور شاگرد توما نے یقین کرنے سے بالکل انکار کر دیا اور کہا کہ جب تک میں اس کے ہاتھوں میں میخوں کے سوراخ نہ دیکھوں بلکہ

ان میں انگلی نہ ڈال لوں اور اپنا ہاتھ اس کی پسلی میں نہ ڈال لوں. ہرگز یقین نہ کرونگا کہ حضرت مسیح زندہ ہیں اور دوسرے شاگردوں کو نظر آئے ہیں.

یوحنا کے باب ۲۰ آیت ۲۶ میں لکھا ہے.

"آٹھ روز بعد جب اس کے شاگرد پھر اندر تھے اور توما ان کے ساتھ تھا اور دروازے بند تھے۔ یسوع نے آکر بیچ میں کھڑا ہوکر کہا تمہاری سلامتی ہو۔ پھر اس نے توما سے کہا اپنی انگلی پاس لاکر میرے ہاتھوں کو دیکھ اور اپنا ہاتھ لاکر میری پسلی میں ڈال اور بے اعتقاد نہ ہو بلکہ اعتقاد رکھ۔"

پس دیکھو کہ حضرت مسیح نے کس کس طرح اپنے شاگردوں کو اپنی ارضی زندگی کا یقین دلایا۔ لیکن اگر اس کا عام اعلان ہوجاتا کہ آپ تاحال زندہ ہیں تو یہودی اور رومی آپ کو فوراً گرفتار کرکے دوبارہ صلیب دیتے۔ اس لئے اس امر کو مخفی رکھا گیا۔ اور خفیہ طور پر ہی آپ اپنے مخلص حواریوں سے ملے۔ ان کے ساتھ رات گزاری۔ کھانا کھایا۔ مچھلی کھائی انہیں برکت دی اور اپنے مشن کو پورا کرنے کے لئے مخفی طور پر ہی ملک سے فرار ہوگئے۔ تاکہ نوشتوں کا لکھا پورا ہو۔ اور اپنی گمشدہ بھیڑوں کو جاکر اپنا آفاقی پیغام سنائیں.

ایک اور محکم دلیل جو حضرت مسیح کے صلیب پر سے زندہ اترنے کی ہے۔ وہ آپ کی دردمندانہ دعائیں ہیں. حضرت مسیح کو جب بذریعہ الہام اپنی گرفتاری کا یقین ہوگیا تو آپ نے ساری رات رو رو کر اللہ تعالےٰ کے حضور دعا کی، اور یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالےٰ اپنے ایک مقبول بندے کی اس طرح گریہ و زاری سے دعا کو رد کردیتا۔

حضرت مسیح تو خود فرماتے ہیں کہ باپ جو آسمان پر ہے میری سنتا ہے۔ پس یہ بات سمجھ نہیں آتی کہ واقعی خدا تعالےٰ ان کی دعائیں سنتا تھا۔ کیونکہ صلیب سے ایک رات قبل آپ نے پوری شب نہایت کرب کے ساتھ دعا کی۔ لیکن آپ کی یہ دعا ہرگز قبول نہ ہوئی۔ اور آپ کو صلیب دے دیا گیا۔ اور بقول عیسائیوں کے آپ اس پر فوت بھی ہو گئے۔ اگر یہ سچ ہے تو آپ کی دعا ہرگز قبول نہ ہوئی۔ لیکن خدا تعالےٰ نے آپ کی دعاؤں کو شرف قبولیت بخشا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو آپ کے شاگردوں کے لئے بھی بڑی ٹھوکر کا باعث ہوتا اور بہت بُرا اثر پیدا کرتا۔ آپ کا یہ فقرہ

"ایلی ایلی لما سبقتنی"

ثابت کرتا ہے کہ آپ کو یقین تھا کہ خدا تعالےٰ آپ کی دعا کو سنے گا۔ اور آپ کو ہرگز یہ امید نہ تھی کہ یہ انجام ہوگا۔ اور آپ صلیب پر جان دے دیں گے۔ پس آپ صلیب سے بچائے گئے اور آپ کی دعائیں ضرور قبول ہوئیں۔

من جملہ اور بہت سے دلائل کے ہم نے محض یہ چند بطور نمونہ پیش کئے ہیں جن سے یہ ثابت ہو جائے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل سے صلیبی موت سے محفوظ رکھا۔ آپ صحف سابقہ اور قدیم نوشتوں اور اپنی ہی پیشگوئیوں کے ماتحت صلیب کے ہولناک انجام سے محفوظ رہے۔ اور مشرقی ممالک میں تشریف لائے۔ اور ان میں سیاحت فرمائی۔ اس لئے یہ پیشگوئی بھی پوری ہوئی کہ آپ مسیح تھے اور آپ کا کام ہی سیاحت کرنا تھا۔

گذشتہ صفحات میں یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ حضرت مسیح کی صلیب پر وفات کا عقیدہ نہایت ہی خطرناک عقیدہ ہے۔ عیسائیوں کے کفارہ کو اسی عقیدہ کی بناء پر

سہارا ملتا ہے۔ یہ لوگ حضرت مسیح کو ابن اللہ ثابت کرنے کے لئے بھی اس کو ایک بہت بڑی دلیل گردانتے ہیں۔ اور اگر یہ ثابت ہو جائے کہ حضرت مسیح صلیب پر سے زندہ اتر آئے۔ آپ اس وقت فوت نہیں ہوئے تھے۔ جبکہ آپ کو قبر میں رکھا گیا۔ اور جب آپ قبر میں سے نکلنے کے بعد اپنے شاگردوں کو ملے۔ تو اسی گوشت پوست اور ارضی جسم کے ساتھ ملے تھے۔ تو عیسائیت کے بنیادی عقائد پر ایک کاری ضرب ہے۔

حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کا حضرت مسیح علیہ السلام کی صلیب سے نجات اور آپ کا طبعی موت سے وفات کا اعلان تاریخ مذاہب میں ایک عظیم الشان کارنامہ ہے۔ اور یہ اعلان اس وقت کیا گیا جبکہ عیسائی سلطنتیں اپنے عروج پر تھیں۔ پادری بے دھڑک دنیا کے جس ملک میں چاہتے جاتے۔ اور یسوع مسیح کے دین کی علی الاعلان منادی کرتے۔ اور انہیں کوئی روکنے والا نہ تھا۔ ان کے مقابل پر ایک ہی مذہب تھا جس سے توقع کی جاتی تھی کہ وہ کچھ مقابلہ کرے اور وہ دین اسلام تھا۔ لیکن یہ وہ وقت تھا کہ ساری دنیا کی اسلامی طاقتیں کے مقابل پر سہمی ہوئی تھیں۔ صرف ترکی ایک سلطنت تھی جس میں کچھ طاقت و قوت تھی۔ لیکن یہ ملک بھی "یورپ کا مرد بیمار" کہلاتا تھا۔ جنگِ عظیم دوم کے بعد اس ملک کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اس کی طاقت کا بھی خاتمہ کر دیا گیا۔ عیسائی منادوں کا اعلان تھا کہ وہ وقت قریب ہے کہ ساری دنیا عنقریب مسیحی جھنڈے تلے آجائیگی۔ یہاں تک کہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں بھی یسوع مسیح کا جھنڈا لہرائے گا۔ یہ محض قیافہ ہی نہیں بلکہ صرف ایک پادری کے چند جملوں سے یہ اندازہ ہو سکے گا کہ اس وقت مسیحیوں کے کیا عزائم تھے۔ پادری بیروز نے ۱۹۰۹ء میں کہا تھا۔

"اب میں اسلامی ممالک میں عیسائیت کی روز افزوں ترقی کا ذکر کرتا ہوں۔ اس ترقی کے نتیجہ میں صلیب کی ضو فشانی اگر ایک طرف لبنان پر ہے تو دوسری طرف فارس کے پہاڑوں کی چوٹیاں اور باسفورس کا پانی اس کے نور سے منوّر ہے۔ یہ صورت حال اس آئندہ انقلاب کا پیش خیمہ ہے۔ جب قاہرہ دمشق اور طہران خداوند یسوع مسیح کے خدام سے معمور نظر آئیں گے حتیٰ کہ صلیب کی چمک صحرائے عرب کے سکوت کو چیرتی ہوئی خداوند یسوع مسیح کے شاگردوں کے ذریعہ مکہ اور خاص کعبہ کے حرم میں داخل ہوگی اور بالآخر وہاں اس حق وصداقت کی منادی کی جائے گی کہ ابدی زندگی یہ ہے کہ وہ تجھے خدائے واحد برحق اور یسوع مسیح کو جانیں جسے تو نے بھیجا ہے۔"

(بیروز لیکچرز ۹۷-۱۸۹۶ء صـ۴۲)

صرف اس ایک پادری کے خیالات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس وقت کے عیسائیوں کے کیا ارادے تھے، وہ کس طرح ساری دنیا کو خصوصاً مسلمانوں کو عیسائی بنانے پر تُلے ہوئے تھے۔ یہی وہ وقت تھا جبکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت مسیح کی صلیب سے نجات کا اعلان فرمایا۔ نہ صرف یہ کہ صحف سابقہ سے اس امر کے نہایت مضبوط دلائل پیش کئے۔ پھر اس کے بعد آپ نے طبی کتب سے یہ ثابت کیا کہ مرہم عیسےٰ جس کا نسخہ طب کی ہزار کتب میں درج ہے آپ کے ہی صلیبی زخموں کے لئے تیار کیا گیا تھا۔ پھر آپ نے ہندوستان میں بدھ مت اور عیسائیت کی تعلیم

میں مماثلت سے ثابت کیا۔ کہ حضرت مسیح ہندوستان کے شمالی علاقوں میں تشریف لائے۔ اس کے بعد آپ نے مختلف محققین اور سیاحوں کے سفرناموں سے ثبوت پیش کئے جن سے حضرت مسیح کا ان علاقوں میں آنا ثابت ہوتا ہے اور پھر اس کے بعد آپ نے اس قبر کی نشاندہی فرمائی جہاں آپ مدفون ہیں۔ اور تاریخی حقائق سے ثابت کیا۔ کہ یہ اسی مسیح کی قبر ہے۔ جو یروشلم میں رومیوں اور یہودیوں کے ہاتھوں مصلوب ہوا تھا۔ اس سلسلہ میں آپ نے "مسیح ہندوستان میں" کے دیباچہ میں تحریر فرمایا۔

"لیکن تاہم میری ہمدردی نے تقاضا کیا کہ تاریخی واقعات وغیرہ روشن ثبوتوں سے بھی مذکورہ عقائد کا باطل ہونا ثابت کروں۔ سو میں اس کتاب میں یہ ثابت کروں گا کہ حضرت مسیح علیہ السلام مصلوب نہیں ہوئے اور نہ آسمان پر گئے۔ اور نہ کبھی امید رکھنی چاہیئے کہ وہ پھر زمین پر آسمان سے نازل ہوں گے۔ بلکہ وہ ایک سو بیس برس کی عمر پاکر سرینگر کشمیر میں فوت ہو گئے۔ اور سرینگر محلہ خانیار میں ان کی قبر ہے۔"

پھر اسی سلسلہ میں چند سطریں آگے چل کر لکھتے ہیں :۔

"ناظرین سے امید رکھتا ہوں کہ وہ اس کتاب کو غور سے پڑھیں اور یونہی بدظنی سے ان سچائیوں کو ہاتھ سے پھینک نہ دیں اور یاد رکھیں کہ ہماری یہ تحقیق سرسری نہیں بلکہ یہ ثبوت نہایت تحقیق اور تفتیش سے بہم پہنچایا گیا ہے۔ اور ہم خدا تعالےٰ سے دعا کرتے ہیں کہ اس کام میں ہماری مدد کرے۔ اور اپنے خاص الہام اور

اللہ سے سچائی کی پوری روشنی ہمیں عطا فرمادے کہ ہر ایک صحیح
علم اور صاف معرفت اسی سے اترتی اور اسی کی توفیق سے دلوں
کی راہ نمائی کرتی ہے۔ آمین ثم آمین"

پس رداءِ کفن جو آج عیسائی دنیا کے قبضہ میں ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس عظیم الشان تحقیقات کا صرف ایک ثبوت ہے۔ خدا تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ مستقبل میں کون کونسی شہادتیں منظر عام پر آنے والی ہیں۔ جن سے حضرت مسیح کی خدائی کا بت پاش پاش کیا جائے گا۔ ہمیں ہرگز اس بات کا دعویٰ نہیں کہ یہ مقدس چادر مسیح کی صلیبی موت سے نجات کا آخری ثبوت ہے۔ چونکہ یہ موضوع آج کل سرگرمی سے زیر بحث ہے اور ہماری زبان میں اس کے متعلق تفصیلی مواد موجود نہیں تھا۔ اس لیے اس بارہ میں مختصر سی معلومات مہیا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ حق بات یہی ہے کہ وہ ٹھوس دلائل اور براہین جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی کتب اور تحریرات میں پیش فرمائی ہیں وہی بے نظیر اور لاجواب ہیں۔ لیکن چونکہ یہ ایک ایسی شہادت ہے جو آپ کے دعوے کی تصدیق کرتی ہے۔ اس لئے اسے دنیا کے سامنے پیش کرنا بھی لازمی اور ضروری تھا۔ آپ کی تحریرات کے مطالعہ سے عجیب سکون اور قرار ملتا ہے۔ اور دل میں خدمت اسلام کا جذبہ موجزن ہو جاتا ہے اور جو معارف آنکھوں سے اوجھل تھے وہ نظر آجاتے ہیں۔ اس لئے وہی دلائل اور براہین حضرت مسیح علیہ السلام کی طبعی وفات کے سلسلہ میں مدِ نظر رہنے چاہئیں۔ اور انہی سے استفادہ کرنا چاہیئے۔ جو آپ نے پیش فرمائے اس لئے کہ وہی انسانی عقل و فہم کے لئے نور اور روشنی فراہم کرتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود

علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:۔

"اس تاریکی کے زمانہ کا نور میں ہی ہوں جو شخص میری پیروی کرتا ہے وہ ان گڑھوں اور خندقوں سے بچایا جائے گا جو شیطان نے تاریکی میں چلنے والوں کے لئے تیار کئے ہیں۔ مجھے اس نے بھیجا ہے۔ کہ تا میں امن اور حلم کے ساتھ دنیا کو سچے خدا کی طرف راہبری کردوں اور اسلام میں اخلاقی حالتوں کو دوبارہ قائم کردوں اور مجھے اس نے حق کے طالبوں کی تسلی پانے کے لئے آسمانی نشان بھی عطا فرمائے ہیں اور میری تائید میں عجیب کام دکھلاتے ہیں۔ اور غیب کی باتیں اور آئندہ کے بھید جو خدا تعالیٰ کی پاک کتابوں کی رو سے صادق کی شناخت کیلئے اصل معیار ہے میرے پر کھولے ہیں۔ اور پاک معارف اور علوم مجھے عطا فرمائے۔"

(مسیح ہندوستان میں ص۱۳)

BIBLIOGRAPHY

1. 'Shroud' by Robert K. Wilcox
2. 'A Doctor at Calvary' by Pierre Barbet
3. 'The Shroud of Christ' by Paul Vignon
4. 'The Sacred Shroud' by Thomas Humber
5. 'It is the Lord' by Peter M. Rinaldi
6. 'Christ did not perish on the Cross' by Kurt Berna
7. 'Inquest on Jesus' by John Reban
8. 'Proceedings of the 1977 U.S. Conference of Research on 'The Shroud of Turin'
9. 'Jesus died in Kashmir' by Faber Kaiser
10. 'The New Testament'
11. 'Among the Dervishes' by O. M. Burke
12. 'The Turin Shroud' by Ian Wilson

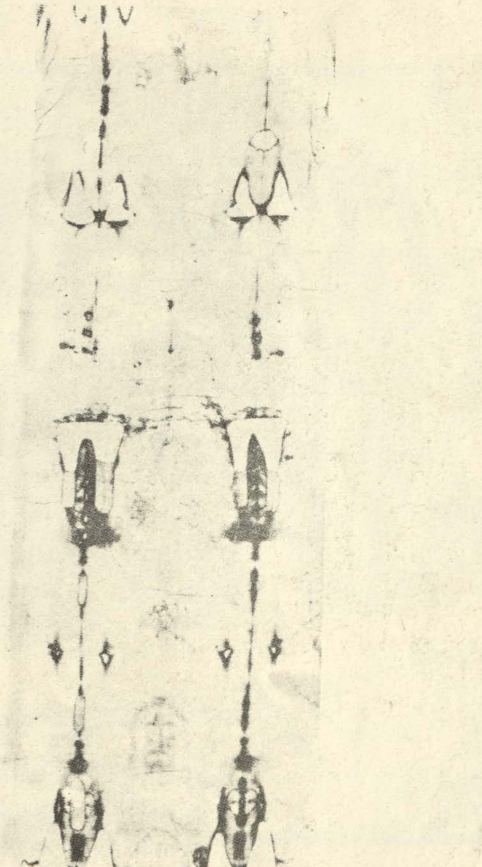
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اکثر کتب سے استفادہ کیا گیا اور جو کتب خاص طور سے زیر مطالعہ رہیں وہ درج ذیل ہیں:۔ (۱) مسیح ہندوستان میں (۲) تذکرۃ الشہادتین (۳) براہین احمدیہ حصہ پنجم (۴) اربعین (۵) حقیقۃ الوحی (۶) چشمہ مسیحی (۷) نزول المسیح (۸) راز حقیقت علاوہ ازیں علماءِ سلسلہ کے مضامین سے استفادہ کیا جن میں حکیم محمد حسین صاحب کی کتاب طبی مائدہ عامل اور سید عبدالحی صاحب کا مضمون مرہم عیسیٰ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ان کے ساتھ ساتھ گزشتہ دو برس سے کفنِ مسیح کے بارہ میں انگلستان اور امریکہ کے اخبارات نے کثرت سے ذکر کیا۔ اور جو مواد ان کے ذریعہ حاصل ہو سکا۔ وہ بھی زیر مطالعہ رہے۔

تصویر ۱



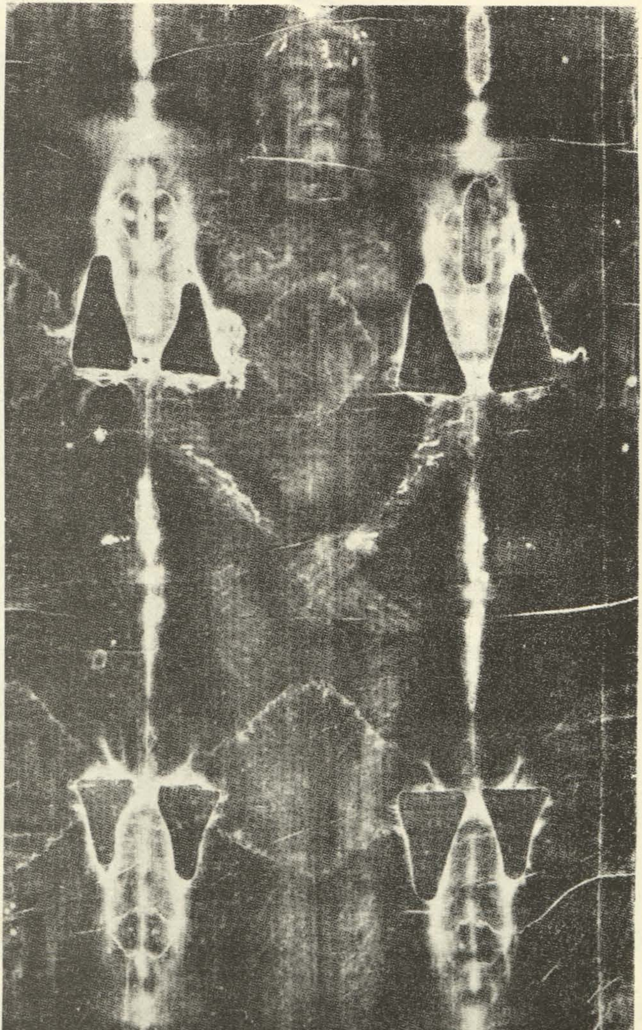
حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام کفن میں یوں لپیٹے گئے۔

تصویر ۲



دیکھنے والوں کو کفن یوں نظر آتا ہے۔

تصویر۳



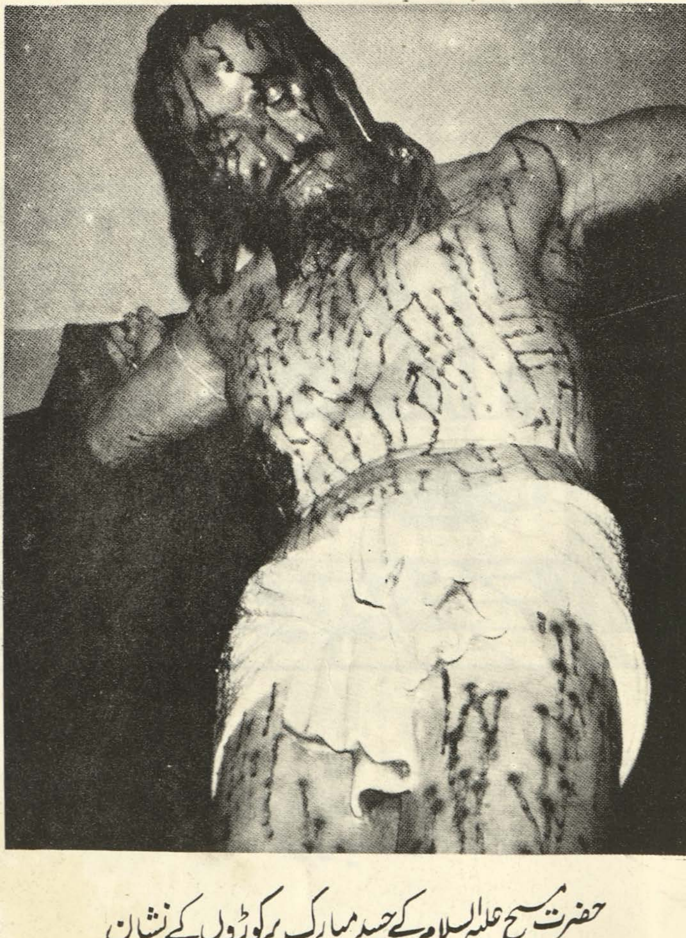
جب کیمرہ سے کفن کی تصویر لی گئی تو یہ تصویر شیشے کی پلیٹ پر ابھری

تصویر ۴



حضرت مسیح علیہ السلام صلیب پر سے اتارے جا رہے ہیں

تصویر ۵



حضرت مسیح علیہ السلام کے جسدِ مبارک پر کوڑوں کے نشان

تصویر ۶



کفن کی ایک نقل

مصنّف:

حسن محمد خان مصنّف "مقدس کفن" ۱۹۲۰ء میں مشرقی پنجاب کے دارالخلافہ جالندھر میں بارک زئی پٹھانوں کے ایک معزّز خاندان میں پیدا ہوئے۔ چونکہ والد حکومتِ ہند کے دفاتر میں ملازم تھے اس لئے زندگی کے ابتدائی ایام یعنی بچپن اور لڑکپن شملہ اور دلّی میں گزرا۔ میٹرک گورنمنٹ ہائی سکول شملہ سے پاس کیا اور دہلی یونیورسٹی سے بی۔ اے کی ڈگری حاصل کی۔ کالج کی تعلیم دلّی کی مشہور درسگاہ اینگلو عربک کالج سے حاصل کی۔ کالج کے انگریز اور ملکی اساتذہ نے ان کی زندگی پر بہت گہرا اثر چھوڑا۔ کالج کے معاً بعد حکومتِ ہند کے ہی ایک دفتر میں ملازم ہو گئے اور ۱۹۴۲ء میں کوہِ منصوری کے ایک معزز سیّد خاندان کے ایک نہایت مخلص بزرگ سید فضل الرحمٰن فیضی کی صاحبزادی سیّدہ اختر فیضی سے شادی ہوئی۔ اور اس کے معاً بعد حضرت مصلح موعودؓ کے ارشاد پر لبیک کہتے ہوئے زندگی وقف کر کے قادیان آ گئے۔ یہاں آن کر پہلی تقرری تحریکِ جدید میں بطور نائب وکیل التجارت ہوئی۔ اس کے بعد آپ کو بعض دوسرے دفاتر میں بھی کام کرنے کا موقعہ ملا۔ کچھ عرصہ نائب وکیل المال و افسر آبادی کے طور پر کام کیا۔ بعد ازاں آپ وکالتِ تبشیر میں بطور نائب وکیل التبشیر مقرر ہوئے۔ اپنے مفوضہ فرائض کے علاوہ بطور وکیل الدیوان، سیکرٹری وکیل اعلیٰ اور بعض دیگر اہم عہدوں پر کام کرنے کا موقعہ ملا۔ خدام الاحمدیہ میں آپ برسوں مرکزی مہتمم خدمتِ خلق رہے۔ جب انصار کی عمر کو پہنچے تو دس برس تک اپنے حلقے کے زعیم رہے۔ اس کے بعد مرکزی مجلس عاملہ

میں قائد مجالس بیرون و قائد قلمی دوستی مقرر ہوئے اور اب تک اس خدمت پر مامور ہیں۔

سماجی کاموں میں بھرپور دلچسپی کی وجہ سے حکومت کی طرف سے شہر کی اصلاحی کمیٹی کے ممبر مقرر ہوئے۔ دورانِ وقف آپ نے تعلیم الاسلام کالج ربوہ میں ایم۔اے میں داخلہ لیا اور ۱۹۶۴ء میں پنجاب یونیورسٹی سے ڈگری لی۔

۱۹۷۶ء میں آپ چند ماہ کے لئے اپنے بیٹوں کے پاس کینیڈا بھی گئے جہاں آپ نے مغربی زندگی کا بڑی گہری نظر سے مطالعہ کیا اور وطن واپس آکر ماہنامہ خالد میں گیارہ قسطوں میں کینیڈا کی زندگی کے بارے میں بڑے معلوماتی مضامین لکھے جو بہت پسند کئے گئے۔

اردو زبان میں "مقدس کفن" پر غالباً اس سے پہلے کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ مصنف کی یہ پہلی تصنیف ہے جس میں اس نادرِ روزگار تبرک کے بارے میں بہت معلوماتی تفاصیل دی گئی ہیں اور امید ہے کہ یہ قارئین کے لئے بڑی دلچسپی کا باعث ہوگی۔